سُفرۃ الواعظین

یعنی مجموعہ مواعظ وخطبات

جلد: اوّل

جمع وترتیب

(مفتی) محمد عادل عثمانی

خادم التدریس دار العلوم اشرفیہ، راندیر

ناشر

مکتبہ عثمانیہ، راندیر

۱۷۰/۶، مالم واڈا اسٹریٹ راندیر سورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرۃ الواعظین

یعنی مجموعہ مواعظ وخطبات

جلد: اوّل

جمع وترتیب

(مفتی) محمد عادل عثمانی

خادم التدریس دار العلوم اشرفیہ، راندیر

ناشر

مکتبہ عثمانیہ، راندیر

۶/۱۷۰، مالم واڈا اسٹریٹ راندیر سورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

اسم کتاب: سُفرۃُ الواعظین

جمع وترتیب: (مفتی) محمد عابد اللہ عثمانی

ناشر: مکتبہ عثمانیہ راندیر
۶/۱۷۰۱، مالم واڈا اسٹریٹ راندیر سورت

انتساب

اوّلاً: حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام، جن کے احسانات کی انتہا نہیں۔

ثانیاً: والد معظم حضرت مولانا مفتی عارف حسن عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ کے نام، جو احقر کے صرف مشفق باپ ہی نہیں بلکہ محسن ترین استاذ اور مربی تھے، جن کی مثالی تربیت اور کامل نگرانی اس ناکارہ کے لیے برابر حق پر استقامت اور دینی خدمات انجام دہی کے لیے معاون بنتی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ ان کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں اور رفع درجات کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین)

ثالثاً: والدہ مکرمہ حفظہا اللہ کے نام، جن کی مخلصانہ دعائے نیم شبی احقر کی زندگی کا بڑا سرمایہ ہیں۔ رب کریم انھیں صحت، طاقت، قوت وتندرستی کی نعمت سے مالا مال فرمائیں اور دعا کے اس دروازے کو احقر کے حق میں عافیت کے ساتھ تادیر کھلا رکھیں۔ (آمین)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اجمالی فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفصیلی فہرست

❁❁❁ کلماتِ عالیہ ❁❁❁

مخدوم محترم ومکرم، فقیہ النفس، نائب امیر الہند

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم

استاذ تفسیر وحدیث وفقہ دار العلوم دیو بند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم ، اما بعد!

محبِ مکرم، فاضلِ گرامی جناب مولانا مفتی محمد عادل عثمانی صاحب زید کرمہم اُستاذ دار العلوم اَشرفیہ راندیر ایک باصلاحیت، محنتی اور صالح نوجوان عالم دین ہیں۔ موصوف فقیہ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہٗ کے نواسے اور معروف بافیض بزرگ حضرت مولانا مفتی عارف حسن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے اور جانشین ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جناب مفتی محمد عادل صاحب تدریس کے ساتھ ساتھ راندیر کی مرکزی ''مسجد حظیرہ'' کی اِمامت وخطابت کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں، اور موقع بموقع ضرورت اور حالات کو سامنے رکھ کر اِصلاحی بیانات کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ اور اطمینان کی بات یہ ہے کہ موصوف جو بھی گفتگو فرماتے ہیں، اُس کے لیے پہلے سے مطالعہ اور تیاری بھی کرتے ہیں، جس کی بنا پر آپ کے بیانات معتبر اور مستند باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اور سامعین اُن سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

خطابت کے ساتھ ساتھ موصوف کو مضامین کی ترتیب کا بھی بہترین ذوق اور سلیقہ عطا کیا گیا ہے، جس کا اندازہ آپ کی مرتب کردہ تحریری کاوشوں سے ہوتا ہے۔

اِسی سلسلے کی ایک زریں کڑی آپ کی تازہ کتاب ''سفـــرۃ الواعظین'' ہے، جو دراصل خطبات و بیانات کے لیے موصوف کے جمع کردہ قیمتی مضامین کا عمدہ اور مفید مجموعـــہ ہے۔ اس میں تقریباً سبھی اہم دعوتی و اِصلاحی موضوعات پر بہت سلیقے کے ساتھ مرتب انداز میں گفتگو کی گئی ہے، اور سبھی باتیں الحمدللہ سادہ اور آسان زبان میں پیش کی گئی ہیں، جس کی وجہ سے اِس کتاب سے علما اور عوام دونوں بھرپور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اِس کاوش کو قبول فرمائیں، اور اِس طرح کی مزید خدمات انجام دینے کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

فقط والسلام

احقر محمـــد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۲۰/۱۲/ ۱۴۴۳ مطابق ۲۰/۷/۲۰۲۲ء بروز بدھ

❁❁❁ حوصلہ اَفزا کلمات ❁❁❁

خادم الحدیث النبوی الشریف، برادر مکرم ومحترم

حضرت مولانا مفتی شاہد حسن عثمانی صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ

استاذ حدیث وفقہ مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم ، اما بعد!

﴿وَّذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ [الذاریات:۵۵]

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف صلوات وسلام کی من جملہ خصوصیات کے ایک خصوصیت یہ بھی ذکر کی جاتی ہے کہ یہ امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو علی وجہ الکمال انجام دیتی رہے گی، اس فریضے کی ادائی میں سب سے بڑا کردار امت کے اُن خیر خواہ علما و واعظین کا ہے جو امت کے اجتماعی وانفرادی دینی وملّی حالات پر گہری نظر رکھتے ہوئے موقع بموقع امت کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔

اِن واعظین ومقررین کا کام بڑا محنت طلب ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا نازک اور ذمے دارانہ ہوتا ہے، کیوں کہ یہ وعظ وتقریر اساطیر الاوّلین کا مصداق نہیں، بلکہ بڑی فکروں سے گِھری ہوئی ہوتی ہے کہ جو بات بھی منہ سے نکلے وہ کتاب وسنت کے اصولوں کے موافق ہونی چاہیے، مزاج شریعت کے مخالف نہ ہو، امت کی خیر خواہی کے علاوہ کوئی فاسد غرض نہ ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، ناپ تول کر بات کہنی ہوتی ہے۔

جب یہ واعظین بڑی عرق ریزی کے ساتھ پہلے اپنے مضمون کو تیار کرتے ہیں، اُس کی نوک و پلک سنوارتے ہیں، حوالجات کے ذریعے مستند بناتے ہیں، اخلاص وللّٰہیت کے ذریعے وزنی بناتے ہیں۔ ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ [الشعراء :۳] کے رنگ میں رنگ کر خیرخواہانہ انداز میں اپنی بات پیش کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی تو اعلان کر رکھا ہے:

﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝﴾ [الاعراف:۱۷۰]

﴿وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ [یوسف:۵۶]

اللہ تعالیٰ جب واعظین کی محنتوں کو شرف قبول سے نوازتے ہیں تو یہی تقریریں لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہیں، گناہوں اور بدعات ورسومات کے چھوڑنے اور اعمال اور سنتوں کے احیا کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

اِنہی مشہور ومقبول واعظین میں ہمارے چھوٹے بھائی مفتی محمد عادل عثمانی زید مجدہ کا شمار ہوتا ہے، اہل راندیر وسورت نیز اطراف واکناف کے لوگ خوب مستفید ہوتے ہیں۔ جمعہ کے بیانات کے علاوہ ماہِ رمضان میں بعد التراویح ہونے والے دروسِ قرآن بہت ہی زیادہ مقبول ومشہور ہیں، مقبولیت صرف راندیر وسورت تک محدود نہیں، بلکہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مقبولیت پوری دنیا میں پھیل چکی ہے، چنانچہ رمضان المبارک میں آن لائن نشر کرنے کا مستقل نظام بنا ہوا ہے۔

دراصل یہ سلسلہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کیا ہوا ہے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اِن بیانات کا مجموعہ ''فیضان عارف'' کے نام سے دو جلدوں میں طبع ہو چکا، مزید کام

جاری ہے۔ برادر موصوف نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں آپ ہی کے حکم سے وعظ وتقریر کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، نیز والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکلف بنایا تھا کہ جو وعظ وتقریر کریں اُسے رکارڈ کر کے لائیں، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُسے سن کر اصلاح بھی فرماتے اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے ،فرحم اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد برادر موصوف نے اس سلسلے کو جاری رکھا، اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ماہِ مبارک میں فجر کی نماز کے بعد باوجود نیند کے تقاضے کے دو تین گھنٹے بیدار رہ کر پوری ذمے داری اور عرق ریزی کے ساتھ ایک ایک مضمون کو تیار کیا ہے۔آج انہی مضامین کے مجموعے کو''سفرۃ الواعظین'' کے نام سے امت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ قارئین جیسے جیسے اس کتاب کو پڑھتے چلے جائیں گے، میری ان باتوں کی صداقت سامنے آتی چلی جائے گی۔ مصورہ نسخے کو عام کر دینے کا فیصلہ جو مفتی **عادل** نے کیا ہے یہ بڑے **دل** کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی جمیع مساعی جمیلہ کو شرف قبول عطا فرمائیں، نظر بد سے بچائیں اور ہم تمام کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ (آمین)

کتبہ العبد شاہد حسن عثمانی

خادم تدریس مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت

۲۱/ ۱۲/ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۱/ ۷/ ۲۰۲۲ء بروز جمعرات

کچھ اپنی باتیں

حضرت قبلہ والد صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ کی وفات ۶؍رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ بروز منگل بحالت صوم بوقت چاشت ہوئی۔اسی روز سے حظیرہ بڑی مسجد راندیر میں جہاں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان المبارک میں تراویح کے بعد درس قرآن کا جو سلسلہ جاری تھا وہ اس ناچیز کے حوالے ہوا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تو بغور دیکھا کہ وہ رمضان المبارک میں ہونے والی درس قرآن کی مجلس کے لیے انتھک کوشش فرماتے تھے۔ایک ایک مضمون میں چار چار گھنٹے لگ جاتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ رمضان المبارک میں حضرت والد صاحب کی تفسیر کا ڈنکا بجتا تھا۔دور دور سے لوگ سننے کے لیے تشریف لاتے تھے، بلکہ کتنے تو ایسے تھے جو تفسیر سننے کے لیے تراویح حظیرہ مسجد میں آکر ادا کرتے تھے۔بندے کو اولاً حضرت والد صاحب کی اس محنت شاقہ کا احساس نہیں تھا۔خیر! وہ رمضان جس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جیسے تیسے گزر گیا،لیکن اگلے رمضان سے احساس ہوا کہ درس قرآن مکمل تیاری کے ساتھ ہونا چاہیے۔

بندے کو بھی نئے نئے مضامین کی تلاش اور اس کی تیاری کا شوق پیدا ہوا اور ہر سال نئے نئے مضامین کو پیش کرنے کی طلب ہوئی۔پھر یہ مضامین ایسے ہوں جو مواد سے لبریز ہو، مستند باتوں سے پر ہوں، نہ کہ اس میں ایران تران کی باتیں، اناپ شناپ واقعات اور بے سند اقوال ہوں۔

غرض ! نئے نئے مضامین کی جستجو نے مطالعے کی طلب پیدا کی اور ظاہر ہے کہ بغیـــر مطالعے کے بیٹھ جانا دیانت کے بھی خلاف ہے، قرآن وحدیث کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ایک مضمون کی تحقیق میں دسیوں کتابیں نظر سے گزرتی ، اوراس طرح سے بہت سے مستند مضامین جمع ہو گئے ۔ ۱۴۴۲ھ کے رمضان المبارک میں لاک ڈاؤن کی وجہ سے گھر سے ہی آن لائن درس قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔اس دوران جو مضامین بندہ نے جمع کئے تھے ان کو یکجا کیا گیا اور اسے ’’سفـــرۃ الواعظین‘‘ کا نام دیا گیا۔

بندہ نہایت ممنون ومشکور ہے مخدوم محترم ومکرم نائب امیر الہند حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کا اور برادر مکرم حضرت مفتی شاہد حسن عثمانی سلّمہ اللہ تعالیٰ کا ، جنھوں نے اس کتاب پر حوصلہ افزا کلمات تحریر فرما کر نہ صرف اس عاجز پر احسان فرمایا ، بلکہ اس کتاب میں چار چاند بھی لگا دیے۔حق تعالیٰ ان حضرات کو دارین کی خیر وخوبیوں سے مالا مال فرمائیں ، ان کے علم ، عمل ، عمر اور عزت میں خوب خوب برکتیں نصیب فرمائیں اور ان کی جملہ خدمات دینیہ ودنیویہ کو قبول فرمائیں ۔(آمین)

اِس کتاب کے حوالوں کی مراجعت کے سلسلے میں عزیزم مولوی مفتی شمعون خانپوری زیدعلمہ نے بہت محنت کی ، جس پر وہ شکریہ اور مبارک بادی کے مستحق ہیں ۔

اِس کتاب کی تصحیح ونظر ثانی کے سلسلے میں عزیزم مولوی مدثر صاحب امراوتی زیدعلمہ و فضلہ (مدرس دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر) کا بڑا تعاون رہا ، حق تعالیٰ ان کے احسانـــات کا انھیں بھرپور صلہ عطا فرمائیں اور ان کی حسنات میں اضافے کا سبب بنائیں ۔(آمین)

عاجز کو اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا بہت احساس ہے ، اگر اس کتاب میں کوئی بات

قابل اصلاح ہوتو قارئین سے عاجزانہ ومؤدبانہ التماس ہے کہ اُس پر مطلع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

اس موقع پر حضرت قبلہ والد ماجد نوراللہ مرقدہ کو کیسے فراموش کرسکتا ہوں، جنھوں نے اِس عاجز کو وعظ وخطابت کا سلیقہ سکھایا، ایک ایک تقریر آپ نے جواُن کی حیات طیبہ میں احقر نے کی، اُن کو سنا، حوصلہ بھی دیا اور موقع بہ موقع اصلاح بھی فرمائی۔حق تعالیٰ شانہ اُن کی تربت پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں اور اِس کتاب کو اُن کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائیں۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ سے دعاہے کہ وہ اِس کتاب میں آنے والے مضامین پر عمل کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، اِس کے نفع کو عام وتام فرمائیں اور قبولیت کے زیور سے اِس کو آراستہ فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

فقط والسلام

محمد عادل عثمانی

خادم تدریس دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر

۲۱/ ۱۲/ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۱/ ۷/ ۲۰۲۲ء بروز جمعرات

❁❁❁ درس کی تیاری کیسے کریں؟ ❁❁❁

تحریر اور تقریر دعوت کے دو مؤثر ذرائع ہیں۔علمائے کرام کو چونکہ حق جل مجدہ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا وارث بنا کر مبعوث فرمایا ہے،اس لیے انھیں اِن دونوں ذرائع میں مہارت کا حصول اُن کے فرائض منصبی کا تقاضا ہے۔

راقم آثم کو پچھلے بارہ سال سے حضرت قبلہ والد ماجد نور اللہ مرقدہ کی جگہ رمضان المبارک میں بعد نماز تراویح درس قرآن معہ اصلاحی مواعظ کا موقع بفضلہٖ تعالیٰ مل رہا ہے۔ حضرت والد محترم کا انداز یہی تھا کہ جو سوا پارہ تراویح میں پڑھا گیا اسی میں سے ایک یا چند آیات کا انتخاب فرماتے اور پھر اس کے ضمن میں اس کی تفسیر اور متعلقہ اصلاحی امور بھی ارشاد فرماتے تھے۔احقر نے بھی اسی سلسلے کو جاری رکھا ہے،حق تعالیٰ اخلاص و عافیت کے ساتھ اس کو جاری رکھیں (آمین)

اس سلسلے میں جو اہم کام ہے وہ یہ ہے کہ موضوعاتی درس قرآن کی تیاری کیسے کریں؟ اپنی ناقص رائے اور کوتاہ علمی کے مطابق چند گزارشات پیش خدمت ہے،جن کے ذریعے اس کام میں آسانی فراہم ہوسکتی ہیں۔

[۱] موضوع کا انتخاب

سب سے پہلا اور اہم کام ہے موضوع کا انتخاب۔اس سلسلے میں چار باتیں ہیں۔

(۱) موضوع زندہ ہو یعنی وقت کی ضرورت کے مناسب ہو۔مثلاً ’’ہماری پریشانیوں کے اسباب اور علاج‘‘ یہ موجودہ دور کا ایک زندہ موضوع ہے۔موضوع مردہ نہ ہو یعنی جس کی

ضرورت نہ ہو اس کو منتخب نہ کیا جائے۔ مثلاً ''خوارج اور معتزلہ کے عقائد'' اس کی فی زمانناعوام کو سمجھانے کی کیا ضرورت ہے؟

(۲) موضوع عملی ہو یعنی اس کی عملی افادیت ہو، جس کے ذریعے سے معاشرے میں موجود برائیوں کا خاتمہ ہو سکے۔ مثلاً ''صلہ رحمی'' یہ ایک ایسا موضوع ہو جو معاشرے میں رائج بہت سی خرابیوں کو دور کر کے جہاں توڑ ہو وہاں جوڑ پیدا کر سکتا ہے۔ موضوع نظری نہ ہو یعنی جس کی عملی افادیت نہ ہو۔

(۳) موضوع ایسا ہو کہ جو تعمیر سیرت و اخلاق کا ذریعہ ہو۔ مثلاً ''اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ایک ایسا موضوع ہو جو تعمیر سیرت و اخلاق میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ موضوع تخریبی نہ ہو۔ مثلاً ''صفات الٰہیہ'' کو موضوع نہ بنایا جائے۔

(۴) موضوع قدیم بھی ہو سکتا ہے اور جدید بھی۔ مثلاً ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' یہ ایسا موضوع ہے کہ ہر دور میں اس کی افادیت عام رہی ہے۔

[۲] منتخب آیات و احادیث کی جستجو

موضوع کے انتخاب کے بعد دوسرا اہم مرحلہ ہے موضوع سے متعلقہ منتخب آیات و احادیث کو تلاش کرنا۔

(۱) سب سے پہلے آیات کو تلاش کر کے اس کو نوٹ کر لیں۔

(۲) موضوع سے متعلقہ احادیث کو تلاش کر کے نوٹ کر لیں۔

احقر کی ناقص رائے میں احادیث کا انتخاب کرنے میں حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''ریاض الصالحین'' لاجواب ہے۔

مذکورہ دونوں کاموں کے لیے مختلف سافٹ ویر کی بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ مثلاً ’’تقویٰ کی اہمیت اور اس کے فوائد‘‘ اس موضوع پر قرآنی آیات اور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بھری پڑی ہیں۔ ان کو جمع کر کے نوٹ کرلیا جائیں۔

[۳] مختلف کتابوں سے مراجعت

تیسرا مرحلہ ہے موضوع سے متعلقہ مختلف کتب سے مراجعت۔ جس موضوع کا انتخاب کیا ہے اور اس میں جس آیت کو بنیاد بنایا ہے اس سے متعلقہ کتب تفسیر مثلاً معارف القرآن (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)، معارف القرآن (حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)، تفسیر انوار البیان (حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ)، تفسیر ہدایت القرآن (حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ۔

اور خطبات کے سلسلے میں خطبات حکیم الامت (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)، اصلاحی خطبات (مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)، حدیث کے اصلاحی مضامین (حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم)، ایک جامع قرآنی وعظ، اللہ سے شرم کیجیے، رحمٰن کے خاص بندے (حضرت مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم) انوار ہدایت، انوار نبوت، انوار رسالت (مفتی شبیر صاحب قاسمی مرادابادی دامت برکاتہم) یہ تمام کتب مستند و معتمد علیہ ہیں۔

[۴] تنقیح و ترتیب

مواد کی فراہمی کے بعد چوتھا اہم ترین مرحلہ ہے مواد کی تنقیح و ترتیب۔ جس میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جائیں۔

(۱) سب سے پہلے ایک تمہید قائم ہو جو اپنے موضوع کے متعلق جچی تلی ہو۔

(۲) پھر موضوع کا قدرے تعارف ہو۔ مثلاً ''توبہ'' کا مضمون ہے تو توبہ کے معنیٰ، تعریف اور اقسام بیان کی جائیں۔

(۳) پھر اس کے متعلقہ آیات کو مع ترجمہ وقدرے تشریح پیش کیا جائیں۔

(۴) پھر متعلقہ احادیث کو بیان کیا جائیں۔

(۵) موضوع سے متعلق مستند واقعات کو بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ''توبہ'' ہی سے متعلق صحیح روایات میں ۹۹ آدمی کے قاتل کی توبہ کا واقعہ مذکور ہے۔

[۵] ابتدائی خاکہ

مذکورہ امور کی مکمل تیاری کے بعد ابتدائی خاکہ ذہن میں رکھیں کہ کون سی چیز پہلے بیان کرنی ہے، پھر کون سی، اس کے بعد کون سی۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ موضوع مرتب ہوگا اور اکتاہٹ سے پاک ہوگا۔

یہ چند امور موضوعاتی درس قرآن کی تیاری میں نہایت مفید و مؤثر ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو زیور علم، عمل و اخلاص سے آراستہ فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

❁❁❁ وعظ و نصیحت کے چھ رہنما اصول ❁❁❁

حضرت علامہ عبدالحی صاحب کفلیتوی قدس سرہ نے اپنی مشہور کتاب ''البصائر فی تذکیر العشائر'' میں وعظ و نصیحت کے چھ بہترین رہنما اصول بیان فرمائے ہیں، اگر اُن کی رعایت کی جائے تو یقیناً وعظ و نصیحت میں جان پڑ جائے گی۔ افادیت کے پیش نظر انھیں اختصار کے ساتھ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

[۱] قرآن، حدیث اور سلف کی روایات سے واقفیت

واعظ کو چاہیے کہ قرآن مجید میں غریب الفاظ کی شرح سے واقف ہو اور مشکل توجیہ اور اس تفسیر سے آگاہ ہو جو حضرات سلف سے منقول ہے اور ماہر ہو کتب حدیث کا تنا کہ اس کے لفظ پڑھ سکے اور معنیٰ سمجھ سکے اور حضرات سلف کے حالات اور سیرت سے واقف ہو۔ بہت سے واعظ ایسے ہیں کہ نہ ان کو واقفیت ہے قرآن سے، نہ آگاہ ہے سنت سے، نہ صحابہ اور ان کے متبعین کی روایت و منقولات سے، اور انھوں نے وعظ گوئی کو محض دنیا کی کنکریاں کمانے کا آلہ بنا رکھا ہے، تم ان کو دیکھتے ہو کہ ایسی کتابیں لیے پھرتے ہیں موضوع حدیثوں اور جھوٹے قصوں سے لبریز ہیں اور وہ بے حیا بن کر منبروں پر جا چڑھتے اور یہ موضوعات لوگوں کو سناتے ہیں کہ لوگ اس گمان پر کہ باتیں شریعت سے ثابت ہیں اُن سے اخذ کرلیتے ہیں، پس ایسے واعظ خود بھی گمراہ ہوتے ہین اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں سیدھے راستہ سے۔

[۲] اپنے وعظ پر خود عمل

واعظ کو ان معصیتوں سے محترز ہونا لازم ہے جن سے لوگوں کو ڈراتا ہے اور ان

طاعتوں کا پابند ہونا لازم ہے جس کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، کیونکہ جس سے منع کرتا ہے اگر خود اس سے باز نہ رہا اور جو کہتا ہے خود اس پر عامل نہ ہو تو مبغوضِ خدا قرار پائے گا۔

[۳] نرم گفتاری

واعظ کو نرم گفتار ہونا چاہیے۔ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [النساء:۱۵۹]

اللہ کی رحمت سے تم لوگوں کے لیے نرم بنے ہو، اور اگر کہیں سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس بھیجا دعوتِ ایمان دینے کے لیے تو فرمایا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○﴾ [طٰہٰ:۴۴]

تم دونوں اس سے نرمی سے بات کہنا، شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔

[۴] تعلقات میں کمی

واعظ کو چاہیے کہ تعلقات کو کم کرے تاکہ زیادہ خوف نہ ہو اور مخلوق سے طمع کو قطع کر دینا چاہیے تاکہ مداہنت وچشم پوشی جاتی رہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی امتوں سے طمع کی رسیاں قطع کر کے یوں فرماتے تھے:

﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾

[الشعراء:۱۰۹]

میں تم سے تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، بس میرا معاوضہ تو اس کے ذمے ہے جو پالنے والا ہے سارے جہاں کا۔

[۵] ترغیب وترہیب کا سنگم

وعظ کو صرف ترغیب یا صرف تخویف ہی کے ساتھ مخصوص نہ کریں، بلکہ مخلوط کریں کہ ترغیب بھی ہو اور ترہیب بھی۔ حق تعالیٰ کی عادت بھی یہی ہے کہ وعدہ کے ساتھ وعید ہے اور بشارت کے ساتھ انذار ہے۔

[۶] نصیحت جاری رکھیں

واعظ کو چاہیے کہ حاجت اور ضرورت کے موافق نصیحت کرتا رہے اور آزاد و بیکار نہ چھوڑے کہ حدود و شریعت سے غافل نہ ہو جائے، مگر اتنا کثیر وعظ نہ ہو کہ گھبرا جانے کا اندیشہ ہو۔

واقعی! یہ چھ اصول بہت ہی اہم ہیں، اور ان میں واعظین کے لیے زریں ہدایات ہیں۔ حق تعالیٰ ان پر عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم

مضمون:(۱)

مساجد سے رشتہ قائم کیجیے

تعارف

۱؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۱۳؍اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: منگل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنۡ یُّذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ وَسَعٰی فِیۡ خَرَابِہَا﴾ [البقرہ:١١٤]

تمہید

روئے زمین کے وہ حصے جہاں ہر دم اللہ رب العزت کی انگنت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے ان میں مساجد سرفہرست ہیں۔ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا ایسا مرکز جہاں مسلمانوں کو مذہبی، اخلاقی، تعلیمی، اصلاحی، تہذیبی، تمدنی، ثقافتی امور کی رہنمائی ہوتی ہو وہ یقیناً مساجد ہیں۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں شکستہ دلوں کو حوصلہ ملتا ہے اور خوفزدہ کو امن نصیب ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اس کے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد سے رشتہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت آتے اور سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر تھوڑی دیر تک بیٹھے رہتے، پھر مکان میں تشریف لے جاتے۔ (بخاری: کتاب المغازی/باب حدیث کعب بن مالک/رقم الحدیث:٤٤١٨، مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا/باب استحباب الرکعتین فی المسجد لمن قدم من سفر اول قدومہ/رقم الحدیث:٧١٦)

مسجد قبا کی تعمیر

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اولاً آپ نے چودہ روز قبا میں قیام فرمایا۔ قیام قبا کے دوران حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سب سے پہلی و اہم فکر تھی مسجد کی بنیاد۔ چنانچہ آقا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی اپنے دست مبارک سے۔ صحابۂ کرام کے ساتھ ساتھ آپ بھی بھاری پتھر اٹھا کر لاتے تھے اور بسا اوقات پتھر تھامنے کی غرض سے اپنے شکم سے لگا لیتے تھے۔ صحابۂ کرام عرض کرتے ہیں یارسول اللہ! آپ رہنے دیجیے، ہم یہ کام کر لیں گے، مگر حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کی اس بات کو قبول نہیں فرمایا۔ (سیرت مصطفیٰ: ۱/ ۳۸۴)

مسجد نبوی کی تعمیر

قبا کے چند روزہ قیام کے بعد سرور دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ کے محلے بنی سالم کی جس مسجد میں آپ نے جمعہ ادا کیا، اب اس مسجد کو مسجد جمعہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح یہ پہلی نماز جمعہ تھی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس نماز سے پہلے خطبہ بھی دیا تھا۔

نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مدینہ منورہ جانے کے لیے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی، یعنی اسے اپنی مرضی سے چلنے کی اجازت دی۔ اونٹنی نے پہلے دائیں اور بائیں دیکھا، جیسے چلنے سے پہلے فیصلہ کر رہی ہو کہ کس سمت میں جانا ہے، ایسے میں بنی سالم کے لوگوں (یعنی جن کے محلے میں جمعہ کی نماز ادا کی گئی تھی) نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم! آپ ہمارے ہاں قیام فرمائیے، یہاں لوگوں کی تعداد

زیادہ ہے، یہاں آپ کی پوری حفاظت ہوگی۔ یہاں دولت بھی ہے، ہمارے پاس ہتھیار بھی ہیں، ہمارے پاس باغات بھی ہیں اور زندگی کی ضرورت کی سب چیزیں بھی موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بات سن کر مسکرائے، ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ جہاں جانا چاہے، اسے جانے دو، کیونکہ یہ مامور ہے۔ (سیرت مصطفیٰ: ۱/۳۹۱)

مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اونٹنی خود چلے گی اور اسے اپنی منزل معلوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں برکت عطا فرمائیں۔ اس کے بعد اونٹنی روانہ ہوئی، یہاں تک کہ بنی بیاضہ کے محلے میں پہونچی۔ یہاں کے لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے یہاں ٹھہریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بھی وہی جواب دیا جو بنی سالم کو دیا تھا۔ اسی طرح بنی ساعدہ کے علاقہ سے گزرے تو ان حضرات نے بھی یہ درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی جواب فرمایا۔ اونٹنی آگے بڑھی، اب یہ بنی عدی کے محلے میں داخل ہوئی، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی ننھیال تھی۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے ننھیال والے ہیں، اس لیے یہاں قیام فرمائیے، یہاں آپ کی رشتے داری بھی ہے، ہم تعداد میں بھی بہت ہیں، آپ کی حفاظت بھی بڑھ چڑھ کر کریں گے، پھر یہ کہ ہم آپ کے رشتے دار بھی ہیں، سوہمیں چھوڑ کر نہ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بھی وہی جواب دیا کہ یہ اونٹنی مامور ہے، اسے اپنی منزل معلوم ہے۔ اونٹنی اور آگے بڑھی اور اسی محلے میں ایک جگہ بیٹھ گئی۔ یہ جگہ بنی مالک بن نجار کے محلے کے پاس تھی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے کے قریب تھی۔

اونٹنی بیٹھ گئی، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اُترے نہیں تھے کہ وہ اچانک پھر کھڑی

ہوگئی، چند قدم چلی اور ٹھہر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی لگام بدستور چھوڑے رکھی تھی، اونٹنی اس کے بعد واپس اس جگہ آئی جہاں پہلے بیٹھی تھی، وہ دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی، اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور منہ کھولے بغیر ایک آواز نکالی۔ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اترے، ساتھ ہی فرمایا کہ اے میرے پروردگار! مجھے مبارک جگہ پر اتارنا اور تو ہی بہترین جگہ ٹھہرانے والا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ چار مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ! یہی قیام گاہ ہوگی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامان اتارنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کا سامان اپنے گھر لے جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی، وہ سامان اتار کر لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر اس وقت تک ٹھہرے جب تک کہ مسجد نبوی اور اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حجرہ تیار نہیں ہوگیا۔ آپ تقریباً گیارہ ماہ تک وہاں ٹھہرے رہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد بنانے کی فکر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی، اونٹنی چل پڑی، وہ اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی ہے، جس جگہ مسلمان نماز ادا کرتے رہتے تھے، وہ جگہ بھی اس کے آس پاس ہی تھی، اس وقت وہاں صرف دیواریں کھڑی کی گئی تھیں، ان پر چھت نہیں تھی۔ اونٹنی کے بیٹھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بس! مسجد اس جگہ بنے گی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم یہ جگہ مسجد کے لیے فروخت کردو۔ وہ جگہ دراصل دو یتیم بچوں (سہل اور سہیل) کی تھی اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ان کے سرپرست تھے، یہ روایت بھی آئی ہے کہ ان کے سرپرست حضرت معاذ

بن عفراء رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ یہ زمین لے لیں، میں اس کی قیمت ان دونوں کو ادا کر دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا اور دس دینار میں زمین کا وہ ٹکڑا خرید لیا۔ یہ قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا کی گئی۔ واہ! کیا قسمت پائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ قیامت تک مسجد نبوی کے نمازیوں کا ثواب ان کے نامۂ اعمال میں لکھا جا رہا ہے۔

یہ روایت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں یتیم لڑکوں کو بلوایا، زمین کے سلسلے میں ان سے بات کی۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم یہ زمین ہدیہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یتیموں کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور دس دینار میں زمین کا وہ ٹکڑا ان سے خرید لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انھیں دس دینار ادا کر دیں، چنانچہ انھوں نے وہ رقم ادا کر دی۔

زمین کی خرید کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کی تعمیر شروع کرنے کا ارادہ فرمایا، اینٹیں بنانے کا حکم دیا، پھر گارا تیار کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پہلی اینٹ رکھی، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دوسری اینٹ وہ رکھیں۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لگائی ہوئی اینٹ کے برابر دوسری اینٹ رکھ دی۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، انھوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اینٹ کے برابر تیسری اینٹ رکھی۔ اب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اینٹ کے برابر چوتھی اینٹ رکھی، ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ (مستدرک حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اب پتھر لگانا

شروع کردو۔ (سیرت مصطفیٰ :۱/ ۲۱۳)

تعمیر میں صحابہ کا بڑھ چڑھ کر حصہ لینا

مسجد کی تعمیر کے کام میں تمام مہاجرین اور انصار صحابہ نے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اپنے ہاتھوں سے کام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی چادر میں اینٹیں بھر بھر کر لاتے یہاں تک کہ سینۂ مبارک غبار آلود ہو جاتا۔ صحابۂ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اینٹیں اٹھاتے دیکھا تو وہ اور زیادہ جانفشانی سے اینٹیں ڈھونے لگے۔ (یہاں اینٹوں سے مراد پتھر ہیں) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا کہ باقی صحابہ تو ایک ایک پتھر اٹھا کر لا رہے ہیں۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو پتھر اٹھا کر لا رہے تھے تو ان سے پوچھا گیا کہ عمار! تم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح ایک ایک پتھر کیوں نہیں لاتے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب چاہتا ہوں۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بہت نفیس اور صفائی پسند تھے۔ وہ بھی مسجد کی تعمیر کے لیے پتھر ڈھو رہے تھے۔ پتھر اٹھا کر چلتے تو اس کو اپنے کپڑوں سے دور رکھتے تا کہ کپڑے خراب نہ ہوں۔ اگر مٹی لگ جاتی تو فوراً چٹکی سے اس کو جھاڑنے لگ جاتے، دوسرے صحابہ دیکھ کر مسکرا دیتے تھے۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گارا بنانے کا کام سپرد کیا، انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں تو مضبوط ہوں، مجھے پتھر اٹھانے کا کام دیجیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کام میں ماہر ہو۔ (سیرت مصطفیٰ :۱/ ۲۱۱)

غرض! ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر خوشی خوشی اس کام میں حصہ لیا اور کیوں نہ ہو جب کہ

آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنفس نفیس اس کام میں شریک تھے۔

مساجد کے متعلق قرآن کریم کی آیات

(۱) سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ [التوبہ:۱۸]

اللہ کی مسجدوں کو وہی آدمی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔

(۲) سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ ﴾ [النور:۳٦]

تُرْفَعَ کی تفسیر

اس سے پہلے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس نور ہدایت کے ملنے کی جگہ وہ مکانات ہیں جہاں صبح و شام اللہ کا نام بلند کیا جاتا ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان مکانات سے مراد مساجد ہیں۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے رفع مساجد کی اجازت دی ہے۔ اجازت سے مراد حکم دینا ہے اور رفع سے مراد اس کی تعظیم کرنا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسجد کو بلند کرنے کا مطلب لغو کلام اور لغو کام سے بچانا ہے۔

(۲) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رفع مساجد سے مراد مسجد کی تعمیر کرنا ہے۔ جیسے

﴿ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ ﴾ [البقرہ:۱۲۷]

مذکورہ آیت میں رفع سے مراد تعمیر کرنا ہے۔

(۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رفع مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم واحترام بجا لانا اور گندی چیزوں سے پاک رکھنا ہے۔ (معارف القرآن: ۶/۴۲۶)

مساجد کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک تمام شہروں میں محبوب و پسندیدہ مقامات مساجد ہیں اور بدترین وناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔ (مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ/باب فضل الجلوس فی مصلاہ بعد الصبح و فضل المساجد/رقم الحدیث: ۶۷۱)

(۲) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک یہودی عالم نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ بہترین جگہ کون سی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جواب میں خاموش رہے اور فرمایا کہ جب تک جبرئیل علیہ السلام نہیں آجائیں گے میں خاموش رہوں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہودی عالم کے سوال کا جواب پوچھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا، البتہ میں اپنے پروردگار بزرگ و برتر سے اس کے بارے میں پوچھوں گا۔ چنانچہ پھر حضرت جبرئیل نے آکر فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آج میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہوگیا تھا کہ کبھی بھی اتنا قریب نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے جبرئیل کس قدر؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا میرے اور اللہ کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے باقی رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ بدترین

مقامات بازار ہیں اور بہترین مقامات مساجد ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح: ص ۷۱)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں میں جایا کرو تو وہاں میوہ کھایا کرو آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں جنت کے باغ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا مسجدیں۔ پھر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! میوہ کھانا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سبحان اللہ والحمدللہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

مسجدوں میں ان کلمات کا ورد میوہ کھانا ہے۔ (ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ان للہ تسعۃ و تسعین اسما / رقم الحدیث: ۳۵۰۹)

مساجد سے ہمارا رشتہ

مساجد کی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر نیز مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اتنا تو سمجھ میں آ گیا کہ مساجد سے ہمارا رشتہ انتہائی پختہ و مضبوط ہونا چاہیے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ رشتہ کتنی طرح کا ہوسکتا ہے؟ ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

پہلا رشتہ: مساجد کی تعمیر

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اللہ کے لیے مسجد بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مکان بنا دیتا ہے۔ (بخاری: کتاب الصلوۃ / باب من بنی مسجدا / رقم الحدیث: ۴۵۰، مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ / باب فضل بناء المساجد والحث علیہا / رقم الحدیث: ۵۳۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے چھوٹی مسجد تعمیر کرے گا اللہ

تعالیٰ اس کے لیے جنت میں بڑا محل تعمیر کرتے ہیں۔(ابن ماجہ: ابواب المساجد والجماعات/ باب من بنی للہ مسجداً/ رقم الحدیث: ۷۳۸)

دوسرا رشتہ: مساجد کی نگرانی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم کسی آدمی کو مسجد کی خبرگیری کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ [التوبہ: ۱۸]

اللہ کی مسجدوں کو وہی آدمی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔(ترمذی: ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ باب ومن سورۃ التوبۃ/ رقم الحدیث: ۳۰۹۳)

تیسرا رشتہ: مساجد کو آباد کرنا

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام صرف نام کا باقی رہ جائے گا، قرآن کے صرف حروف باقی رہیں گے، مسجدیں بظاہر تو آباد ہوں گی مگر ہدایت سے ویران ہوں گی۔ ان کے علما آسمان کی چھت کے نیچے سب سے برے ہوں گے، فتنے اُنھی سے نکلیں گے اور اُنھی کی طرف لوٹیں گے۔(مشکوۃ المصابیح: ص/ ۳۸)

چوتھا رشتہ: مساجد سے محبت رکھنا

ماقبل میں روایت ذکر کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی سفر سے تشریف لاتے تو

پہلے مسجد تشریف لے جایا کرتے تھے۔

قیامت کے دن جن سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ ملے گا اور اس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہو گا ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔(بخاری: کتاب الاذان/باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوۃ/رقم الحدیث: ۶۶۰)

پانچواں رشتہ: مساجد کی صفائی کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ایک دن اس کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔(بخاری: کتاب الصلوۃ/باب کنس المسجد/رقم الحدیث: ۴۵۸)

چھٹا رشتہ: مساجد کو غلاظت و عفونت سے پاک رکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ثواب میرے سامنے پیش کیے گئے۔یہاں تک کہ اس کوڑے اور خاک کا ثواب بھی جسے کسی آدمی نے مسجد سے (جھاڑو دے کر) نکالا ہو، نیز میرے سامنے میری امت کے گناہ بھی پیش کیے گئے۔ان گناہوں میں مجھ کو اس سے بڑا کوئی گناہ نظر نہیں آیا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو۔(ابوداود: کتاب الصلوۃ/باب فی کنس المسجد/رقم الحدیث: ۴۶۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسجد سے کوڑا کرکٹ نکال دے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔(ابن ماجہ: ابواب المساجد و الجماعات/باب تطهير المساجد و تطيبها/رقم الحديث: ۷۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے قبلے میں بلغم دیکھا تو غضبناک ہوگئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا، انصار کی ایک عورت نے اٹھ کر اسے کھرچ کر صاف کر دیا، اور اس جگہ پر خلوق خوشبو مل دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے کیا ہی اچھا کیا۔(ابن ماجہ: ابواب المساجد و الجماعات/باب كراهية النجاسة فی المسجد/رقم الحديث: ۷۶۲)

ساتواں رشتہ: مساجد میں خوشبو دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محلوں میں مسجد بنانے کی اجازت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ مساجد کو صاف رکھا جائے اور مساجد میں خوشبو لگائی جائے۔(ابوداود: کتاب الصلوۃ/باب اتخاذ المساجد فی الدور/رقم الحديث: ۴۵۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مساجد کو لوبان وغیرہ کی دھونی سے معطر کرنا مستحب ہے۔(احکام المساجد ص: ۵۳)

بذل المجہود میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت مسجد میں دھونی دیا کرتے تھے۔(احکام المساجد ص: ۵۳)

آٹھواں رشتہ: مساجد میں روشنی کا انتظام کرنا

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ باندی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں

نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بیت المقدس کے سلسلے میں ہمیں حکم دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم وہاں جاؤ اور اس میں نماز پڑھو، اس زمانے میں ان شہروں میں لڑائی پھیلی ہوئی تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ جا سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو تیل ہی بھیج دو کہ اس کی قندیلوں میں جلایا جاسکے۔ (ابوداود: کتاب الصلوۃ/باب فی السرج فی المساجد/رقم الحدیث: ۴۵۷)

مسجد نبوی میں روشنی

ابن ماجہ شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ روشن کرنے والے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ تھے۔ (ابن ماجه: ابواب المساجد والجماعات/باب تطهير المساجد وتطيبها/رقم الحديث: ۷۶۰)

کتاب الصحابہ للمدینی میں ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ ملک شام سے زیتون، قندیل اور رسی لائے۔ جب مدینہ منورہ پہونچے تو اتفاق سے شب جمعہ تھی۔ آپ نے اپنے غلام ابوالبراد کو حکم دیا تو اس نے اٹھ کر رسی باندھی اور قندیل لٹکائی، پھر زیتون کا تیل ڈال کر اسے روشن کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے جب مسجد نبوی میں روشنی دیکھی تو فرمایا یہ کس نے کیا؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ تمیم نے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نورت الاسلام نورک الله علیک فی الدنیا ولآخرة اما انه لو کانت لی ابنة لزوجتکها

تم نے اسلام کو روشن کردیا، اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں تمھیں نور عطا کریں، سنو! اگر

میرے پاس کوئی بیٹی ہوتی تو ضرور اس کے ساتھ تمھارا نکاح کر دیتا۔

نواں رشتہ: دور سے چل کر مسجد آنا

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز کا سب سے زیادہ اجر اس آدمی کو ملتا ہے جو باعتبار مسافت کے سب سے زیادہ دور ہو (یعنی جس آدمی کا گھر مسجد سے جتنا دور ہوگا اور وہ گھر سے چل کر نماز کے لیے مسجد آئے گا اسے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا) اور جو آدمی نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر بیٹھا رہتا ہے تاکہ امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا ثواب اس آدمی سے زیادہ ہے جو تنہا اپنی نماز پڑھ کر سو جائے۔ (مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ / باب فضل کثرۃ الخطا الی المساجد / رقم الحدیث: ۲۶۲)

دسواں رشتہ: تاریک رات میں مسجد جانے کی فضیلت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں انھیں یہ خوشخبری پہنچا دو کہ قیامت کے دن ان کو کامل روشنی نصیب ہوگی۔ (ابو داود: کتاب الصلوۃ / باب ماجاء فی المشی الی المساجد فی الظلم / رقم الحدیث: ۲۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تاریکیوں میں مسجدوں کی جانب چل کر جانے والے ہی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت میں غوطہ مارنے والے ہیں۔ (ابن ماجہ: ابواب المساجد والجماعات / باب المشی الی الصلوۃ / رقم الحدیث: ۷۷۹)

مساجد کے متعلق اکابر کے ارشادات

مساجد کے متعلق ہمارے اکابر واسلاف کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو کہ ہمارے اکابر کا مساجد سے رشتہ کیسا تھا۔

(۱) علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تنبیہ المغترین میں تحریر فرماتے ہیں کہ مساجد پرہیزگاروں کے گھر ہیں، مساجد کو جن لوگوں نے اپنا گھر بنالیا ہے اللہ رب العزت ان لوگوں کے لیے راحت وآرام اور پل صراط پر آسانی سے گزارنے کے ضامن ہے۔(احکام المساجد/ص:۵۸)

(۲) ابوصدیق ازدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مساجد میں بیٹھنے کی عادت ڈالو کیونکہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ مساجد انبیائے کرام علیہم السلام کے بیٹھنے کی جگہیں تھیں۔(احکام المساجد/ص:۵۸)

(۳) حکیم بن عمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مساجد کو اپنا گھر بناؤ۔ ابوادریس خولانی فرماتے تھے کہ مساجد میں بیٹھنے والے لوگ اللہ رب العزت کے نزدیک باعزت ہیں۔(احکام المساجد/ص:۵۸)

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ مسلسل چالیس سال تک مسجد میں مقیم رہے تھے۔(احکام المساجد/ص:۵۸)

(۵) مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر پیشاب پاخانے کی حاجت نہ ہوتی تو میں مسجد سے کبھی باہر نہیں نکلتا اور مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں کہ میں لوگوں پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن مساجد کو آباد کرنے والوں، قرآن مجید کی

تلاوت کرنے والوں اور مسلمانوں کے معصوم بچوں کو دیکھ کر اپنا عذاب روک لیتا ہوں۔(احکام المساجد/ص:۵۹)

(۶) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسلمان مسجد میں اس طرح ٹھہرتا ہے جس طرح مچھلی پانی میں ٹھہرتی ہے۔جس طرح پانی کے بغیر مچھلی کے لیے حیات ممکن نہیں اسی طرح مسلمان کے لیے مسجد کے بغیر حیات ممکن نہیں۔اور منافق مسجد میں اس طرح ٹھہرتا ہے جس طرح پرندہ پنجرے میں ٹھہرتا ہے۔یعنی پرندے کے لیے جس طرح قید خانہ بوجھ معلوم ہوتا ہے کہ کب اس سے چھوٹ کر بھاگ نکلے ٹھیک یہی حال مسجد میں آنے والے منافق کا ہوتا ہے کہ کب میں یہاں سے واپس چلا جاؤں۔(احکام المساجد/ص:۵۷)

(۷) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مساجد و مدارس دین کے قلعے ہیں، جب تک یہ قلعے آباد رہیں گے تو پوری قوم آباد رہے گی۔(احکام المساجد/ص: ۱۵۸)

(۸) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مساجد و مدارس دین کے کارخانے ہیں، کارخانے آباد ہوں گے تو مال کی پیداوار برابر جاری رہے گی اور حفاظ کرام، قرائے عظام، مفتیان، واعظین، محدثین اور مفسرین قرآن نکلتے رہیں گے اور اگر یہ کارخانے بند ہو جائیں گے تو مال نکلنا بند ہو جائے گا اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایمان و اسلام ختم ہو جائے گا، لہٰذا مساجد و مدارس کو آباد رکھو۔(احکام المساجد/ص:۱۵۸)

(۹) حضرت شیخ مولانا محمد رضا اجمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مسلمان جہاں کہیں جاتا ہے اسے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔مسجد، مدرسہ اور قبرستان۔

مسجد جانے کی نیتیں

بخاری شریف کی پہلی روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى

عمل کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہ چیز ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔(بخاری: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث: ۱)

اس لیے علما نے لکھا ہیں کہ مسجد میں جانے سے پہلے مختلف نیتیں کرلیں تاکہ ہر نیت پر بندے کو اجر و ثواب مل جائے۔

(۱) ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے جو مسجد میں آتا ہے وہ درحقیقت اللہ کی زیارت کے لیے آتا ہے۔ اللہ رب العزت کریم ذات ہیں اور مہمان نوازی کریں اس لیے میں بھی اس کا امیدوار ہوں۔ لہٰذا اس طرح کی نیت کرنے سے بندے کو اس کا ثواب ملے گا۔

(۲) باجماعت نماز پڑھنے کے انتظار کی نیت کرنا۔ اس لیے کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ نماز پڑھنے والا۔

(۳) یہ نیت کرنا کہ بازار اور گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے اور بھٹکنے سے آنکھ، کان اور بدن کے دیگر اعضا گناہ میں ملوث تھے اور مسجد کا رخ کرنے سے ان تمام گناہوں سے حفاظت ہو جائے گی۔

(۴) اعتکاف کی نیت کرنا۔

(۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور ان دعاؤں کے پڑھنے کی نیت کرنا جن کا مسجد میں داخل ہوتے وقت یا نکلتے وقت پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں۔

(۶) یہ نیت کرنا کہ مسجد میں اللہ کا ذکر، قرآن مجید کی تلاوت یا کسی کے وعظ ونصیحت کی باتیں مجھے سننے کومل جائیں گی۔

(۷) یہ نیت کرنا کہ وضوکر کے نماز کے لیے مسجد کی طرف جانے سے حج اور عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

(۸) یہ نیت کرنا کہ مسجد میں لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے ان کو بھلائی کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے اور علم سیکھنے سکھانے کا موقع ملے گا۔

(۹) اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کی نیت کرنا۔

(۱۰) اپنے مسلمان بھائیوں کوسلام کرنے کی نیت کرنا۔

(۱۱) یہ نیت کرنا کہ مسجد میں اللہ رب العزت کی طرف دل کے متوجہ ہونے کی وجہ سے اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرنے نیز مابعد الموت پیش آنے والے ضروری امور کو سوچنے کا موقع ملے گا۔

(۱۲) یہ نیت کرنا کہ مسجد میں داخل ہونے سے اللہ رب العزت کی عظمت، اس کی مکمل تجلی کی انوکھی کیفیت، اس کی عظمت وجلال کی وجہ سے دل کا پرسکون ہونا اور قلب میں سرور نصیب ہونا وغیرہ امور نصیب ہوں گے۔

(۱۳) یہ نیت کرنا کہ اگر کوئی بیمار مل جائے تو اس کی بیمار پرسی کرلوں گا۔

(۱۴) یہ نیت کرنا کہ اگر کسی کا جنازہ آئے تو اس کے جنازے کی نماز پڑھ لوں گا۔

(۱۵) یہ نیت کرنا کہ کوئی عالم دین اگر موجود ہوں تو ان کی ملاقات کروں گا۔ یہ نیت کرنا کہ اگر مسجد میں کچھ کچرا گرا ہوا ملا تو اس کو اٹھالوں گا۔

(۱۶) یہ نیت کرنا کہ اگر کوئی ضرورت مند مل گیا تو اس کی مدد کروں گا۔(احکام المساجد، ص:
۶۷، ۶۸، ۶۹)

مساجد کے آداب

معارف القرآن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مساجد کے پندرہ آداب ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) جب کوئی شخص مسجد میں آئے اور کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو ان کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو کہے:

السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین

لوگوں کو سلام کرنے کی صورت اس وقت ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں، ورنہ ان کو سلام کرنا درست نہیں۔

(۲) مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں۔ یہ بھی اس وقت ہے جب کہ مکروہ وقت نہ ہو یا یہ کہ جماعت شروع نہ ہوئی ہو۔

(۳) مسجد میں خرید و فروخت نہ کریں۔

(۴) مسجد میں تیر و تلوار نہ نکالیں۔

(۵) مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان نہ کریں۔

(۶) مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔ ایک حدیث میں امت پر بلا اور مصیبت کی پندرہ علامتوں میں سے ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ لوگوں کی آواز مسجدوں میں بلند ہونے لگے۔(ترمذی: ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث: ۲۲۱۰)

(۷) مسجد میں دنیوی باتیں نہ کریں۔

(۸) مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کریں۔

(۹) جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں صف میں گھس کر لوگوں میں تنگی پیدا نہ کریں۔

(۱۰) کسی نماز پڑھنے والے کے سامنے سے نہ گزریں۔

(۱۱) مسجد میں تھوکنے اور ناک صاف کرنے وغیرہ سے پرہیز کریں۔

(۱۲) مسجد میں اپنی انگلیاں نہ چٹخائیں۔

(۱۳) مسجد میں اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کریں۔

(۱۴) نجاست سے مساجد کو پاک وصاف رکھیں، کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائیں۔

(۱۵) مسجد میں کثرت سے اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پندرہ آداب کو لکھنے کے بعد فرمایا جس نے یہ کام کر لیا اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لیے حرز وامان کی جگہ بن گئی۔ (معارف القرآن: ۶/۴۲۸)

سب سے بڑا ظالم کون؟

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرہ: ۱۱۴]

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے لوگوں کو اللہ کی مسجدوں سے روکا کہ لیا جائے

اس میں اللہ کا نام اور اس کو ویران کرنے کی کوشش کی۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں دو واقعے نقل کیے ہیں۔

پہلا واقعہ

ایک واقعہ یہ ہے کہ زمانۂ اسلام سے پہلے جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرڈالا تو روم کے نصاریٰ نے ان سے انتقام لینے کی خاطر عراق کے ایک مجوسی بادشاہ کے ساتھ مل کر اپنے بادشاہ طیطوس کی سرکردگی میں شام کے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کو قتل و غارت کیا، تورات کے نسخے جلا ڈالیں، بیت المقدس میں نجاسات اور خنزیر ڈال دیے، اس کی عمارت کو خراب و ویران کر دیا، بنی اسرائیل کی شوکت کو بالکل پامال اور ختم کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک تک بیت المقدس اسی طرح ویرانہ منہدم پڑا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب شام کے علاقے فتح ہوئے تو آپ کے حکم سے بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کرائی گئی اور زمانۂ دراز تک پورا ملک شام بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ پھر ایک عرصے کے بعد بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے سے نکل گیا اور تقریباً سو سال یورپ کے عیسائیوں کا اس پر تسلط رہا یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے پھر اس کو فتح کیا۔

روم کے نصاریٰ کی اس گستاخانہ حرکت کہ انھوں نے تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا اور ویران کیا اور اس کی بے حرمتی کی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (معارف القرآن: ۱/ ۲۹۸)

دوسرا واقعہ

دوسرا قول یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدس ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کو مسجد حرام میں داخل ہونے اور طواف کرنے سے روکا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی روایت اور مفسر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے۔ (معارف القرآن: ۱/۲۹۸)

تین مسائل کا استنباط

اس آیت سے تین مسائل و احکام ثابت ہوئے۔

(۱) دنیا کی تمام مساجد آداب کے لحاظ سے مساوی ہیں۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ مسجد حرام مسجد نبوی اور بیت المقدس کو دیگر تمام مساجد پر فضیلت حاصل ہے مگر آداب و احترام میں سب یکساں ہیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کے لیے جتنی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں۔ چاہے کسی کو صراحتاً مسجد میں جانے سے روکا جائے یا کسی کو نماز میں تلاوت سے روکا جائے یا مسجد کے اطراف میں شور و شغب کر کے ناچ گانے بجا کر لوگوں کی نماز و ذکر میں خلل پیدا کیا جائے۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب حرام ہیں۔ کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا بھی حرام ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے وہ بھی حرام ہے۔ مسجد کی ویرانی کی ایک صورت یہ ہے کہ وہاں لوگ نماز

کے لیے نہ آئے۔(معارف القرآن:۱/۲۹۹)

آج ہمارا رشتہ مساجد سے کٹتا جا رہا ہے، بلکہ کٹ چکا ہے اور اسی وجہ سے ہم ہر جگہ ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔اللہ رب العزت مساجد سے اپنا رشتہ مضبوط قائم کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون:(۲)

ایک مختصر وجامع

دعا

تعارف

۲/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۱۴/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: بدھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾ [البقرہ: ۲۰۱]

تمہید

یہ سورۃ البقرۃ کی ۲۰۱ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں ایک انتہائی مختصر و جامع دعا کا تذکرہ ہے۔

دعا کی حقیقت

حق تعالیٰ نے انسان کو سراپا محتاج بنایا ہے۔ انسان کو آفتاب کی حرارت کی بھی ضرورت ہے اور چاند کی روشنی اور اس کے ذریعے ہونے والی موسمی تبدیلی کا بھی انسان محتاج ہے۔ ہوا کے بغیر انسان ایک لمحہ زندگی نہیں گزار سکتا اور پانی کا بھی انسان محتاج ہے۔ درخت، سبزیاں اور پتوں کی بھی انسان کو ضرورت ہے تو جانور اور مویشیوں سے بھی انسان بے نیاز نہیں ہے۔ سانپ جیسے زہریلے جانور کا بھی انسان محتاج ہے کہ اس کے زہر کو بھی انسان مختلف دواؤں میں استعمال کرتا ہے۔ غرض! شبنم کے ایک قطرے سے لے کر بڑی سے بڑی چیز کا انسان محتاج ہے۔ مگر ان چیزوں کو انسان کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس محتاج مخلوق کی ضروریات پوری کرنا اس قادر مطلق ذات کے قبضے میں ہے جس کی ملکیت میں وہ تمام چیزیں ہیں جن کا انسان محتاج ہے۔ تو محتاج مخلوق کا اپنے بے نیاز خالق و

مالک کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا نام دعا ہے۔

دعا کی فضیلت

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف احادیث میں دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

(۱)﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝﴾ [البقرہ:۱۸۶]

(۲)﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝﴾ [الاعراف: ۵۵]

(۳)﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [الغافر:۶۰]

(۴)ایک روایت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعاء کو عبادات کا مغز قرار دیا ہے۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی فضل الدعاء/رقم الحدیث: ۳۳۷۱)

(۵)ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیس شئی اکرم علی اللہ من الدعاء

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی فضل الدعاء/رقم الحدیث: ۳۳۷۰)

(۶)ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/رقم الحدیث: ۳۵۴۸)

سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں ایک مختصر مگر انتہائی مفید اور جامع دعا سکھلائی گئی ہے۔

ایک واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کی عیادت کی جو مرغ کے چوزے کی طرح کمزور ہو چکا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو کسی چیز کی دعا مانگتا تھا یا اس سے کسی چیز کا سوال کرتا تھا؟ اس نے عرض کیا جی ہاں میں کہتا تھا اے اللہ! جو تو آخرت میں مجھے سزا دینے والا ہے اسے فوراً دنیا میں ہی مجھے دے دے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ!، نہ تو اس کی طاقت رکھتا ہے اور نہ استطاعت تو نے یہ کیوں نہ کہا:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ○﴾ [البقرہ:۲۰۱]

اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سے اس کے لیے دعا مانگی، پس اللہ نے شفا عطا فرما دی۔ (مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار/باب کراھۃ الدعاء بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا/رقم الحدیث: ۲۶۸۸)

دنیا اور آخرت میں بھلائی کا مطلب

دنیا میں بھلائی سے کیا مراد ہے اور آخرت میں بھلائی کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلے میں مفسر قرآن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا میں بھلائی کے دس مطلب اور آخرت کی بھلائی کے

پانچ مطلب بیان فرمائے ہیں۔(روح المعانی: ۱/۴۸۵)

پہلا مطلب

دنیا میں بھلائی کا پہلا مطلب ہے عافیت اور گزارے کے بقدر روزی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عافیت کا مطلب ہے کہ دین فتنہ سے محفوظ ہو اور بدن برے امراض اور محنت شاقہ سے محفوظ ہو۔

دوسرا مطلب

دنیا میں بھلائی کا دوسرا مطلب ہے نیک اولاد۔ اولاد ہوں مگر نیک نہ ہوں تو وہ والدین کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں اور نیک ہو تو زندگی میں بھی کام آتی ہیں اور موت کے بعد بھی۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان کا انتقال ہوجاتا ہے تو عمل کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ نفع اٹھائیں اور نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرے۔(مسلم: کتاب الوصیۃ/ باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ/ رقم الحدیث: ۱۶۳۱)

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صدقات میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک نیک عورت جس کو باہیہ کہتے تھے، بڑی کثرت سے عبادت کرنے والی تھی، جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا اے وہ ذات جو میرا توشہ اور میرا ذخیرہ ہے اور اسی پر میرا زندگی اور موت میں بھروسہ ہے! مجھے مرتے وقت رسوا نہ کیجیو اور قبر میں مجھے وحشت میں نہ رکھیو۔ جب وہ انتقال کرگئی تو اس کے لڑکے نے یہ اہتمام

شروع کر دیا کہ ہر جمعہ کو وہ ماں کی قبر پر جاتا اور قرآن شریف پڑھ کر اس کو ثواب بخشتا اور اس کے لیے اور سب قبرستان والوں کے لیے دعا کرتا۔ ایک دن اس لڑکے نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا اور پوچھا اماں تمھارا کیا حال ہے؟ ماں نے جواب دیا موت کی سختی بڑی سخت چیـز ہے، میں اللہ کی رحمت سے قبر میں بڑی راحت سے ہوں، ریحان میرے نیچے بچھی ہوئی ہے، ریشم کے تکیہ لگے ہوئے ہیں، قیامت تک یہی برتاؤ میرے ساتھ رہے گا۔ بیٹے نے پوچھا کہ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو کہو۔ اس نے کہا کہ تو ہر جمعہ کو میرے پاس آ کر قرآن پڑھتا ہے اس کو نہ چھوڑنا، جب تو آتا ہے سارے قبرستان والے خوش ہو کر مجھے خوشخبری دینے آتے ہیں کہ تیرا بیٹا آ گیا، مجھے بھی تیرے آنے کی بڑی خوشی ہوتی ہے اور ان سب کو بھی بہت خوشی ہوتی ہے۔ وہ لڑکا کہتا ہے کہ میں اسی طرح ہر جمعہ کو اہتمام سے جاتا تھـا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت بڑا مجمع مردوں اور عورتوں کا میرے پاس آیا، تو میں نے پوچھـا تم کون لوگ ہوں؟ کیوں آئے ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم فلاں قبرستان کے آدمی ہیں، ہم تمھارا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں، تم جو ہر جمعہ کو ہمارے پاس آتے ہو اور ہمارے لیے دعـائے مغفرت کرتے ہوں، اس سے ہم کو بڑی خوشی ہوتی ہے اس کو جاری رکھنا۔ اس کے بعد سے میں نے اور بھی زیادہ اہتمام اس کا شروع کر دیا۔ (فضائل صدقات/ص:۱۱۹)

تیسرا مطلب

دنیا میں بھلائی کا تیسرا مطلب ہے دشمن پر مدد۔ یعنی اللہ تعالیٰ دشمن کو مغلوب فرما دیتے ہیں۔ اسی لیے بہت سی مرتبہ چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکیلے دشمنوں کی صف میں داخل ہو جایا کرتے تھے، اسی نیت سے داخل ہوا کرتے تھے کہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں، لیکن صحیح سالم باہر نکل آتے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ شام کا بادشاہ جبلہ ساٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نصرانی عرب ساٹھ ہزار ہیں اور ہم تیس ہزار ہیں۔ اگر ہم پورا لشکر لے کر ان کا مقابلہ کریں گے تو یہ ہماری کمزوری اور سستی ہوگی، میں چاہتا ہوں کہ اپنی جماعت میں سے چند ہی افراد کو منتخب کر کے ان کا مقابلہ کروں۔

حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ جو اسی لشکر میں تھے، پوچھا: اچھا آپ اپنے کتنے ساتھیوں کو چنیں گے؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے تیس (۳۰) افراد منتخب کروں گا، جن میں سے ہر ایک دشمنوں کے دو ہزار سواروں کے برابر ہوگا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو اللہ کے حکم کے خلاف ہے، میں مسلمانوں پر شفقت کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ ساٹھ ہزار نصرانی عربوں کے مقابلہ کے لیے کم از کم ساٹھ افراد لے لیجیے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوسفیان کا مشورہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ساٹھ افراد منتخب فرمائیں، ان ساٹھ افراد کو مکمل تیاری کا حکم دیا اور ان کو لیکر نکل پڑے۔

جب دشمنوں نے دیکھا کہ مقابلے کے لیے اتنی مختصر سی جماعت آئی ہے تو سمجھے کہ صلح کے لیے آئے ہوں گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر بلند آواز سے للکارتے ہوئے فرمایا کہ ہم صلح کے لیے نہیں تم سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ دشمن نے حملہ کر دیا، صحابۂ کرام

نے بھی دلیری اور ثابت قدمی سے اپنا کام شروع کر دیا، صحابہ کی یہ جماعت دشمن کے لشکر میں گم ہو چکی تھی، تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی، تلواروں کی صرف چمک ہی نظر آ رہی تھی، تمام دن لڑائی نے یہی رنگ اختیار کیا، سورج ڈوبنے کے قریب تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے شیروں نے پھر ایک جان توڑ حملہ کیا، اس حملہ کو نصرانی عرب جھیل نہ سکے اور پشت پھیر کر بھاگنے لگے، مسلمانوں نے تعاقب کیا اور پکڑ پکڑ کر قتل کیا، اس جنگ میں نصرانی عربوں کے کل پانچ ہزار آدمی مارے گئے اور مسلمانوں میں سے صرف دس آدمی شہید ہوئے۔ اس لیے کہ ان کو یقین تھا کہ اللہ کی معیت ہمارے ساتھ ہے۔ (صحابۂ کرام کے جنگی معرکے: ترجمہ اردو فتوح الشام للواقدی رص: ۱۱۹)

چوتھا مطلب

دنیا میں بھلائی کا چوتھا مطلب ہے لوگوں میں نیک نامی اور مقبولیت۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام اہل آسمان کو پکار دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے۔ اس لیے تم سب لوگ اس سے محبت رکھو، چناچہ تمام آسمان والے اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد روئے زمین والے بھی اس کو مقبول سمجھتے ہیں۔ (بخاری: کتاب بدء الخلق رباب ذکر الملائکۃ رقم الحدیث: ۳۲۰۹)

ایک شخص نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ حضرت تسبیح ہاتھ میں لیتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ لوگ مجھے نیک نہ سمجھیں۔ فرمایا اچھا! آپ یہ

چاہتے ہو کہ لوگ آپ کو بدمعاش سمجھیں؟ ارے بھائی! نیک ہی سمجھتے ہیں نا؟ لوگوں کی نظر میں تعریف ہوتی ہے تو ہونے دو، اپنی نظر میں حقیر بنو۔

پانچواں مطلب

دنیا میں بھلائی کا پانچواں مطلب ہے علم وعبادت۔ یعنی ایسا علم جس پر عمل ہو اور عبادت کی توفیق ہو۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ ایک نیک عمل کے بعد دوبارہ اسی عمل کی توفیق ہو جانا دلیل ہے اس بات کی کہ پہلا نیک عمل قبول ہو چکا ہے۔ (اہل دل کے انمول اقوال/ص:۴۶)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کے پاؤں سرکنے نہیں پائیں گے اور اس کو بارگاہ رب ذوالجلال میں اس وقت تک کھڑا رکھیں گے جب تک اس سے پانچوں باتوں کا جواب نہیں لے لیا جائے گا، چنانچہ اس سے پوچھا جائے گا کہ

(۱) اس نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی؟

(۲) اپنی جوانی کو کس کام میں بوسیدہ کیا؟

(۳) مال کہاں سے کمایا؟

(۴) اپنے مال کو کہاں خرچ کیا (یعنی اپنے مال اور روپے پیسے کو اچھے کاموں میں صرف کیا یا برے کاموں میں گنوایا؟)

(۵) جو علم حاصل کیا تھا اس کے موافق عمل کیا یا نہیں؟ (ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب فی القیامۃ/رقم الحدیث:۲۴۱۶)

چھٹا مطلب

دنیا میں بھلائی کا چھٹا مطلب ہے کتاب اللہ کی سمجھ۔ جس کے پاس دین کا علم تو ہو مگر سمجھ نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاس ہتھیار تو ہو مگر چلانا نہ جانتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود راوی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے گئے میں نے آپ کے تشریف لانے سے پہلے ہی وضو کے لیے پانی بھر کر رکھ دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ پانی کس نے رکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے رکھا ہے، آپ نے میرے لیے دعا فرمائی:

اللهم! فقهه في الدين

اے اللہ ان کو تفقہ فی الدین عطا فرما۔ (بخاری: کتاب الوضوء/باب وضع الماء عند الخلاء/رقم الحدیث: ١٤٣)

ساتواں مطلب

دنیا میں بھلائی کا ساتواں مطلب ہے نیک بیوی۔ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں جو مسلمان کا سب سے بہتر خزانہ ہے؟ وہ نیک عورت ہے کہ جب مرد اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب وہ حکم دے تو اسے مانے اور جب وہ اس سے غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے۔ (ابوداود: کتاب الزکوۃ/باب فی حقوق المال/رقم الحدیث: ١٦٦٤)

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا ساری کی ساری فائدہ اٹھانے کی جگہ ہے، اور سب سے بہتر فائدہ اٹھانے کی چیز وہ نیک بیوی ہے۔ (نسائی: کتاب

النکاح/باب المرأۃ الصالحۃ/رقم الحدیث: ۳۲۳۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت پنج وقتہ نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے داخل ہونا چاہے ہو جائے۔ (مسند احمد: مسند عبد الرحمن بن عوف الزہری رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۱۶۶۱)

آٹھواں مطلب

دنیا میں بھلائی کا آٹھواں مطلب ہے حلال روزی۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حلال روزی کمانا عبادات میں فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے حلال (رزق) کھایا، سنت کے طریقہ پر عمل کیا اور اس کی زیادتیوں سے لوگ امن میں رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے لوگ تو آج کل بہت ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور میرے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے۔ (ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/رقم الحدیث: ۲۵۲۰)

ایک دلچسپ واقعہ

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ میں بہت ہی زیادہ غریب آدمی تھا۔ ایک مرتبہ میں نے طواف کرتے ہوئے ایک ہار دیکھا جو بڑا قیمتی تھا۔ میں نے وہ ہار اٹھالیا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں اسے چھپالوں لیکن میرا ضمیر کہتا تھا، ہرگز نہیں، یہ چوری ہے، بلکہ دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا یہ ہار ہے اسے میں واپس کردوں۔ چنانچہ میں نے مطاف میں کھڑے ہوکر

اعلان کر دیا کہ اگر کسی کا ہار گم ہوا ہو تو آ کر مجھ سے لے لے۔ کہتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی آیا اور کہنے لگا کہ یہ ہار میرا ہے اور میرے تھیلے میں سے گرا ہے۔ میرے نفس نے مجھے اور بھی ملامت کی کہ ہار تو تھا بھی نابینا کا، اس کا کسی کو کیا پتہ چلتا، چھپانے کا اچھا موقع تھا؛ مگر میں نے وہ ہار اسے دے دیا۔ نابینا نے دعا دی اور چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ میں دعائیں بھی مانگتا تھا کہ اللہ! میرے لیے کوئی رزق کا بندوبست کر دے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ میں وہاں سے ''ہلہ'' آ گیا۔ (یہ ایک بستی کا نام ہے) وہاں کی ایک مسجد میں گیا تو پتہ چلا کہ چند دن پہلے امام صاحب فوت ہو گئے تھے۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ نماز پڑھا دو۔ جب میں نے نماز پڑھائی تو انھیں میرا نماز پڑھانا اچھا لگا۔ وہ کہنے لگے، تم یہاں امام کیوں نہیں بن جاتے؟ میں نے کہا، بہت اچھا۔ میں نے وہاں امامت کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیے۔ تھوڑے دنوں بعد پتہ چلا کہ جو امام صاحب پہلے فوت ہوئے تھے ان کی ایک جواں سال بیٹی ہے۔ وہ وصیت کر گئے تھے کہ کسی نیک بندے سے اس کا نکاح کر دینا۔ مقتدی لوگوں نے مجھ سے کہا، جی اگر آپ چاہیں تو ہم اس یتیم بچی کا آپ سے نکاح کر دیتے ہیں۔ میں نے کہا، جی بہت اچھا، چنانچہ انھوں نے اس کے ساتھ میرا نکاح کر دیا۔ شادی کے کچھ عرصے کے بعد میں نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ اس کے گلے میں وہی ہار تھا جو میں نے طواف کے دوران ایک نابینا آدمی کو لوٹایا تھا، اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے پوچھا، یہ ہار کس کا ہے؟ اس نے کہا، یہ میرے ابو نے مجھے دیا تھا۔ میں نے کہا، آپ کے ابو کون تھے؟ اس نے کہا کہ وہ عالم تھے، اس مسجد میں امام تھے اور نابینا تھے۔ تب مجھے پتہ چلا کہ اس کے ابو وہی تھے جن کو میں نے وہ ہار واپس کیا تھا۔ میں نے اس کو بتایا کہ یہ ہار تو میں

نے ان کو اٹھا کر دیا تھا۔ وہ کہنے لگی کہ آپ کی بھی دعا قبول ہوگئی اور میرے ابو کی بھی دعا قبول ہوگئی۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ آپ کی دعا تو اس طرح قبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر بھی دیا، گھر والی بھی دی اور رزق بھی دیا اور میرے ابو کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ جب وہ ہار لے کر واپس آئے تو وہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! ایک امین (دیانت دار) شخص نے میرا ہار مجھے لوٹایا ہے، اے اللہ! ایسا ہی امین شخص میری بیٹی کے لیے خاوند کے طور پر عطا فرما دیں۔ اللہ نے میرے باپ کی دعا بھی قبول کر لی اور آپ کو میرا خاوند بنا دیا۔ تو مخلص بندے کا کام اللہ تعالیٰ کبھی رکنے نہیں دیتے، اٹکنے نہیں دیتے بلکہ اس کی کشتی ہمیشہ کنارے لگا دیا کرتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۹/ ۴۴۹)

نواں مطلب

دنیا میں بھلائی کا نواں مطلب ہے صحبت صالحین یعنی نیک لوگوں کی صحبت مل جانا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اچھے اور برے دوست کی مثال بیان فرمائی کہ اچھے دوست اور برے دوست کی مثال کستوری اٹھانے والے اور بھٹی جھونکنے والے کی مانند ہے۔ کستوری اٹھانے والا یا تو آپ کو ہدیے میں دے دیگا یا آپ اس سے خرید لیں گے یا کم از کم اچھی خوشبو تو پائیں گے۔ جب کہ بھٹی جھونکنے والا آپ کے کپڑوں کو جلا دے گا یا کم از کم آپ اس سے بدبو پائیں گے۔ (مسلم: کتاب البر و الصلۃ ولآداب/ باب استحباب مجالسۃ الصالحین/ رقم الحدیث: ۲۶۲۸)

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص اپنے دوست کو دیکھے۔ (ابوداود: کتاب الادب/

باب من یؤمر ان یجالس / رقم الحدیث: ۴۸۳۳)

نیک صحبت کی برکت

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے بتلایا کہ میں نے ابوالفضل جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ ۴۶۹ھ ہجری میں جامع مصر کے اندر سنا وہ برسرِ منبر یہ فرمارہے تھے کہ جو شخص نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ان کی نیکی کا حصہ اس کو بھی ملتا ہے۔ دیکھو اصحاب کہف کے کتے نے ان سے محبت کی اور ساتھ لگ لیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جب ایک کتا صلحا اور اولیا کی صحبت سے یہ مقام پاسکتا ہے تو آپ قیاس کرلیں کہ مؤمنین موحدین جو اولیاء اللہ اور صالحین سے محبت رکھیں ان کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ (معارف القرآن: ۵/ ۵۶۸)

حضرت پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

لکھنؤ کے چند طلبہ کی جماعت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئی اور نصیحت کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! حدیث پاک میں فرمایا کہ نظر لگنا برحق ہے۔ کہتے ہیں کہ بچہ کو نظر لگ گئی۔ نظر انسان کو بیمار کرسکتی ہے، اگر سخت ہے تو اسپتال پہونچا سکتی ہے، اگر اور سخت ہے تو قبر تک پہنچا سکتی ہے۔ فرمایا کہ جب بری نظر میں یہ تاثیر ہے تو کسی صاحب دل کی اچھی نظر کیا تم پر اثر نہیں کرے گی؟ (لطائف سورۂ یوسف: ۲/ ۲۴۰)

صحبت صالحین کی ایک مثال

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر سخت سردی کے موسم میں کوئی جارہا ہو اور اچانک بارش ہونے لگے اور وہ شخص تر بتر ہو جائے تو گھر پہونچ کر کپڑے بدل کر کیا چاہے گا؟ وہ یہی چاہے گا کہ ایک پیالی گرم گرم چائے مل جائے۔ ایک پیالی چائے نے اس کی برودت کی کیفیت کو حرارت میں تبدیل کر دیا۔ فرمایا کہ جب ایک پیالی چائے آپ کے مزاج کو ٹھیک کر سکتی ہے تو کیا اہل اللہ کی ایک لمحہ کی صحبت آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں کر سکتی؟ (معارف الابرار ص:۱۷۷)

دسواں مطلب

دنیا میں بھلائی کا دسواں مطلب ہے نیک کام کی توفیق۔ توفیق کی تین علامات ہیں۔

(۱) نیکی کے کاموں میں بلاارادہ مشغول ہو جانا۔

(۲) گناہوں کی خواہش کے باوجود ان سے دوری کا پیدا ہونا۔

(۳) تنگی و آسانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی جانب محتاجی وضرورت کے دروازے کا کھلا ہوا ہونا۔

آخرت میں بھلائی

اس آیت میں دعا کے دوسرے ٹکڑے کا مطلب ہے پروردگار! تو ہمیں آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آخرت میں بھلائی کے پانچ مطلب بیان فرمائے ہیں۔

پہلا مطلب

آخرت میں بھلائی کا پہلا مطلب ہے جنت میں داخلہ۔ ایک گنہگار بندے کے لیے

اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ اسے جنت کا داخلہ مل جائے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ ایک ادنیٰ جنتی کو جنت میں دنیا سے دس گنا بڑا حصہ دیا جائے گا۔ (بخاری: کتاب الرقائق / باب صفۃ الجنۃ والنار / رقم الحدیث: ۶۵۷۱)

دوسرا مطلب

آخرت میں بھلائی کا دوسرا مطلب ہے قیامت کے دن کی شدت اور برے حساب سے سلامتی۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ سات خوش نصیب بندوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے ایسے ماحول میں جب کہ لوگ نفسی نفسی مــــیں ہوں گے۔ (بخاری: کتاب الاذان / باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوۃ / رقم الحدیث: ۶۶۰)

تیسرا مطلب

آخرت میں بھلائی کا تیسرا مطلب ہے حور عین کا ملنا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ادنیٰ جنتی کو جنت میں ۷۲ حوریں ملیں گی۔ (مسند احمد: مسند ابی سعید الخــدری / رقــم الحدیث: ۱۱۷۲۳)

ایک انوکھا واقعہ

خواجہ عبد الواحد بن زید فرماتے ہیں کہ میں اپنی اسی مجلس میں بیٹھا تھا، جہاد پر جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں میں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ پیر کی صبح کو چلنے کے لیے تیار رہیں ایک آدمی نے اس مجلس میں یہ آیت کریمہ پڑھی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ ؕ ﴾ [التوبہ: ۱۱۱]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

ایک پندرہ سال کی عمر کا لگ بھگ لڑکا اٹھ کے کھڑا ہو گیا جس کا والد فوت ہو چکا تھا اور بہت سا مال ورثہ میں چھوڑ کر گیا تھا کہنے لگا عبدالواحد! کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے جنت کے عوض ان کے مال و جان کا سودا کر لیا ہے میں نے کہا ہاں میرے پیارے! کہنے لگا عبدالواحد! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا نفس اور مال جنت کے عوض بیچ دیا ہے میں نے کہا تلوار کی دھار بڑی سخت ہے تو ابھی بچہ ہے خطرہ ہے۔ کہنے لگا عبدالواحد! یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنت کا سودا کروں اور پھر گھبراؤں؟ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سودا کر لیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں سن کر ہمیں اپنے آپ پر شرم آنے لگی کہ ایک بچے کے یہ جذبات ہوں اور ہم اس سے پیچھے رہ جائیں۔

نوجوان نے ایک گھوڑا، ہتھیار اور کچھ زادراہ چھوڑ کر باقی سب مال صدقہ کر دیا کوچ کا دن آیا تو سب سے پہلے وہی پاس آیا اور آ کر السلام علیک یا عبدالواحد کہا میں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ تیری بیع نفع لائے گی۔ ہم نے کوچ کیا نوجوان دن بھر روزے رکھتا اور رات کو عبادت کر کے ہماری خدمت کرتا جانوروں کو چرانے کے لیے لے جاتا ہم سو رہتے تو وہ پہرہ دیتا اسی طرح سے ہم روم کے علاقے میں پہنچ گئے۔ ایک دن بیٹھے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ نوجوان چلا آ رہا ہے اور با آواز بلند

واشوقاه الى العيناء المرضية

کا کلمہ پکار رہا ہے کہ ''ہائے میرے عینا مرضیہ کے شوق'' میرے ساتھی یہ حال دیکھ کر

کہنے لگے کہ نوجوان کسی وسوسے میں مبتلا ہو گیا ہے یا عقل کھو بیٹھا ہے۔ اتنے میں وہ قریب آ گیا اور کہنے لگا اے عبدالواحد میرا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے، عینا مرضیہ کا شوق غالب آ چکا ہے۔ میں نے پوچھا میرے عزیز! یہ عینا مرضیہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نیند میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آ کر مجھے کہہ رہا ہے کہ چل تجھے عینا مرضیہ کے پاس لے چلوں۔ پلک جھپکنے میں وہ مجھے باغ میں لے گیا جہاں ایک نہر تھی جس کا پانی شفاف اور تازہ تازہ تھا۔ نہر کے کنارے کچھ لڑکیاں تھیں جن کے لباس اور زیورات کی کیفیت میں بیان نہیں کر سکتا مجھے دیکھا تو بہت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کہ یہ عینا مرضیہ کا خاوند آیا ہے۔ میں نے انھیں سلام کیا اور پوچھا کیا تم میں عینا مرضیہ ہے؟ کہنے لگیں نہیں ہم تو اس کی خدام اور باندیاں ہیں، آگے چلے جاؤ۔ میں آگے بڑھا تو ایک نہر دودھ کی جاری تھی جس کے ذائقے میں ذرا تبدیلی نہ آئی تھی، ایسے باغ میں بہہ رہی تھی، جس میں زیب و زینت کا پورا سامان موجود تھا وہاں پر ایسی لڑکیاں تھیں جن کے حسن و جمال کو دیکھ کر میں فریفتہ ہو گیا وہ بھی مجھے دیکھ کر کہنے لگیں کہ یہ آنے والا شخص واللہ عینا مرضیہ کا خاوند ہے۔ میں نے سلام کے بعد ان سے پوچھا کیا تم میں عینا مرضیہ ہے؟ سلام کا جواب دینے کے بعد وہ بولیں اے اللہ کے ولی! ہم تو اس کی باندیاں ہیں اور خدمت گزار ہیں۔ آپ آگے چلے جائیں۔ میں آگے بڑھا، شراب کی ایک نہر جاری تھی، وہاں پر ایسی لڑکیاں دیکھنے میں آئیں کہ میں پہلی سب لڑکیوں کو بھول گیا میں نے انھیں سلام کیا اور پوچھا کیا تم میں عینا مرضیہ ہے؟ وہ بولیں ہم تو اس کی خدمت گزار ہیں، آپ آگے چلے جائیں۔ میں آگے بڑھا تو ایک شہد کی نہر جا رہی تھی اور باغیچے میں پیکر حسن و جمال اور ایسی منور لڑکیاں تھیں کہ میں پچھلا سب بھول گیا، انھیں بھی میں نے سلام کہا اور پوچھا کیا تم میں عینا

مرضیہ ہے؟ کہنے لگیں اے اللہ کے ولی! ہم تو اس کی باندیاں ہیں، آپ ذرا آگے جائیں۔ میں آگے بڑھا تو ایک خول دار موتی کے خیمے میں اپنے کو پایا۔ اس کے دروازے پر ایک لڑکی تھی جس کے لباس اور زیوارات کی جھلک حد بیان سے باہر ہے، مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پکار کر کہنے لگی اے عینا مرضیہ! یہ تیرا خاوند آ گیا ہے۔ میں آگے بڑھا اور خیمے میں داخل ہو گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک سنہری تخت پر بیٹھی ہوئی ہے جو یاقوت اور موتیوں سے مرصع ہے۔ میں دیکھتے ہی اس میں کھو گیا وہ بولی اے رحمان کے ولی! مرحبا ہو ہمارے یہاں تشریف لانے کا تیرا وقت اب قریب آ گیا ہے۔ میں نے اس سے معانقہ چاہا مگر وہ کہنے لگی ذرا ٹھہرو ابھی معانقہ کا وقت نہیں آیا ابھی تیری دنیوی زندگی کے کچھ سانسیں باقی ہیں، بس آج رات تو ہمارے پاس آ کر ہی ان شاء اللہ افطاری کرے گا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی عبدالواحد میرے لیے صبر کی گنجائش نہیں ہے عبدالواحد کہتے ہیں کہ ہماری گفتگو ابھی جاری ہی تھی کہ دشمن کا لشکر سامنے آ گیا ہم نے ان پر حملہ کیا نوجوان بھی ہمارے ساتھ تھا میں نے دشمن کے نو ساتھی شمار کیے جو اس نوجوان نے جہنم رسید کیے اس کے بعد اس نے خود بھی جام شہادت نوش کیا میں اس کے پاس سے گزرا تو وہ خون سے لت پت پڑا تھا منہ بھر کے قہقہہ لگایا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (الجواہر الزواہر: ۳۷۷، ۳۷۸)

چوتھا مطلب

آخرت میں بھلائی کا چوتھا مطلب ہے حق تعالیٰ کی رؤیت و دیدار کی لذت جو آخرت کی نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت ہے۔

ایک روایت میں نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب جنت والے جنت میں اور

جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو منادی پکارے گا کہ اے جنت والو! اللہ کے پاس تمھارا ایک وعدہ ہے وہ اسے پورا کرنا چاہتا ہے، جنتی کہیں گے: وہ کیا وعدہ ہے؟ کیا اللہ نے ہمارے نیک اعمال کو وزنی نہیں کیا؟ ہمارے چہروں کو روشن اور تابناک نہیں کیا؟ ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور ہمیں جہنم سے نجات نہیں دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے پردہ ہٹا دے گا، لوگ اس کا دیدار کریں گے، اللہ کی قسم! اللہ کے عطیات میں سے کوئی بھی چیز ان کے نزدیک اس کے دیدار سے زیادہ محبوب اور ان کی نگاہ کو ٹھنڈی کرنے والی نہ ہوگی۔ (مسلم: کتاب الایمان/باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربہم/رقم الحدیث: ۱۸۱)

پانچواں مطلب

آخرت میں بھلائی کا پانچواں مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور احسان۔ اللہ کی رحمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے!

دعا کا آخری جملہ

اس مختصر وجامع ترین دعا کا آخری جملہ ہے پروردگار! ہمیں جہنم کی آگ سے بچا لیجیے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم کو ایک ہزار سال تک دھونکا گیا تو اُس کی آگ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا تو اُس کی آگ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا تو اُس کی آگ سیاہ ہوگئی، چنانچہ جہنم اب سیاہ، تاریک اور اندھیرے والی ہے۔ (ترمذی: ابواب صفۃ جہنم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث:

۲۵۹۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائیں اور جہنم سے ہم سب کی مکمل حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۳)

مخلوقات میں تفکر

تعارف

۳/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۱۵/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: جمعرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۞﴾ [آل عمران:۱۹۰]

تمہید

یہ سورۂ آل عمران کی ۱۹۰ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بلا شبہ آسمان و زمین کی تخلیق میں اور رات و دن کے اختلاف میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔

اس آیت پاک میں عقلمندوں کی ایک مخصوص صفت بیان کی گئی ہے۔ وہ صفت یہ ہے کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جو آسمان اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ آسمان اور زمین میں غور و فکر کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں کے عجائب کو سوچتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

امام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے، وہ لوگ چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ کس سوچ میں ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم مخلوقات الٰہیہ کی سوچ میں ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! اللہ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو بلکہ اس کی مخلوقات میں غور و فکر کرو۔ (فضائل اعمال/ص:۳۶۰)

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، وہ پوچھتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی آپ کے سامنے ہے، تو کوئی عجیب بات جو آپ نے دیکھی ہو وہ بیان کر دیجیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو ساری باتیں عجیب ہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس شان کو بیان کیا جائے۔

پھر فرمایا کہ ہاں! ایک واقعہ جو میں نے دیکھا ہے وہ بیان کرتی ہوں کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے اور میرے ساتھ لحاف میں لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ بیدار ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عائشہ! مجھے اجازت دو کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں۔ شوہر پر بیوی کا بھی حق ہوتا ہے و ان لزوجک علیک حقا اس لیے آپ نے ان سے پوچھا۔ پھر آپ لحاف سے اٹھے، وضو فرمایا اور نماز شروع کی۔ قیام کی حالت میں آپ روتے رہیں، رکوع میں آپ روتے رہیں، سجدہ میں آپ روتے رہیں، سجدہ سے سر اٹھا کر روتے رہیں۔ اس طرح پوری نماز پڑھی یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کے لیے بلانے آ گئے، انھوں نے بھی دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں تو عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اس قدر کیوں رو رہے ہوں؟ آپ تو مغفور ہیں، بخشے بخشائے ہیں۔ تو فرمایا افلا اکون عبداً شکوراً کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہو تب بھی شکر میں مجھے رونا چاہیے۔ جب کہ آج ہی رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی پھر آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾ (فضائل اعمال رص:۳۶۰)

تفکر بہت بڑی عبادت ہے

(۱) عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے صحابہ کرام میں سے ایک سے دو سے تین سے نہیں بلکہ ان سے زیادہ سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر ہے۔ (فضائل اعمال رص: ۳۶۰)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا آسمان کے ستاروں کو دیکھ رہا تھا، پھر وہ کہنے لگا خدا کی قسم! تمھیں پیدا کرنے والی بھی کوئی ذات ہے اے پروردگار تو میری مغفرت فرما۔ نظر رحمت اس کی جانب متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگئی۔ (فضائل اعمال رص:۳۶۰)

(۳) رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ (فضائل اعمال رص:۳۶۰)

(۴) خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر اسی سال کی نفلی عبادت سے افضل ہے۔ (فضائل اعمال رص:۳۶۰)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت نقل کی ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ (فضائل اعمال رص:۳۶۰)

(۶) حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی افضل ترین عبادت کیا تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ غور و فکر۔ (فضائل اعمال رص:۳۶۰)

ان سب روایات کا مطلب یہ نہیں کہ ہم عبادات کو چھوڑ دیں اور مخلوقات میں غور وفکر کرنے میں لگ جائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عبادات اپنی جگہ پر ہیں۔ فرض، واجب، سنت، نفل ہر ایک کا درجہ ہے اور ہر ایک کے چھوڑنے پر اسی کے مناسب وعیدیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

تفکر کیوں؟

بہر حال! اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور ان میں خالق کائنات کی قدرت کے بے شمار نمونے موجود ہیں۔ حق تعالیٰ نے کائنات کو رنگ برنگی بنایا ہے۔ اس کا حسن انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ کائنات ہوتی مگر حسن کی چادر اس پر نہ ہوتی، درخت ہوتے مگر شاخ و پتے نہ ہوتے، پھول پھل وغیرہ نہ ہوتے، ستارے ہوتے اور روشنی نہ ہوتی، چاند ہوتا اور چاندنی نہ ہوتی، سورج ہوتا اور کرنیں نہ ہوتی، زمین ہوتی مگر سبزہ نہ ہوتا، لیکن ایسا نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ جب بندہ ان چیزوں میں غور کرے تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ انھیں بنانے والی بھی کوئی ذات پاک ہے۔

زمین میں قدرت کے نمونے

اللہ کی مخلوقات میں سے ایک چیز زمین ہے، جس کو اللہ نے ہمارے لیے فرش اور بچھونا بنایا ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ زمین فرش ہے تو یہ گول نہیں ہوسکتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمین کافی بڑے علاقے پر پھیلی ہوئی ہے اس وجہ سے ہمیں گول نظر نہیں آتی۔ اور اس میں ان کے اجزا باہم ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اس وجہ سے ہمیں گول نظر نہیں آتی۔ زمین کو فرش کہا گیا اس وجہ سے کہ یہ پتھر کی طرح سخت بھی نہیں اور پانی کی طرح نرم بھی نہیں

بلکہ معتدل ہے۔

پھر زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے بے شمار نمونے موجود ہیں۔

(۱) ساری زمین یکساں نہیں بلکہ ان کی رنگتیں الگ ہیں۔بعض سرخی مائل، بعض سفیدی مائل، بعض سیاہی، بعض مٹیالی وغیرہ۔

(۲) اگانے کے اعتبار سے بھی ساری زمینیں یکساں نہیں ہیں۔بعض زمینوں میں خوب پیداوار ہوتی ہیں، اور بعض زمینیں بالکل بنجر اور ویران ہوتی ہیں۔کتنی بارش برسے، مگر کوئی پیداوار نہیں ہوتی۔مثلاً عرب کے علاقوں کی زمین لیجیے کہ وہاں بالکل پیداوار نہیں ہوتی۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر پانی رکھا ہے۔بعض زمینیں ایسی ہیں کہ تھوڑا سا گڑھا کھودتے ہی پانی نکل آتا ہے اور بعض ایسی ہیں کہ کتنا ہی کھودتے چلے جائے مگر ایک قطرہ پانی نہیں نکلتا۔

(۴) پھر زمینوں کے اندر انسان کے استعمال کی چیزیں ودیعت کردی گئیں۔مثلاً سونا، چاندی، لوہا، تانبا، پیتل، پٹرول، ڈیزل وغیرہ۔زمینوں کے اندر بے کار اور قیمتی پتھر بھی رکھے گئے۔

(٦) کچھ ایسے پتھر ہیں، جن کی کوئی قیمت نہیں اور کچھ ایسے پتھر ہیں جو لاکھوں اور کروڑوں میں بکتے ہیں۔

(۷) زمین میں اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ زمین ایک ہے، جس پانی سے اس کی سینچائی کی گئی ہے وہ بھی ایک ہے مگر پیداوار الگ الگ۔اس کی شکلیں الگ، ان کی رنگتیں الگ اور ان کی تاثیر الگ۔

آسمان میں قدرت کے نمونے

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں دوسری چیز آسمان ہے۔آسمان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بے شمار نمونے موجود ہیں۔

(۱)اتنا وسیع اور بڑا آسمان جس کو اللہ نے چھت بنایا مگر بغیر ستونوں کے بنایا۔

(۲) یہ آسمان اتنا پرانا ہونے کے باوجود کبھی بوسیدہ نہیں ہوا۔

(۳)ان آسمانوں میں اللہ نے چاند، سورج اور انگنت ستارے رکھ دیے۔

(۴) آسمان کی مسافت دیکھیں کہ زمین سے پہلا آسمان پانچ سو سال کی دوری پر۔ پھر پہلے آسمان سے دوسرے آسمان میں پانچ سو سال کا فاصلہ اسی طرح تمام آسمانوں میں۔

زمین و آسمان کی تخلیق صرف چھ دن میں

اتنی وسیع زمین اور اتنے وسیع آسمان کو اللہ تعالیٰ نے صرف چھ دن میں پیدا کیا۔ ابتدا فرمائی اتوار کے دن سے اور اختتام ہوا جمعہ کے دن، حالاں کہ اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایک لمحہ میں پوری کائنات کو عدم سے وجود میں لانے پر قادر تھے، مگر یہ تاخیر ہمارے لیے ایک درس ہے کہ ہم اپنے کاموں میں عجلت اور جلد بازی سے کام نہ لیں۔(معارف القرآن: ۳/ ۵۷۲)

زمین کی پیداوار اور قدرت کے نمونے

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ اس نے زمین سے پھلوں کی پیداوار نکالی۔ ہمارے لیے درس ہے کہ ہم یہ نہیں سوچیں کہ اس میں ہماری محنت کو دخل ہے، بلکہ یہ سوچیں کہ زیرِ زمین جو کچھ ہو رہا ہے وہ قدرت کا کرشمہ ہے۔

درخت اور اس کے پتوں میں اور پھلوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب نمونے موجود ہیں۔

سبق آموز واقعہ

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک مرتبہ ساؤتھ افریقہ کا سفر کر رہے تھے۔ ایک جگہ دیکھا ایک بہترین پودا ہے اور اس پر خوبصورت پتے ہیں۔ دل چاہا کہ کچھ پتے توڑ دیے جائیں۔ آپ نے توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ساتھی نے ہاتھ کھینچ کر کہا مفتی صاحب! کیا کرتے ہوں؟ جواب دیا کہ پتے بڑے خوبصورت ہیں، دل چاہا کہ کچھ توڑوں۔ ساتھی نے جواب دیا کہ حضرت! اس کے چھونے سے ایسا زہر چڑھتا ہے جیسے سانپ اور بچھو کے ڈسنے سے۔ مفتی صاحب نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ پروردگار! تو نے میری حفاظت فرمائی۔ ساتھی نے جواب دیا حضرت! ایک عجیب بات یہ ہے کہ جہاں یہ پتے ہوتے ہیں اس کے بغل میں دوسرے پتے ہوتے ہیں، پہلے پتے کو چھونے سے جو زہر چڑھا ہے وہ دوسری طرف لگے ہوئے پتے کو چھونے سے اتر جاتا ہے۔ اللہ والوں کا دماغ بھی عجیب جگہ کام کرتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اس سے یہ نکتہ ثابت کیا کہ گناہ کی تاثیر بھی بدن میں زہر کا چڑھنا ہے مگر جب توبہ کے پتے کو چھولیتا ہے تو وہ زہر اتر جاتا ہے۔ (اصلاحی خطبات: ۶/۳۶)

درختوں کے عجائب

درختوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جو عجائب موجود ہیں۔ اس میں ہمارے لیے بڑے اسباق ہیں۔

(۱) درخت زمین میں اگتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ معاشرے میں رہ کر زندگی بسر کریں نہ کہ الگ تھلگ ہو کر۔

(۲) بیج زمین میں ہوتا ہے جس میں درس ہے کہ مٹانے سے آدمی بنتا ہے۔

(۳) جتنی جڑیں اندر ہوں گی اتنا ہی درخت اونچا ہوگا جس میں درس یہ ہے کہ جتنا انسان مٹے گا اتنا ہی اس کا مقام بلند ہوگا۔

(۴) درخت بنیں نہ کہ بیل، کیوں کہ درخت مدتوں تک باقی رہتا ہے اور بیل تو بالکل خشک ہو جاتی ہے۔جس میں ہمارے لیے درس ہے کہ ایسا کام کریں کہ جو عرصہ دراز تک باقی رہنے والا ہوں۔

(۵) درخت کی خوبی یہ ہے کہ کمتر چیز لے کر عمدہ چیز لوٹا تا ہے۔

(۶) درخت کی خاصیت یہ ہے کہ پت جھڑ کے موسم میں اس کے پتے جھڑ جایا کرتے ہیں۔ جس میں ہمارے لیے درس یہ ہے کہ بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے بندے کے گناہ جھڑ جایا کرتے ہیں۔

(۷) درخت جلنے سے تباہ ہو جاتا ہے جس میں درس یہ کہ بہت سی برائیاں ایسی ہیں جو انسان کی نیکیوں کو تباہ کر دیتی ہیں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک بار حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کہیں جا رہے تھے۔سخت گرمی تھی اور وقت بھی دو پہر کا تھا۔آپ نے سوچا کسی درخت کے نیچے لیٹ کر قیلولہ کیا جائے۔جب آپ سو گئے تو آپکی آنکھ کسی کی آواز سے کھلی آپ نے چاروں طرف دیکھا،لیکن آواز کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کہاں سے آرہی ہے۔کچھ وقت مزید جب غور کیا تو پتہ چلا کہ آواز اس درخت سے آرہی ہے جس کے نیچے آپ لیٹے تھے۔درخت کہہ رہا تھا:

یا سری کن مثلی

اے سری! میری طرح ہو جا" آپ بڑے حیران ہوئے کہ درخت کیسے بول سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

کیف اکون مثلک

میں تیری طرح کیسے بن سکتا ہوں؟ درخت نے کہا:

ان الذین یرموننی بالا حجار فارمیهم بالا ثمار

اے سری! جو لوگ مجھ پہ پتھر پھینکتے ہیں میں انکی طرف اپنے پھل پھینکتا ہوں۔ آپ نے بات سنی تو سوچا کہ اگر یہ درخت اتنے ہی اچھے ہیں تو اللہ پاک نے ان کی لکڑی کو دوزخ کی غذا کیوں بنایا ہے؟ درخت نے جب یہ سنا تو کہا اے سری! مجھ میں ہزاروں اچھائیاں ہیں، لیکن مجھ میں ایک بہت بڑی برائی و خامی ہے، جس نے میری تمام اچھائیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو میری وہ خامی اتنی ناپسند ہے کہ مجھے جہنم کی غذا بنا دیا۔ میری خامی یہ ہے کہ جدھر ہوا کا رخ ہوتا ہے میں اس طرف موڑ جاتا ہوں مجھ میں استقامت نہیں ہے۔ (نایاب موتی: ۱/۳۶۶)

بارش کا نظام اور قدرت کے نمونے

اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب سے پانی برسایا۔ وہ سمندر کا کھارا پانی ہے اگر ڈال دیں آپ کسی کھیت میں تو کھیتی خراب ہو جائے۔ اس پر سے بادل اٹھتے ہیں۔ جب سورج کی شعائیں پڑتی ہیں، دھوپ پڑتی ہے وہاں سے بھاپ اٹھتی ہے اوپر پہونچی تو ٹھنڈی ہواؤں سے بادل بن گئے اور ان بادلوں کو اللہ نے چلایا۔ ورنہ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو بادلوں سے پانی نہ برسے۔ کتنے سال ایسے گزرے کہ بارش نہیں ہوتی اور سوکھا

پڑتا ہے۔

ایک عجیب واقعہ

مسلم شریف کی روایت میں ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب جارہے ہیں اوراوپر بادل اٹھ رہے تھے۔ بادلوں سے آواز آئی کہ فلاں کے کھیت کو سیراب کرنا ہے نام لے کر۔ یہ صاحب بھی بادلوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگے،آخر یہ کہاں جارہے ہیں؟ کہاں برسیں گے؟ میں دیکھوں تو سہی۔تو ایک پتھر یلی زمین تھی، سخت زمین تھی۔ وہاں خوب بارش ہوئی۔ پھر وہاں سے پانی بہااورایک قدرتی نالہ تھااس میں سے بہا۔ یہ صاحب پانی کے پیچھے پیچھے جارہے ہیں، کہ اب پانی بہہ کر کہاں جائے گا؟ تو بہتے بہتے ایک کھیت میں پہونچ گیا۔ وہاں ایک شخص پھاوڑا لیے ہوئے پانی ادھرادھر اپنے کھیت میں پہونچارہے ہیں۔ان صاحب نے کھیت والوں سے نام پوچھا۔تو انھوں نے جونام بتلایا وہ وہی تھا جو بادلوں میں سے سنا تھا۔ اب ان کواور تعجب ہوا۔اس نے پوچھا آخر میرانام پوچھنے کی آپ کو کیا ضرورت پیش آئی؟ تو ان صاحب نے پوراواقعہ سنایا کہ میں جارہا تھا، اوپر بادل اٹھ رہے تھے، بادلوں سے میں نے آپ کا نام سنا کہ فلاں صاحب کے کھیت کو سیراب کرنا ہے، جو نام میں نے اوپر سنا آپ نے وہی نام بتلایا، میں نے دیکھا بارش ہوئی ایک پتھر یلی زمین پر، وہاں سے پانی بہا، ایک نالے کے ذریعے آپ کے کھیت تک پہونچا، اور یہ صرف آپ کے کھیت تک پہونچا، باقی کسی کے کھیت میں نہیں گیا، تو آخر آپ کا عمل کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ جب آپ نے پوچھ ہی لیا تو اب بتلاتا ہوں۔ میرا معمول یہ ہے کہ جتنی پیداوار ہوتی ہے اس کا ایک تہائی میں اپنے لیے ، اپنے بیوی بچوں کے لیے رکھ لیتا ہوں۔ اتنی مقدار میرے لیے کافی ہے۔ ایک تہائی پیداوار

میں روک لیتا ہوں بیج کے لیے کہ آئندہ سال اسے کھیت میں ڈالوں اور ایک تہائی پیداوار جو بچ جاتی ہے میں صدقہ کر دیتا ہوں۔ کتنا بہترین عمل ہے! ہاں اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے تمھارے کھیت کا خیال فرمایا۔ (مسلم: کتاب الزہد و الرقائق / باب الصدقۃ فی المساکین / رقم الحدیث: ۳۹۸۴)

سورج گہن اور اللہ تعالیٰ کا نظام

سورج گہن کو لیجیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کیسی قدرت موجود ہے۔ اسی لیے اس موقع پر نماز کی تعلیم دی گئی۔ پچھلی امتوں پر جو کچھ عذاب آئے وہ اسباب عادیہ کی وجہ سے تھے۔ یہ اسباب عادیہ جب اپنی رفتار اور مقدار سے تجاوز کر جاتے ہیں تو عذاب کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ پانی اگر اپنی رفتار اور مقدار سے بہتا ہو تو ٹھیک ہے مگر جب اسی پانی نے اپنی رفتار اور مقدار سے تجاوز کیا تو پوری قوم نوح کو غرق کر دیا اور عذاب کی شکل اختیار کر لی۔ ہوا اگر اپنی رفتار اور مقدار سے چلتی ہے تو ٹھیک ہے مگر جب اسی ہوا نے اپنی رفتار اور مقدار سے تجاوز کیا تو پوری قوم عاد کو تہہ و بالا کر دیا اور عذاب کی شکل اختیار کر لی۔ اسی طرح سورج اور چاند کی بھی ایک رفتار ہے۔ سورج بھی اپنے دائرے میں گردش کرتا ہے، چاند بھی اپنے دائرے میں گردش کرتا ہے اور زمین بھی اپنے دائرے میں گردش کرتی ہے۔ جب چاند گردش کرتے ہوئے سورج اور زمین کے درمیان میں آجاتا ہے زمین کے وہ حصے جو چاند کے مقابل ہیں۔ چاند سورج کی وہ روشنی زمین کے ان حصوں پر پہنچنے نہیں دیتا، اسی کا نام سورج گہن ہے۔ سورج چاند اور زمین تینوں میں اللہ تعالیٰ نے کشش یعنی کھینچنے کی طاقت رکھی ہے۔ اب اگر چاند کو زمین نے اپنی جانب کھینچ لیا تو قیامت قائم ہو جائے گی اور اگر سورج نے اپنی جانب کھینچ لیا تو

ہمیشہ کے لیے گھن لگ جائے گا۔اس لیے توازن یعنی بیلنس کا برقرار رہنا بہت ضروری ہے۔تو یہ توازن برقرار رہے اس لیے شریعت نے ہمیں اس موقع پر نماز کی تعلیم دی۔

انسان میں قدرت کے نمونے

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں عظیم المرتبت اور اشرف المخلوقات انسان ہے۔انسان ہی کے اپنے مختصر سے جسم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انگنت نظارے موجود ہیں۔

(۱)انسان کے سر میں جو دماغ ہے اس میں تقریباً ایک ہزار ملین اعصابی خانے ہیں۔ہر خانے میں باریک تار ہیں، جو جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔وہاں سے اعضا کو حکم دینے کا کام ہوتا ہے جو ایک گھنٹے میں ستر میل کی رفتار سے طے ہوتا ہے۔

(۲)انسان کے منہ میں جو زبان رکھی گئی ہے اس میں تقریبا تین ہزار ذائقوں کو چکھنے کی طاقت ہے۔

(۳)انسان کے کان میں تقریباً ایک لاکھ کی تعداد میں سننے کے اعصابی خانے ہیں۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے امام حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دہریہ (یعنی خدا کی ہستی کا منکر) سے مناظرہ مقرر ہوا اور موضوع مناظرہ یہی مسئلہ تھا کہ عالم کا کوئی خالق (عالم بنانے والا یا پیدا کرنے والا) ہے یا نہیں؟اس اہم مسئلے پر مناظرہ اور پھر اتنے بڑے امام سے۔چنانچہ میدان مناظرہ میں دوست دشمن سب جمع ہو گئے،مگر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وقت مقررہ سے بہت دیر کے بعد مجلس میں تشریف لائے۔دہریہ نے پوچھا کہ آپ نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ آپ نے فرمایا اگر میں اس کا جواب یہ دوں کہ میں ایک جنگل کی طرف نکل گیا تھا وہاں ایک عجیب واقعہ

نظر آیا، جس کو دیکھ کر میں حیرت میں آ کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ دریا کے کنارے ایک درخت تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت خود بخود کٹ کر زمین پر گر پڑا پھر خود بخود اس کے تختے تیار ہوئے، پھران تختوں کی خود بخود ایک کشتی تیار ہوئی اور خود بخود ہی دریا میں چلی گئی۔ خود بخود ہی وہ ایک دریا کے اس طرف کے مسافروں کو اس طرف اور اس طرف کے مسافروں کے اس طرف لانے اور لے جانے لگی۔ پھر ہر ایک سوار سے خود ہی کرایہ وصول کرتی تھی۔ تو بتاؤ تم میری اس بات پر یقین کرلوں گے؟ تو دہریہ نے یہ سن کر ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ آپ جیسا بزرگ اور امام ایسا جھوٹ بولے تو تعجب ہے، بھلا یہ کام کہیں خود بخود ہو سکتے ہیں۔ جب تک کوئی کرنے والا نہ ہو کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تو کچھ بھی کام نہیں ہے۔ تمھارے نزدیک تو اس سے بھی زیادہ بڑے بڑے عالی شان کام خود بخود بغیر کسی کرنے والے کے تیار ہوتے ہیں۔ یہ زمین، آسمان، یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے، یہ باغات، یہ قسم قسم کے رنگ برنگی پھول، یہ میٹھے پھل، یہ پہاڑ، یہ چوپائے، یہ انسان اور یہ ساری چیزیں بغیر بنانے والے کے تیار ہو گئی ہیں۔ اگر ایک کشتی کا بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود بن جانا جھوٹ ہے تو سارے جہاں کا بغیر بنانے والے کے بن جانا اس سے بھی بڑا جھوٹ ہے۔ دہریہ آپ کی تقریر سن کر حیرت میں آ گیا اور فوراً اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر مع القرآن: ۱/ص: ۸۰)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ جواب ملا شہتوت کے پتوں سے۔ جسے بکری کھاتی ہے مینگنی بنتی ہے ہرن کھاتا ہے تو مشک بنتا ہے، اور

ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو ریشم بنتا ہے کوئی تو ہے جو ایک ہی شئی سے مختلف چیزیں بناتا ہے اور وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر ابن کثیر مع القرآن: ا/ص:۸۰)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے حق تعالیٰ کے وجود کو کیسے پہچانا؟ فرمایا کہ سارے انسان ایک ہی ماں باپ یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں، تو سب کی رنگتیں اور زبانیں ایک ہونی چاہیے، لیکن انسانوں کی رنگتیں مختلف، زبانیں مختلف، شکلیں اور صورتیں مختلف، لہجے مختلف، ہر ایک کی آواز الگ۔ اس اختلاف میں غور کر کے میں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو پہچانا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو کیسے پہچانا؟ فرمایا کہ میرے سامنے ایک سفید محل ہے، مضبوط قلعہ ہے۔ اس میں نہ کوئی روشن دان ہے نہ کوئی دروازہ ہے۔ ہوا کے آنے جانے کا بھی کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس محل کی دیوار کو باہر سے سفید اور چمکدار بنا دیا گیا ہے اور اندر سے وہ محل سونے کی طرح چمک رہا ہے۔ اچانک اس محل کی دیوار گرتی ہے اور اندر سے ایک جاندار چیز نکل آتی ہے۔ میں نے اس کے ذریعے اپنے رب کے وجود کو پہچانا کہ کوئی تو ہے جو ایسے بند محل کے اندر بھی جان ڈال رہا ہے۔ تو وہ بند محل مرغی کا انڈا ہے اور اندر سے جاندار چیز نکلنے والی اس کا چوزہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مع القرآن: ا/ ص:۸۱)

ایک بڑھیا کا واقعہ

ایک عالم نے ایک بڑھیا کو چرخہ کاتتے دیکھ کر فرمایا کہ بڑھیا! ساری عمر چرخہ ہی کاتا یا کچھ اپنے خدا کی بھی پہچان کی؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ بیٹا! سب کچھ اسی چرخے میں دیکھ لیا۔ فرمایا کہ بڑی بی! یہ تو بتاؤ کہ خدا موجود ہے یا نہیں؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ہاں ہر گھڑی اور رات دن ہر وقت خدا موجود ہے۔ عالم نے فرمایا مگر اسکی دلیل؟ بڑھیا بولی، دلیل یہ میرا چرخہ۔ عالم نے پوچھا یہ کیسے؟ وہ بولی وہ ایسے کہ جب تک میں اس چرخے کو چلاتی رہتی ہوں یہ برابر چلتا رہتا ہے اور جب میں اسے چھوڑ دیتی ہوں تب یہ ٹھہر جاتا ہے تو جب اس چھوٹے سے چرخے کو ہر وقت چلانے والے کی ضرورت ہے، تو زمین و آسمان، چاند، سورج کے اتنے بڑے چرخے کو کس طرح چلانے والے کی ضرورت نہ ہوگی؟ پس جس طرح میرے کاٹھ کے چرخے کو ایک چلانے والا چاہیے۔ اسی طرح زمین و آسمان کے چرخے کو ایک چلانے والا چاہیے۔ جب تک وہ چلاتا رہے گا یہ سب چرخیں چلتے رہیں گے اور جب وہ چھوڑ دے گا تو یہ ٹھہر جائیں گے مگر ہم نے کبھی زمین و آسمان، چاند سورج کو ٹھہرتے نہیں دیکھا، تو جان لیا کہ ان کا چلانے والا ہر گھڑی موجود ہے۔ عالم نے سوال کیا، اچھا یہ بتاؤ کہ آسمان و زمین کا چرخہ چلانے والا ایک ہے یا دو؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ایک ہے اور اس دعویٰ کی دلیل بھی یہی میرا چرخہ ہے، کیونکہ جب اس چرخے کو میں اپنی مرضی سے ایک طرف کو چلاتی ہوں تو یہ چرخہ میری مرضی سے ایک ہی طرف کو چلتا ہے اگر کوئی دوسری چلانے والی بھی ہوتی پھر یا تو وہ میری مددگار ہو کر میری مرضی کے مطابق چرخہ چلاتی تب تو چرخے کی رفتار تیز ہو جاتی اور اس چرخے کی رفتار میں فرق آ کر نتیجہ حاصل نہ ہوتا۔ اور اگر وہ میری مرضی کے خلاف اور میرے چلانے کی مخالف جہت پر چلاتی تو یہ چرخہ چلنے سے ٹھہر جاتا یا ٹوٹ جاتا مگر ایسا نہیں ہوتا اس وجہ سے کہ کوئی

دوسری چلانے والی نہیں۔اسی طرح آسمان وزمین کا چلانے والا اگر کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور آسمانی چرخے کی رفتار تیز ہوکر دن رات کے نظام میں فرق آجاتا یا چلنے سے ٹھہر جاتا یا ٹوٹ جاتا جب ایسا نہیں ہے تو ضرور آسمان وزمین کے چرخے کو چلانے والا ایک ہی ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ دنیا کی ہر چیز اپنے خالق کے وجود اور اس کی یکتائی پر شاہد ہے مگر عقلِ سلیم درکار ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا پیارا واقعہ بیان کیا ہیں۔ایک مرتبہ ایک جوہری سفر پر گیا۔ اتفاق سے چور اس کے ساتھ ہولیا۔چور کو کسی طرح اندازہ ہوگیا کہ جوہری کے پاس قیمتی ہیرا ہے۔اس نے سوچا کہ رات کو سوئے گا تو میں چپکے سے اس کے سامان سے نکال لوں گا۔ جوہری نے چور کی اس بری نیت کا اندازہ لگالیا۔چنانچہ اس نے اس ہیرے کو چور ہی کے سامان میں چھپادیا۔جوہری جب رات میں سویا تو چور چپکے سے اٹھا اور جوہری کے سامان کو ٹٹولنے لگا کافی دیر تک ٹٹولتا رہا مگر اسے ہیرا کہیں نہیں ملا۔دوسرے دن جوہری نے پھر ہیرے کو چور کے سامان میں چھپالیا اور خود بے فکر ہوکر سوگیا۔چور پوری رات جوہری کے سامان کو ٹٹولتا رہا مگر اسے ہیرا نہیں ملا۔تیسری رات پھر ایسا ہی ہوا۔مسلسل تین دن رات کی محنت کے بعد چور مایوس ہوگیا۔جوہری نے پوچھا تم رات میں کہاں چلے جاتے ہو دن میں تو ہمارے ساتھ ہوتے ہو؟ چور نے حقیقت بتائی تو جوہری نے کہا کہ تم نے میرے سامان میں غور کیا کاش!تم اپنے سامان کو بھی دیکھ لیتے تو ہیرے کو اپنے ہی سامان میں موجود پاتے، میں نے اسی میں چھپایا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود انسان کے وجود میں اپنی قدرت

کے ڈھیر سارے نمونے رکھے ہیں مگر ہم ان چیزوں میں غور وفکر نہیں کرتے۔

اسی لیے ہمارے امام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایک بھی نبی کو دنیا میں نہ بھیجتا تب بھی اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو اتنی تو عقل دی ہے جس سے وہ اپنے رب کی معرفت اور وجود کو حاصل کر سکے۔

اللہ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ''رَبّ العٰلمین'' کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک دن کپڑے دھونے کے لیے دریائے نیل کے کنارے تشریف لے گئے، یکا یک انھیں ایک موٹا تازہ بچھو دکھائی دیا، جو ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ کنارے پر پہنچا تو پانی میں سے ایک کچھوا نکلا اور سطح پر تیرنے لگا، بچھو نے جب اسے دیکھا تو وہ کود کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ کچھوا اسے لے کر دوسرے کنارے کی طرف چلا۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تہبند باندھ کر دریا میں اتر گیا اور ان دونوں کو دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ دریا کے اس پار پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر بچھو کچھوے کی پیٹھ پر سے اترا اور خشکی پر چڑھ گیا۔ میں بھی دریا سے نکل کر اس کے پیچھے ہو لیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں ایک نوخیز لڑکا گہری نیند سو رہا ہے، میں نے دل میں کہا کہ یہ بچھو دوسری طرف سے اس نوجوان کو کاٹنے آیا ہے، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک زہریلا سانپ دکھائی دیا، جو پھن اٹھا کر لڑکے کی طرف بڑھ رہا تھا، لیکن ابھی وہ لڑکے کے پاس پہنچا ہی تھا کہ بچھو آگے بڑھا اور سانپ کے سر سے چمٹ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں سانپ مر گیا اور بچھو واپس کنارے کی طرف لوٹا، وہاں کچھوا اس کا منتظر تھا، اس کی پیٹھ پر

سوار ہو کر وہ دوبارہ اس پار جا پہنچا، میں یہ عجیب ماجرا دیکھ کر شعر پڑھنے لگا۔ میری آواز سن کر نوجوان جاگ اٹھا، میں نے اسے تمام قصہ سنایا۔ اس پر اس واقعے کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے اپنی لہو ولعب کی زندگی سے توبہ کی اور تمام عمر سیاحت میں بسر کر دی۔ (اصلاحی خطبات: ۱۷/ ۲۷۷)

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائیں اور جہنم سے ہم سب کی مکمل حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۴)

معاملات کی صفائی کی اہمیت

تعارف

۴؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۱۶؍اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: جمعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ﴾ [النساء:۲۹]

یہ سورۂ نساء کی ۲۹ نمبر کی آیت کا ایک جزو ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال کو ناحق طور پر مت کھاؤ۔ہاں ایسی تجارت جو آپسی رضامندی سے ہو۔

اس آیت میں معاملات کی درستی کا ایک اہم ضابطہ بتلایا گیا ہے کہ ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر استعمال مت کرو۔معاملات اسلام کے شعبوں میں سے ایک اہم ترین شعبہ ہے۔لہٰذا اس کی درستی اور صفائی کی اہمیت ہونی چاہیے۔

تمہید

ہمارے معاشرے میں آپسی اختلافات اور جھگڑوں کا ایک سیلاب امنڈ آیا ہے، اس کا ہلکا سا اندازہ عدالتوں میں درج ہونے والے مقدمات سے لگایا جا سکتا ہے،مگر یہ اندازہ یقینی نہیں بلکہ بہت معمولی ہے۔اس لیے کہ بہت سے مقدمات ایسے ہوتے ہیں جو عدالتوں کی دہلیز تک بھی پہونچ نہیں پاتے۔وجہ یہ ہے کہ عدالتوں میں مقدمات درج کرانے میں بہت روپیہ ضائع ہوتا ہے۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ایک دوسرے کو پریشان کرنے کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے۔

سوال یہ ہوتا ہے آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ عدالتوں میں اتنے سارے مقدمات درج کیوں ہیں؟ برسوں کی بنی بنائی دوستی یکدم دشمنی اور عداوتوں میں تبدیل کیوں ہو جاتی ہے؟ ان سارے سوالوں کا ایک ہی جواب ہوگا آپسی معاملات کا صاف نہ ہونا۔

اس لیے شریعت اسلامیہ نے معاملات کی صفائی پر بہت زور دیا ہے۔ معاملات کی صفائی کی اہمیت پر شریعت اسلامیہ نے جس اہتمام کے ساتھ زور دیا ہے وہ بے شمار ہے، مگر ہم ان میں سے چند باتوں کو پیش کرتے ہیں۔

قرآن کی سب سے بڑی آیت معاملات کی

قرآن کریم کی سب سے طویل آیت سورۃ البقرہ کی ۲۸۱ نمبر کی آیت ہے۔ اس مکمل آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملات کے اصولوں کو بیان کیا ہے۔ یہی ایک بات کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے نماز اور زکوۃ جیسی اہم ترین عبادات کا حکم دیا تو فقط ایک جملہ میں دیا ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ [البقرہ: ۱۱۰]

مگر جب معاملات کا نمبر آتا ہے تو اس پر قرآن کریم کی سب سے طویل آیت نازل ہوتی ہے جو تقریباً سوا صفحے کو گھیرے ہوئے ہے۔

حقوق العباد کی توبہ میں چار شرطیں

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "ریاض الصالحین" میں حقوق اللہ سے توبہ کے لیے تین شرطیں بیان کی ہیں۔

(۱) اول یہ کہ بندہ اس گناہ کو چھوڑ دے۔

(۲) دوم یہ کہ اس پر ندامت ہو۔

(۳) سوم یہ کہ آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ کر لے۔

لیکن اگر کوتاہی کا تعلق بندے کے حق سے ہے تو توبہ کے لیے ان تین شرطوں کے علاوہ مزید ایک شرط یہ ہے کہ سامنے والا یا تو معاف کردے یا سامنے والے کا حق ادا کردیا جائے۔ اسی سے اندازہ لگایا جائے کہ اسلام میں حقوق العباد کا درجہ کتنا بڑھا ہوا ہے اور اسلام اس کی اہمیت کو کس شان کے ساتھ اجاگر کرتا ہے۔ (ریاض الصالحین رص:۱۸)

حقوق العباد کو ترجیح

اسلام میں حقوق العباد کی اہمیت کو اس قدر بیان کیا کہ اگر کسی موقع پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں جمع ہو جائیں تو اول یہ کوشش کی جائے کہ دونوں کو ادا کرے لیکن اگر صورت حال ایسی ہے کہ دونوں میں سے ایک ہی ادا ہوسکتا ہے تو اب شریعت اسلامیہ کی تعلیم یہ ہے کہ حقوق العباد کو حقوق اللہ پر ترجیح دی جائے گی۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں یہی بات بیان فرمائی ہے:

و حق العبد مقدم لحاجته (الهدایہ:۳/۶۷)

اسلام میں حقوق العباد کی اہمیت اور اس کے مقام ومرتبہ کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

پچھتر فیصد دین معاملات کا ہے

مدارس اسلامیہ میں جو اہم ترین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں سے ایک کتاب ہدایہ ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان چار جلدوں میں سے ایک جلد عبادات کے

احکام کو شامل ہے اور بقیہ تین جلدوں میں معاملات کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم اسی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں معاملات کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ دین کا پچھتر فیصد حصہ معاملات پر مشتمل اور عبادات فقط پچیس فیصد کو شامل ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصوف پر کتاب

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگرد ہے۔ ان کا ہم پر یہ احسان ہے کہ انھوں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسائل و احکام کو ہم تک پہونچا کر احسان عظیم فرمایا ہے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں، بلکہ بعض لوگوں نے آپ کی تصنیفات کی تعداد نو سو سے زائد بیان کی ہیں۔ کسی نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آپ نے ہر فن پر کتاب لکھی مگر تصوف پر آپ کی کوئی تصنیف اور کتاب نہیں ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں نے جو کتاب البیوع لکھی ہے وہ تصوف ہی کی کتاب ہے۔ آپ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ تصوف دین اور شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنے کا نام ہے اور دین و شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی لین دین کے معاملات میں صفائی سے ہی ہوتی ہے۔ (فضائل تجارت رص: ۹۴)

اسلام کے پانچ شعبے

شریعت اسلامیہ پانچ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ قرآن کریم میں سورۃ البقرہ میں حق تعالیٰ اہل ایمان کو اسلام میں کامل و مکمل طور پر داخل ہونے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ [البقرہ:۲۰۸]

بندہ اس وقت تک اسلام میں کامل ومکمل طور پر داخل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اسلام کے ان پانچ شعبوں پر کماحقہٗ عمل کرنے والا اوران کے تقاضوں کو پورا کرنے والا نہ ہو جائے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جائیں تو جہاں ہمارے عقائد اور عبادات درست ہوں وہیں پر ہمارے معاملات بھی درست ہونے چاہیے۔

معاملات کے متعلق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات معاملات کی صفائی کے متعلق بھرے پڑے ہیں، جن میں سے چند ارشادات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ جنازہ لایا گیا اور آپ سے درخواست کی گئی کہ اس کا جنازہ پڑھا دیجیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پر کوئی قرض تو نہیں؟ لوگوں نے کہا کوئی قرض نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا اس نے مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ پھر ایک جنازہ لایا گیا اور آپ سے درخواست کی گئی کہ اس کا جنازہ پڑھا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پر کوئی قرض تو نہیں؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! قرض ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ تین دینار چھوڑے ہیں۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ پھر ایک جنازہ لایا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی گئی کہ آپ اس کا جنازہ پڑھا دیجیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اس پر کوئی قرض تو نہیں؟ لوگوں نے بتایا جی ہاں! قرض ہے۔ حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب تم لوگ اس کی نماز پڑھ لو۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور! اس کا قرض میرے ذمے ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ (بخاری: کتاب الحوالات/باب ان احال دین المیت علی رجل جاز/رقم الحدیث: ۲۲۸۹)

(۲) ابوداود شریف میں روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی ہے (حدیث قدسی ہے) کہ میں دو شریکوں کے درمیان تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ دونوں میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے، جب کوئی دوسرے کے ساتھ خیانت کرنے لگتا ہے تو میں وہاں سے نکل جاتا ہوں۔ (ابوداود: کتاب البیوع/باب فی الشرکۃ/رقم الحدیث: ۳۳۸۳)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غلے کے ڈھیر سے گزرے، تو آپ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ داخل کیا۔ آپ کی انگلیاں تر ہوگئیں، تو آپ نے فرمایا اے غلے والے! یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بارش سے بھیگ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے اوپر کیوں نہیں کر دیا تاکہ لوگ دیکھ سکیں؟ پھر آپ نے فرمایا کہ جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم: کتاب الایمان/باب من غش فلیس منا/رقم الحدیث: ۱۰۲)

(۴) ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی سے کوئی قرض لیتا ہے اس حال میں کہ اس کے دل میں اس قرض کے ادا کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے

دربار میں چور بن کر حاضر ہوگا۔(ابن ماجہ: کتاب الصدقات/باب من اادان دینالم ینو قضاءہ/ رقم الحدیث: ۲۴۱۰)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کا مال اس ارادے سے لیتا ہے کہ اس کی نیت ہلاک اور ضائع کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا۔(ابن ماجہ: کتاب الصدقات/باب من ادان دینالم ینو قضاءہ/ رقم الحدیث: ۲۴۱۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ تمام ارشادات صریح اور صاف طور پر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام میں معاملات کی اہمیت اور حقوق العباد کی اہمیت پر کتنا زور دیا گیا ہے۔

حضوور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات کی صفائی کے نمونے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لوگوں کے لیے اسوہ بنایا ہے۔ آپ کی مبارک زندگی میں معاملات کی صفائی کے اعلیٰ نمونے سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں، جن میں سے کچھ درج ذیل نقل کیے جاتے ہیں۔

پہلا نمونہ

جب حضور اکرم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ شریف لے گئے تو سب سے پہلے آپ کی فکر یہ تھی کہ یہاں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ جس باڑے کے قریب آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی وہ باڑہ آپ کو پسند آ گیا اور مسجد کی تعمیر کے لیے آپ نے اس کو خریدنا چاہا۔ آپ نے اس جگہ کے بارے میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ دو انصاری یتیم بچے جو اپنے چچا کی

تربیت میں رہتے تھے سہل اور سہیل ان کا یہ باڑہ ہے۔ آپ نے ان کو بلا کر خریدنے کے متعلق گفتگو فرمائی تو وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو ایسے ہی مفت میں دیتے ہیں، لیکن آپ نے ان کی بات کو قبول نہیں فرمایا اور قیمت دے کر اس باڑے کو خریدا۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/۴۰۹)

دوسرا نمونہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات کی صفائی کی ایک بڑی مثال یہ ہے کہ آپ کی وہ ازواج مطہرات جنھیں آپ کی شریک حیات بننے کا شرف نصیب ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کو سال بھر کا نفقہ برابر برابر تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ یہ بات الگ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازواج مطہرات کے دلوں سے بھی دنیا کی محبت کو نکال دیا تھا، اس لیے وہ ضرورت کے بقدر اپنے پاس رکھتی تھیں اور بقیہ راہ خدا میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ (مسلم: کتاب الجہاد و السیر/، باب حکم الفئی/رقم الحدیث: ۱۷۵۷)

تیسرا نمونہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملات کی صفائی کی ایک شاندار مثال یہ کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کی باری تقسیم کی تھی۔ چنانچہ جس زوجہ کی باری کا دن ہوتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

چوتھا نمونہ

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریک تجارت تھا۔ جب میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا مجھے جانتے ہوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ میرے اچھے شریک تھے نہ کسی بات کو ٹالتے تھے اور نہ

جھگڑا کرتے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/ ۹۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معاملات اس بات پر صاف دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے حقوق العباد کا کس قدر پاس ولحاظ فرمایا ہے۔

دینداری کا معیار معاملات پر

عام طور پر کسی انسان کی نیکی اور دینداری کو عبادات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے، پیشانی پر سجدے کے نشانات، نصف ساق پر ازار، چہرہ پر گھنی داڑھی دیکھ کر ہر کوئی دین داری کی گواہی دینے لگتا ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ دین داری کو پرکھا جائے گا معاملات پر نہ کے عبادات پر۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے

لاتغرنک صلوۃ احد ولا صیامه من شاء صلی و من شاء صامه و لکن لا دین لمن لا امانة له (المہذب فی اختصار السنن الکبیر للبیہقی / رقم: ۲۴۵۲)

کسی شخص کی نماز اور روزے سے دھوکا نہ کھاؤ، جو چاہے جتنی نماز پڑھے، جتنا چاہے روزے رکھے، لیکن اس شخص کا دین ہی نہیں جس کے پاس امانت کا پاس ولحاظ نہ ہو۔

ایک واقعہ

احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں کسی معاملے میں ایک شخص گواہی دینے کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو تم کو پہچانتا ہو۔ چنانچہ وہ گواہ ایک شخص کو لے کر آیا۔ اس نے آتے ہی گواہ کی شان میں تعریف اور قصیدے پڑھنے شروع کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا تم ان کو کیسے جانتے ہو؟ کیا تم ان کے پڑوس میں رہتے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نے کبھی ان کے ساتھ سفر کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کبھی لین دین وغیرہ کا اتفاق ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اس آدمی کو مسجد کے ایک گوشے میں جھوم جھوم کر تلاوت کرتے دیکھا ہوگا، اس سے اندازہ لگایا ہوگا کہ یہ آدمی نیک اور صالح ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! امیر المومنین بات ایسی ہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جاؤ! تم اس گواہ کو پہچانتے ہی نہیں اور گواہ سے کہا کہ ایسا آدمی بلاؤ جو تم کو جانتا ہو۔ (احیاء العلوم مترجم: ۲/ ۱۴۰)

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوا کہ کسی کی دینداری کو عبادات کی کسوٹی پر تولہ نہیں جاتا بلکہ معاملات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔

سبق آموز واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دن مدینہ کے قریب اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحرا میں تھے اور بیٹھے کھانا کھا رہے تھے وہاں سے ایک چرواہے کا گزر ہوا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُسے کھانے کی دعوت دی چرواہے نے کہا میں نے روزہ رکھا ہوا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیران ہو کر کہا کہ اتنی شدت کی گرمی ہے اور تو نے روزہ رکھا ہوا ہے اور تم بکریاں بھی چرا رہے ہو؟ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس کی دیانتداری اور تقویٰ کا امتحان لینا چاہا اور کہا کہ کیا تم ان بکریوں میں سے ایک بکری ہمیں بیچ سکتے ہو؟ ہم تمھیں اس کی قیمت بھی دیں گے اور کچھ گوشت بھی دیں گے جس سے تم اپنا روزہ بھی افطار کر سکتے ہو،، چرواہا بولا کہ یہ میری بکریاں نہیں ہیں یہ میرے مالک کی بکریاں ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے اپنے مالک سے

کہنا کہ ایک بکری کو بھیڑیا کھا گیا۔ چرواہا غصے میں اپنی انگلی آسمان کی طرف کر کے یہ کہتے ہوئے چل دیا کہ پھر اللہ کہاں ہے؟ بار بار چرواہے کی بات کو دھراتے جا رہے تھے کہ اللہ کہاں ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ اور روتے جا رہے تھے۔ اور جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ پہنچے چرواہے کے مالک کو ملے اُس سے بکریاں اور چرواہا خریدا اور اُسے آزاد کر دیا اور بکریاں بھی اُسے دے دی اور اُسے کہا کہ تمھارے ایک جملہ نے تجھے آزاد کروا دیا (اللہ کہاں ہے؟) اللہ سے دعا ہے کہ تجھے قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے بھی آزاد کریں۔ (عیون الحکایات مترجم ۱/ ۱۵۷، حکایت نمبر: ٦٨)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا دلچسپ واقعہ

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے دین کفر پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ہمارے لوگ لات بُت کے مجاور تھے۔ اسلام اور مسلمان دھیرے دھیرے اپنا دائرہ وسیع کر رہے تھے مگر میں اسلام کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ میرا عزم تھا کہ اگر میری قوم مسلمان ہو بھی گئی تو میں کسی طرح مسلمان نہیں ہوں گا۔ ان حالات میں ہمارے قریبی خاندان بنو مالک کے چند لوگوں نے نیک نیتی کے طور پر مصر کے بادشاہ مقوقس کے ہاں جانے کا پروگرام بنایا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ جانے کا عزم کر لیا۔ بادشاہ کے لیے عمدہ عمدہ تحائف جمع کیے گئے۔ میں نے اپنے چچا حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو اُس نے میری تائید نہیں کی اور کہا کہ اس وفد میں تمھارے گھرانے کا کوئی فرد شریک نہیں ہے، اس لیے تمھارا جانا بھی مناسب نہیں ہے۔ مگر میں نے اس کا یہ مشورہ قبول نہ کیا اور سفر کی تیاری کر لی۔ اس وفد میں میرے علاوہ ہمارے قبیلے کی شاخ بنو مالک کے لوگ بھی تھے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ الغرض ہمارا یہ وفد روانہ ہو گیا اور اسکندریہ جا پہنچا اور اتفاق سے شاہِ مصر مقوقس بھی اس موقع پر ساحلِ سمندر پر اپنی ایک مجلس برپا کیے ہوئے تھا۔ میں ایک کشتی پر سوار ہو کر ان لوگوں کے سامنے جا پہنچا۔ مقوقس نے مجھے دیکھا اور اجنبی محسوس کیا تو معلوم کروایا کہ یہ کون شخص ہے؟ میں نے اپنا تعارف اور اپنی آمد کا مقصد بتایا تو اُس نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو گرجا گھر میں ٹھہرایا جائے اور خاطر تواضع کی جائے۔ پھر ہمیں باریابی کا موقعہ دیا اور ملاقات کے لیے بلایا گیا۔ ہمارے وفد کا سردار بنو مالک میں سے تھا۔ بادشاہ نے سردار کو اپنے پاس بٹھایا اور ہمارے متعلق بھی معلومات حاصل کیں، کہ آیا یہ لوگ تمھارے قبیلہ بنی مالک ہی سے ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں میرے ہی قبیلہ کے ہیں سوائے اس حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے۔ چنانچہ مجھے اس موقع پر کوئی اہمیت نہ ملی۔ بادشاہ اپنے تحائف پا کر بہت خوش ہوا اور پھر اس نے بھی بدلے میں ان لوگوں کو انعام واکرام سے نوازا، مگر مجھے بہت معمولی تحفہ دیا گیا۔ ہم دربار سے نکلے تو سب لوگ بہت خوش تھے اور پھر وہ اس علاقے سے اپنے اہل و عیال کے لیے تحفے تحائف خریدنے لگے اور ان میں سے کسی نے میری کوئی دل داری نہ کی اور مجھے کچھ نہ دیا۔ بالآخر ہماری واپسی شروع ہوئی۔ ان لوگوں نے اپنے مال میں شراب بھی خریدی تھی جو وہ راستے میں پیتے پلاتے رہے۔ مگر میں اپنے دل میں بڑے پیچ وتاب کھاتا تھا، اور آنے والی صورتِ حال سے کسی طرح بھی مطمئن نہ تھا کہ یہ لوگ قبیلے میں جا کر اپنی بڑائی کا اظہار کریں گے کہ ہمارا اس طرح اِکرام ہوا اور یہ یہ انعام واعزاز ملا اور ان کے مقابلے میں میری ناقدری ہوگی۔

چنانچہ میں نے اپنے دل میں یہ ٹھان لی کہ ان کا کام ہی تمام کر دوں گا۔ پھر ایک ـــــ

منزل پر پڑاؤ ہوا، سب لوگ کھانے پینے کے بعد شراب پینے کی تیاری کرنے لگے تو میں نے ظاہر کیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں اور بیمار ہوں۔ سر میں درد کا بہانہ بنا کر میں نے اپنے سر پر سخت کر کے کپڑا لپیٹ لیا اور کہا کہ میں شراب نہیں پیئوں گا، تمھیں تمھیں پلاتا ہوں۔ پھر میں انھیں شراب پلانے لگا اور اس میں کوئی پانی وغیرہ نہ ملایا بلکہ خالص شراب پلائی۔ میں پیالے پر پیالہ اُنڈیلنے لگا۔ وہ پیتے جاتے اور بے سدھ سوتے جاتے تھے۔ انھیں جب کوئی ہوش نہ رہا تو میں اُٹھا اور ان سب کو قتل کر دیا اور جو اُن کے پاس تھا، سب سمیٹ لیا۔ پھر اپنے وطن جانے کے بجائے مدینہ منورہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ مسجد میں ہیں اور میرا لباس مسافرانہ تھا۔ میں نے آپ کو اسلام کا سلام پیش کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پہچان لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تعریف اس اللہ کی جس نے تجھے راہِ ہدایت سجھائی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا تم مصر سے آرہے ہوں؟ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے پوچھا کہ تمھارے ساتھی بنی مالک والوں کا کیا ہوا؟ میں نے بتایا کہ میں نے ان سب کو قتل کر دیا ہے، اور ان کا مال و متاع لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں تاکہ آپ اس میں سے پانچواں حصہ لے لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا اسلام ہم قبول کرتے ہیں، مگر ان کے مالوں میں سے میں کچھ نہ لوں گا، یہ سراسر دھوکہ ہے اور دھوکے میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس بات سے مجھے قریب و دور کے ہر طرح کے غم و افسوس نے آلیا۔ تب میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے انھیں اس حالت میں قتل کیا ہے جب کہ میں اپنی قوم کے دینِ کفر پر تھا، اس کے بعد ہی میں اسلام لایا ہوں اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو رہا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا:

إن الإسلام يهدم ما كان قبله

بلا شبہ اسلام، جو کچھ پہلے ہو چکا ہوا سے ختم کر دیتا ہے۔ یہ لوگ جنھیں اس نے قتل کیا، تعداد میں تیرہ افراد تھے۔ پھر ان کی خبر اہل طائف میں ان کی قوم کو بھی پہنچ گئی۔ مقتولین کے ورثا حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ پر چڑھ دوڑے، قتل وقتال ہونے کو تھا کہ ان کے چچا حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی دیت اپنے ذمے لے لی، اس طرح یہ جنگ ٹلی اور صلح ہو سکی۔

اس واقعے میں کھلا درس ہے کہ ناجائز طور پر حاصل کیا ہوا مال اسلام میں معتبر نہیں ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

تنبیہ المغترین میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حاکموں کو حکم دیتے کہ وہ تاجروں اور بازاری لوگوں کو ان کے سامنے پیش کریں۔ جب پیش کیا جاتا تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان سے کچھ سوالات کرتے، اگر کسی ایسے کو پاتے جو احکام ومعاملات کی سوجھ بوجھ نہ رکھتا ہو اور حلال وحرام کی تمیز نہ کرنے والا ہو اس کو بازار سے نکلوا دیتے اور فرماتے کہ پہلے خرید وفروخت کے مسائل کو سیکھو پھر بازار میں بیٹھو، کیوں کہ اگر مسائل سے ناواقف ہوگا تو سود کھائے گا۔ (فضائل تجارت، ص: ۹۳)

کل قیامت کے دن معلوم ہوگا

علی بن معبد رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کچھ لکھا اور اس کو خشک کرنے کیلئے مٹی کی ضرورت ہوئی، کچی دیوار

تھی، مجھے خیال آیا کہ اس پر سے ذراسی مٹی کھرچ کر تحریر پر ڈال لوں، پھر خیال آیا کہ مکان کرایہ کا ہے (جو رہنے کے واسطے کرایہ پر لیا گیا نہ کہ مٹی لینے کے واسطے) مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اتنی ذراسی مٹی میں کیا مضائقہ ہے معمولی چیز ہے۔ میں نے مٹی لے لی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں جو یہ فرمارہے ہیں کہ کل قیامت کو معلوم ہوگا یہ کہنا کہ معمولی مٹی کیا چیز ہے۔ (فضائل اعمال رص:۶۷، ۶۸)

ایک عجیب واقعہ

مشہور محقق و عالم دین علامہ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب ''الاسلام بین الجمود و التطرف'' میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوست کے یہاں مہمان ہوا، ملک کی آب و ہوا ٹھنڈی تھی، میں نے چاہا کہ کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھالیا جائے تاکہ فرش کی ٹھنڈک سے حفاظت ہو سکے۔ میرے دوست کو پتہ چلا تو اس نے کہا بالکل نہیں، کھانا فرش ہی پر کھایا جائے گا، کرسی پر کھانا یہ سنت کے خلاف ہے۔ اس کے اصرار پر میں نے نیچے بیٹھ کر کھانا کھالیا۔ بعد میں مجھے اپنے اس دوست کے متعلق معلوم ہوا جس نے نہ موسم کی نزاکت کا خیال رکھا اور نہ مہمان کی چاہت کا کہ اس کے معاملات درست نہیں ہے، بہت سوں کا قرض ہے اور قرض خواہوں کو ٹالتا رہتا ہے۔ میں نے سوچا کہ جس شخص کی زندگی میں سنتوں کا اتنا اہتمام ہو مگر قرض کی ادائیگی کی کوئی فکر نہیں، حالانکہ قرض کی ادائی کا تو اور بھی اہتمام ہونا چاہیے اس لیے کہ وہ واجب ہے جس کا درجہ سنت سے بڑھا ہوا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید سے خلافت لے لینا

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے جن کو حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نے خلافت بھی عطا فرمائی تھی۔ایک مرتبہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے ایک لڑکے کو بھی لے گئے۔حضرت نے پوچھا اس بچے کی عمر کیا ہے؟ انھوں نے کہا تیرہ سال ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ آپ نے اس کی ٹکٹ آدھی لی تھی یا پوری؟ انھوں نے جواب دیا کہ آدھی لی تھی۔حضرت نے فرمایا کہ بچے کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہوتو پورا ٹکٹ لگتا ہے۔مرید نے جواب دیا کہ حضرت یہ بچہ دیکھنے میں بارہ سال کا لگتا ہے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر غصہ ہو گئے اور فرمایا کہ لگتا ہے آپ کو تصوف وطریقت کا علم ہی نہیں ہے۔آپ کو ابھی تک اس بات کا احساس ہی نہیں کہ آپ نے بچے کو جو سفر کرایا ہے وہ حرام ہے۔قانون یہ ہے کہ بارہ سال سے زائد عمر کے بچے کا پورا ٹکٹ لگتا ہے اور آپ نے آدھا ٹکٹ لے کر ریلوے کے آدھے پیسے غصب کر لیے اور انھیں دھوکا دیا ہے۔چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اجازت واپس لے لی۔(اصلاحی خطبات:۹/۸۷)

ہماری غلط فہمی

ہم لوگوں کی غلط فہمی یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے سے اور آنسو بہالینے سے معاملات صاف ہوجاتے ہیں۔یہ ہماری بہت بڑی بھول اور سراسر دھوکا ہے۔

جیسے ایک صاحب کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے قریب کی دکان سے ادھار معاملہ کیا کرتے تھے اور دکاندار نے انکے نام کی ڈائری بنا رکھی تھی جس پر ان کا حساب وکتاب درج کرتا رہتا تھا۔ایک مرتبہ وہ صاحب حج کرنے گئے جب حج سے آئے تو دکاندار کے پاس پہنچے اور کہا ذرا ہماری ڈائری لاؤ دکاندار خوش ہوگیا کہ مدتوں کا قرض آج ایک ساتھ ادا کردیا جائے

گا۔ان صاحب نے ڈائری ہاتھ میں لے اور جہاں ان کا نام لکھا تھا دوکاندار کو اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا میرے نام کے آگے حاجی بڑھا دو، یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئے اور دکاندار کی ساری خوشی پانی میں مل گئی۔

معاملات کی صفائی پر ایک دلچسپ واقعہ

بغداد میں ایک سوداگر بڑا ایماندار اور ہوشیار تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس کو کاروبار میں خوب ترقی عطا کی تھی۔ یہ سوداگر کاروبار کے سلسلے میں سفر کیا کرتا تھا۔کچھ عرصے کے بعد یہ بہت جلدی جلدی سفر کرنے لگا اور سفر میں کافی روز تک باہر رہنے لگا۔اس کی بیوی کو شبہ ہوا کہ آخر اس کا شوہر بار بار بہت جلدی جلدی کیوں سفر کرتا ہے اور سفر میں اتنے ایام کہاں گزارتا ہے۔اس نے اپنی ایک بوڑھی قابل اعتماد خادمہ کو سوداگر کے پیچھے لگایا تاکہ تحقیق کرے۔ بوڑھی خادمہ نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ سوداگر نے خفیہ طور پر شادی کرلی ہے اور اپنی دوسری بیوی کے ساتھ سفر کے بہانے پر کچھ ایام گزارتا ہے۔بڑھیا نے جب اس کی بیوی کو دوسری شادی کی اطلاع دی تو اس کو بے حد افسوس ہوا۔مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور صبر سے کام لیتے ہوئے اپنے شوہر کے سامنے کبھی اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔شوہر بھی اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور حقوق کی ادائیگی میں کمی ہونے نہیں دیتا۔کچھ عرصے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا اور شوہر کے گھر والوں نے جب میراث کی تقسیم کی گھر والے بھی شوہر کی دوسری شادی سے بالکل ناآشنا تھے۔اور بیوی بھی نہیں چاہتی تھی کہ اپنے شوہر کے گھر والوں کے سامنے ان کے راز کو فاش کرے۔چنانچہ گھر والوں نے بیوی کو اس کا حصہ دیا مگر بیوی جانتی ہے کہ میرے اس مال میں میری سوکن کا بھی حق ہے۔اس نے اپنی خادمہ کے ذریعے سوکن کو

اس کا حصہ بھیجا اور ساتھ میں ایک خط لکھا کہ مجھے اپنے شوہر کے بارے میں اس بات کا علم ہے کہ انھوں نے تم سے نکاح کیا ہے۔اور اب ان کا انتقال ہو چکا ہے ان کے مال میں یہ حصہ جو مجھے ملا ہے اس میں فقط میرا حق نہیں بلکہ تمھارا بھی حق ہے،لہٰذا تم اپنا حق وصول کرلو۔ جب سوکن نے یہ خط پڑھا تو بڑھیا کے ساتھ وہ رقم واپس بھیجی اور ایک پرچی لکھی،جس میں یہ تھا کہ جی ہاں! آپ کے شوہر نے میرے ساتھ دوسرا نکاح کیا تھا مگر کچھ عرصے پہلے ہم دونوں میں طلاق ہوگئی ہے،لہٰذا اس مال میں میرا حق نہیں رہا اب تمھارا ہی حق ہے۔(تقسیم جائداد کے اسلامی اصول/ص:۱۸۵)

اللہ رب العزت معاملات کی اہمیت سمجھنے کی اور اس کو ادا کرنے کی،اس میں صفائی کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون:(۵)

فتنۂ ارتداد

تعارف

۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۱۷؍اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: سنیچر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۫ یُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۝﴾ [المائدہ: ۵۴]

تمہید

یہ سورۂ مائدہ کی ۵۴ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اگر تم اپنے دین سے پھر جاؤں گے یعنی مرتد ہو جاؤں گے تو اللہ تعالیٰ ایک قوم لے آئے گا، آگے اس قوم و جماعت کے کچھ پسندیدہ اوصاف بھی بیان فرمائے گئے۔

اس آیت پاک میں ہمیں مرتد ہونے سے یعنی دین سے پھر جانے سے روکا گیا ہے۔

ایمان کی دولت

حق تعالیٰ نے انسانوں پر کروڑوں واحسانات فرمائیں ہیں۔ ان تمام نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت دولت ایمان ہے۔ ایمان کی دولت اتنی عظیم نعمت ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں اور دولت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ایک آدمی کے پاس دنیا کی ساری نعمتیں ہوں، عیش وعشرت کے سارے سامان

موجود ہوں، نہ کبھی بیماری ہو، نہ کبھی رزق میں تنگی ہو، مگر دولت ایمان اس کے پاس نہیں ہے تو واقعی وہ انسان بڑا بدنصیب اور نا کام ہے۔ اس کے برخلاف ایک آدمی مفلس و غریب ہو، اپاہج ہو، معذور ہو، اندھا ہو، بہرہ ہو، بستی والے بھی اس کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہوں، پہننے کو مناسب کپڑا بھی نہ ہو، مکان بھی نہ ہو، مگر ایمان کی دولت اس کے پاس موجود ہے تو وہ واقعی بامراد اور کامیاب ہے۔ مرنے کے بعد وہ ایسے انعامات کا مستحق ہونے والا ہے جن کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

معلوم ہوا ایمان کی دولت عظیم ترین دولت ہے۔ جن کے پاس ایمان کی دولت نہیں وہ واقعی خسارے میں ہیں۔ اور اس سے بڑے خسارے میں وہ ہیں جن کو اللہ نے ایمان کی دولت دے رکھی تھی اور اس کے بعد وہ مرتد ہو گئے۔

ارتداد کا مطلب

عربی لغت میں ارتداد کے معنی تھے پھر جانا اور الٹ جانا۔ شریعت کی نظر میں ارتداد دین اسلام سے پھر جانے کو کہتے ہیں اور پھرنے والے کو مرتَد کہتے ہیں۔

ارتداد کی صورتیں

ارتداد کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ارتداد کی پہلی شکل یہ ہے کہ کوئی بدنصیب صاف طور سے مذہب اسلام کو بدل کر دوسرا مذہب اختیار کر لے۔ مثلاً کافر ہو جائے، یہودی ہو جائے، عیسائی ہو جائے، قادیانی ہو جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کر دے، یا نبیوں میں سے کسی نبی کی نبوت کا انکار کرے، یا فرشتوں کا انکار کرے، یا کتابوں میں سے کسی کتاب کا انکار کر دے، یا آخرت

کے دن کا اور حشر و نشر کا انکار کر دے۔

(۲) ارتداد کی دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی شخص صاف طور سے توحید اور رسالت کا انکار نہیں کرتا، مگر اس کے کچھ اعمال و اقوال عقائد ایسے ہیں جو توحید اور رسالت کے انکار کے برابر اور قرآن اور سنت کے خلاف ہیں۔

اکثر مسلمانوں کی غلط فہمی یہ ہوتی ہے کہ اس دوسرے قسم والے کو بھی ہم مسلمان سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ مسلمان والا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دوسری قسم پہلے قسم سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اسلام کے چالاک دشمن ہیں وہ مسلمان کا روپ اختیار کر کے آستین کے سانپ کا کردار ادا کر رہے ہیں اس لیے ہمیں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

کفر سے بھی زیادہ خطرناک

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''البحر الرائق'' میں بیان کیا ہے کہ اسلام سے پھر جانا اصلی اور پیدائشی کفر سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ (البحر الرائق: ۲/ ۲۱۵، باب احکام المرتدین)

خاتمے کی چار صورتیں

ترمذی شریف کی ایک روایت ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان اور کفر کی خاتمے کے اعتبار سے چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) ایمان کے ماحول میں پیدا ہونا اور ایمان کی حالت میں مرنا۔

(۲) کفر کے ماحول میں پیدا ہونا اور کفر کی حالت میں مرنا۔

(۳) ایمان کے ماحول میں پیدا ہونا اور کفر کی حالت میں مرنا۔ یہی ارتداد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم

سب کی حفاظت فرمائیں۔

(۴) کفر کے ماحول میں پیدا ہونا اور ایمان پر مرنا۔(ترمذی: ابواب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما اخبر النبی ﷺ اصحابہ بما ھو کائن، رقم الحدیث: ۲۱۹۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے کو بھی ایمان پر مرنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہے صرف حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہی ایسی مقدس جماعت ہے جن کو ایمان پر مرنے کی گارنٹی دی گئی ہے۔ بندے نے اپنے پرنانا حضرت اقدس مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جب بھی کوئی ان کی ملاقات کے لیے جاتا تو واپسی میں حضرت اس سے کہتے بھائی! حسنِ خاتمہ کے لیے دعا کرنا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا پڑوسی

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک بنیا رہتا تھا۔اس کا انتقال ہوا تو حضرت نے اسے دیکھا کہ وہ جنت میں ٹہل رہا ہے؟ پوچھا لالہ جی! تم یہاں؟ یعنی جنت میں تو سوائے اہل ایمان کے کوئی داخل نہ ہوگا تو یہ یہاں کیسے؟ اس نے کہا مولوی جی! ہم نے مرنے سے پہلے ''ان کہی'' کہہ لی تھی یعنی کلمہ پڑھ لیا تھا۔

ایمان کے بارے میں ڈرنا

اسی وجہ سے ہر زمانہ کے ایمان والے کو اپنے ایمان کے بارے میں ڈرتے رہنا چاہیے۔نیکی اور تقویٰ میں اونچا مقام رکھنے کے باوجود اپنے ایمان پر مطمئن ہو کر نہ بیٹھے، بلکہ زندگی کے آخری لمحے تک ایمان کے سلب ہونے سے ڈرے اور اس کی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کرے۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ایمان والا ہوگا وہ اپنے ایمان کے

بارے میں ڈرتا ہوگا اور جو منافق ہوگا وہ اپنے ایمان کے بارے میں مطمئن ہوگا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا ڈرنا

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جو اللہ کے سب سے مقرب بندے ہیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہونا یقینی تھا پھر بھی وہ کفر اور ارتداد سے ڈرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ڈرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اللہ کے خلیل ہیں وہ بھی اپنے اور اپنی اولاد کے ایمان کے بارے میں بے فکر اور مطمئن نہیں تھے بلکہ انھوں نے اللہ سے دعا کی:

﴿وَّ اجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○﴾ [ابراھیم:۳۵]

مجھے اور میری اولاد کو صنم پرستی اور بت پرستی سے محفوظ فرما۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا ڈرنا

حضرت یعقوب علیہ السلام جو خود نبی ہے، ان کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام بھی نبی ہے، ان کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی نبی ہے، دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نبی اور بیٹا حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی ہے، مگر جب انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹوں کو طلب کیا اور ان سے پوچھا میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد تم کس کی عبادت کروں گے؟

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ﴾ [البقرۃ:۱۳۳]

حضرت یوسف علیہ السلام کا ڈرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ایمان کی سلامتی کے لیے اپنے رب سے دعا کی:

﴿ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾ [یوسف:۱۰۱]

پروردگار آپ مجھے موت دینا مسلمان ہونے کی حالت میں اور مجھے صالحین کے زمرے میں شامل فرما۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈرنا

سارے نبیوں کے سردار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ایمان کی سلامتی اور حفاظت کی حد درجہ فکر تھی۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سے ایسی دعائیں منقول ہیں جو ایمان کی سلامتی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

(۱) ترمذی شریف میں روایت ہے حضرت شہر بن حوشب ثقہ تھے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے پاس ہوتے تو کون سی دعا سب سے زیادہ کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ دعا زیادہ مانگا کرتے تھے:

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر مضبوطی سے جما دیجئے۔

(ترمذی: ابواب القدر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء ان القلوب بین اصبعی الرحمٰن /، رقم الحدیث: ۲۱۴۰)

(۲) ترمذی شریف کی ایک اور روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا نقل کی گئی ہے:

اللہم اعطنی ایماناً و یقیناً لیس بعدہ کفر

اے اللہ مجھے ایسا ایمان ویقین عطا فرما جس کے بعد کفر نہ ہو۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ/ رقم الحدیث: ۳۴۱۹)

(۳) ابوداود شریف کی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من الکفر والفقر اللھم انی اعوذ بک من عذاب القبر

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر سے، فقر سے اور عذاب قبر سے۔(ابوداود: کتاب الادب، باب ما یقول اذا اصبح، رقم الحدیث: ۵۰۹۰)

ان تمام دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو اپنے ایمان کی حفاظت و سلامتی کی کس قدر فکر تھی۔

ایک سوال

یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ آخر انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے ایمان کی اتنی فکر کیوں تھی جبکہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہونا یقینی تھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا اپنے ایمان کے بارے میں ڈرنا دو وجہ سے تھا۔

(۱) امت کو تعلیم دینے کے لیے۔

(۲) اپنے اہل وعیال اور امت کی فکر تھی، کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان پر یقینی نہیں۔

صحابہ کرام کا کفر وارتداد سے ڈرنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو ایمان کی فکر تھی وہی فکر آپ کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ صحابۂ کرام میں بھی تھی۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی فکر

حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ کے کاتبوں میں سے تھے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا اے حنظلہ تم! کیسے ہو؟ میں نے کہا حنظلہ تو منافق ہوگیا انھوں نے کہا سبحان اللہ! تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت ودوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں گویا کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے نکل جاتے ہیں تو ہم بیویوں اور اولاد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات میں مشغول ہوجاتے ہیں اور ہم بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! ہمارے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ پیش آتا ہے میں اور ابوبکر چلے یہاں تک کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حنظلہ تو منافق ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا وجہ ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت ودوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ آنکھوں دیکھے ہوجاتے ہیں۔ جب ہم آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور اولاد اور زمین کے معاملات وغیرہ میں مشغول ہوجانے کی وجہ سے بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ رہو جس حالت میں میرے پاس

ہوتے ہوں، ذکر میں مشغول ہوتے ہو تو فرشتے تمھارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں اور راستوں میں بھی لیکن اے حنظلہ! ایک ساعت (یاد کی) ہوتی ہے اور دوسری (غفلت کی)۔

(ترمذی: ابواب صفۃ یوم القیامۃ والرقائق والورع/رقم الحدیث: ۲۵۱۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایمانی فکر

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جنازے کے لیے بلایا گیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنازہ کے لیے تشریف لے جانے لگے تو میں نے کہا امیر المومنین! آپ بیٹھ جائیں، یعنی اس کی جنازے کی نماز نہ پڑھائیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے یعنی منافقین میں سے ہے۔ اس وقت امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں؟ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں آپ ان میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایمانی فکر

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جب کسی مرنے والے کو دیکھتے کہ وہ اچھی حالت پر مرا ہے تو فرماتے کہ موت تمھیں مبارک ہو، کاش! تمھاری جگہ میں ہوتا۔ ان کی بیوی ام درداء رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ارے بے وقوف! بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی صبح کو مؤمن ہوتا ہے اور شام کو منافق ہو جاتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں ہوتا۔ (الزھد والرقائق لابن المبارک/ص: ۸۲۰)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایمانی فکر

عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت

قریب آیا اور بیماری سخت ہوگئی تو رونے لگے۔ایک صاحب نے ان سے پوچھا کیا آپ اپنے آپ کو گنہگار پا رہے ہیں؟ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور زمین سے تھوڑی مٹی لی اور فرمایا اللہ کی قسم! میرے سارے گناہ میری نظر میں اس مٹی سے بھی زیادہ ہلکے ہیں یعنی مجھے اپنے گناہوں کا ڈر نہیں، میں تو اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ کہیں مرنے سے پہلے میرا ایمان سلب نہ کرلیا جائے۔(ظاہری و باطنی کبیرہ گناہ ص:۶۲)

دور نبوت میں ارتداد کی شکلیں

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اسی طرح قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہیں کہ دور نبوت میں مرتد ہونے والے لوگ تین طرح کے تھے۔

(۱) جنہوں نے دوبارہ بت ستی شروع کردی تھی۔

(۲) جنہوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے جھوٹے نبیوں کی پیروی شروع کردی۔

(۳) وہ لوگ جو اسلام پر تو باقی تھے مگر زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا تھا۔

قرب قیامت میں ارتداد کا سیلاب

جیسے جیسے قیامت قریب آئے گی مسلمانوں پر آزمائشیں سخت سے سخت تر ہوتی چلی جائیں گی۔نمونے کے طور پر آپ کے سامنے دو حدیث سے پیش کرتا ہوں۔

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو ایک کہنے والے نے کہا کہ کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم اس وقت بہت

ہوں گے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہو گے، اللہ تعالیٰ تمھارے دشمن کے سینوں سے تمھارا خوف نکال دے گا، اور تمھارے دلوں میں وہن ڈال دے گا تو ایک کہنے والے نے کہا: اللہ کے رسول! وہن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے۔ (ابوداود: کتاب الملاحم / باب تداعی الامم علی الاسلام / رقم الحدیث: ۴۲۹۷)

(۲) ترمذی شریف کی ایک روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ دین پر جمنا ایسا مشکل ہوگا کہ جیسے آگ کا انگارہ ہاتھ میں لینا مشکل ہوتا ہے۔

(ترمذی: ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۲۲۶۰)

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ آخری دور میں مسلمانوں پر ایسے حالات آئیں گے کہ دین کی حفاظت بہت مشکل ہو جائے گی۔ آخری دور میں آنے والے حالات اور فتنوں میں سے ایک فتنہ ارتداد کا فتنہ بھی ہے۔

(۱) مسلم شریف کی روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال صالحہ میں جلدی کرو قبل اس کے کہ وہ فتنے ظاہر ہو جائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے اور ان فتنوں کا اثر ہوگا کہ آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر بن جائے گا اور شام کو مؤمن ہوگا تو صبح کو کفر کی حالت میں اٹھے گا، نیز اپنے دین و مذہب کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کے عوض بیچ ڈالے گا۔ (مسلم: کتاب الایمان / باب المبادرۃ بالاعمال قبل تظاہر الفتن / رقم الحدیث: ۱۱۸)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ اذا جاء نصر اللہ کی تلاوت کی، پھر فرمایا کہ جس طرح لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہوئے اسی طرح فوج در

فوج لوگ اسلام سے خارج بھی ہو جائیں گے۔(دارمی:باب وفاۃ النبی ﷺ/رقم الحدیث:۹۱)

(۳) ترمذی شریف میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ میری امت کے بہت سارے خاندان مشرکین کے ساتھ لاحق نہ ہو جائیں اور بتوں کی عبادت نہ کرنے لگیں۔ پھر فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے جو نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے۔(ترمذی: ابواب الفتن عن رسول اللہ ﷺ/باب لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون/رقم الحدیث: ۲۲۱۹)

دیندار لوگ بھی ارتداد کا شکار ہو جائیں گے

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتد ہونا فقط مندروں میں گھنٹی بجانے یا بتوں کے سامنے جھکنے کا نام نہیں بلکہ نماز اور روزوں کی پابندی کے ساتھ بھی آدمی مرتد ہو سکتا ہے اس طور پر کے اسلام کے ابدی قوانین پر ہلکے سے شک سے صاحبِ ایمان ایمان سے نکل جاتا ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے درمیان ایسی جماعت پیدا ہوگی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں، اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں، اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلے میں حقیر سمجھوں گے۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سوراخ کر کے باہر نکل جاتا ہے۔(بخاری: کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم/باب من ترک قتال الخوارج للتالف وان لا ینفر

الناس عنہ/رقم الحدیث: ۲۹۳۴)

ارتداد کے واقعات

ارتداد کے متعدد واقعات ہیں۔ذیل میں چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

دورنبوت کا ایک واقعہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص پہلے عیسائی تھا۔ پھر وہ اسلام میں داخل ہوگیا تھا۔ اس نے سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھ لی تھی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشی بن گیا لیکن پھر وہ شخص مرتد ہوکر عیسائی ہوگیا اور کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے اس کے سوا انھیں اور کچھ بھی معلوم نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی موت واقع ہوگئی اور اس کے آدمیوں نے اسے دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر سے نکل کر زمین کے اوپر پڑی ہے۔ عیسائی لوگوں نے کہا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے۔ چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا اس لیے انھوں نے اس کی قبر کھودی ہے اور لاش کو باہر نکال کر پھینک دیا ہے۔ چنانچہ دوسری قبر انھوں نے کھودی جو بہت زیادہ گہری تھی۔ لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اس مرتبہ بھی انھوں نے یہی کہا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا اس لیے اس کی قبر کھود کر انھوں نے لاش باہر پھینک دی ہے۔ پھر انھوں نے قبر کھودی اور جتنی گہری ان کے بس میں تھی کر کے اسے اس کے اندر ڈال دیا، لیکن صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اب انھیں یقین آیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے (بلکہ یہ میت اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہے) چنانچہ انھوں نے اسے یونہی زمین پر ڈال دیا۔ (بخاری: کتاب المناقب/باب علامات النبوۃ فی

الاسلام/رقم الحدیث:۳۶۱۷)

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کا واقعہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''منہاج العابدین'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کا انتقال ہونے لگا تو آپ اس پاس تشریف لے گئے۔ اس کا آخری وقت تھا تو آپ نے اس کے سرہانے بیٹھ کر سورہ یاسین کی تلاوت شروع کی۔ وہ کہنے لگا استاد محترم! آپ اس کی تلاوت نہ کریں۔ چنانچہ آپ خاموش ہو گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کو کلمہ کی تلقین کی۔ اس نے کہا کہ میں اس کو بھی نہیں پڑھ سکتا۔ چنانچہ اسی حالت میں اس کا انتقال ہوا۔ حضرت فضیل بن عیاض وہاں سے اٹھ کر تشریف لائے اور غم اور صدمہ کی وجہ سے برابر چالیس دن تک روتے رہے۔ پھر خواب میں دیکھا کہ اسے گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جارہا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی معرفت کیوں سلب کرلی؟ تم تو میرے شاگردوں میں سب سے اچھے شاگرد تھے؟ اس نے کہا تین وجہ سے۔ (۱) میں بہت زیادہ چغلیاں کرتا تھا۔ (۲) میں اپنے ساتھیوں پر بہت حسد کرتا تھا۔ (۳) مجھے ایک بیماری لگ گئی تھی میں کہ حکیم کے پاس گیا اس نے مجھے علاج میں بتایا کہ تم سال میں ایک مرتبہ شراب پی لیا کرو، اگر ایسا نہیں کیا تو تمھیں یہ بیماری ہمیشہ رہے گی۔ چنانچہ میں نے اس کے کہنے پر ہی ایسا کیا تھا۔ (منہاج العابدین/ص:۲۵۸)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شیخ کا واقعہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو سواری پر بہت روتے رہے۔ آپ کے ساتھی جن کا نام شیبان راعی تھا۔ انھوں نے آپ سے

پوچھا کہ آپ اتنا کیوں رورہے ہوں؟ اگر آپ گناہوں کی وجہ سے رورہے ہیں تو آپ گناہ ہی نہ کیا کرے۔ حضرت سفیان ثوری نے جواب دیا کہ جہاں تک گناہوں کا سوال ہے تو میرے دل میں کبھی نہ چھوٹے گناہ کا خیال آیا اور نہ کبھی بڑے گناہ کا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا رونا گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ انجام کی وجہ سے ہے۔ اس لیے کہ میں نے ایک بڑے شیخ اور بزرگ کو دیکھا جن سے ہم نے علم بھی حاصل کیا تھا، لوگ ان سے برکت حاصل کرتے تھے اور ان کے وسیلے سے بارش طلبی کی دعائیں کیا کرتے تھے، لیکن جب ان کا انتقال ہوا تو شرک وکفر پر ہوا اور ان کے چہرے کو قبلہ سے پھیر دیا گیا تھا۔ اس لیے میں بری موت اور برے انجام سے ڈرتا ہوں۔ (المجالس الوعظیہ فی شرح احادیث خیر البریہ من صحیح الامام البخاری/ص: ۲۹۹)

عرب میں یہ ارتداد عام ہوگا

متعدد روایات میں ہے کہ رسول کریم نے اس بات کی پیشگوئی فرمائی ہیں کہ عرب میں ارتداد کی وبا عام ہوگی۔ میں آپ کے سامنے دو روایتیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) بخاری شریف مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ قبیلہ دوس کی عورتیں ذی الخلصہ نامی بت کا طواف نہ کرنے لگیں۔ (بخاری: کتاب الفتن/باب تغیر الزمان حتی یعبدوا الاوثان/رقم الحدیث: ۷۱۱۶۔ مسلم: کتاب الفتن واشراط الساعۃ/، باب لا تقوم الساعۃ حتی تعبد دوس ذا الخلصۃ/ رقم الحدیث: ۲۹۰۶)

(۲) ایک روایت میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ گھروں میں

مرتیاں نہ رکھی جائیں، اور سب سے پہلے تہامہ کے لوگ مرتیاں نصب کریں گے۔تہامہ مکہ مکرمہ کے آس پاس کا علاقہ ہے بلکہ مکہ مکرمہ بھی تہامہ میں داخل ہے۔

ارتداد کے اسباب

اگر سوال کیا جائے کہ اس وقت ارتداد کیوں پھیل رہا ہے؟ اس کے اسباب کیا کیا ہیں؟ یاد رہیں کہ ارتداد کے مختلف اسباب ہیں۔

(۱) مسلمانوں کو مرتد بنانے کی بھیانک سازش۔مختلف تنظیمیں جو صرف یہی کام کر رہی ہیں۔

(۲) غربت وافلاس بھی ارتداد کا ایک سبب ہے۔ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كاد الفقر ان يكون كفرا

قریب ہے کہ فقر وفاقہ کا انسان کو کافر بنادے۔(مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۲۹)

اسی لیے حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں:

كان المال فيما مضى يكره فاما اليوم فهو ترس المؤمن

پہلے کے دور میں مال جمع کرنا مکروہ سمجھا جاتا تھا۔بہر حال آج کے دور میں مؤمن کے لیے ڈھال ہے۔(مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۵۱)

(۳) ارتداد کا تیسرا سبب عصری تعلیم ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا آنکھوں دیکھا واقعہ

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ

میں بنگلور کا سفر کررہا تھا، جب میں کار میں بیٹھ کر جارہا تھا تو میں نے راستے میں پتھر دیکھا کہ وہ بیچ راستے میں پڑا ہے اور اسکول کا ایک بچہ دوسرے راستے سے گزر رہا تھا اس نے اس پتھر کو ہٹا کرالگ رکھ دیا۔ بچے کے اس کام کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی میں نے گاڑی رکوادی گاڑی سے اترا اور بچے سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے اپنا نام بتایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ بچہ مسلمان ہے۔ میں نے کہا کہ بچہ تونے بڑا اچھا کام کیا کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹادیا۔ بچے نے جو جواب دیا اس کو سن کر میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اس کا جواب تھا کہ جی ہاں ہم کو ہمارے خدا عیسو نے یہی تعلیم دی ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں سن عیسوی ۲۰۰۶ء میں سالانہ جلسہ میں تشریف لائے تھے تو آپ نے صدارتی خطاب میں بڑی عجیب بات فرمائی تھی۔ فرمایا کہ میں نے پہلی یا دوسری کلاس کی گجراتی کی کتاب ہاتھ میں لی اور جب میں نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس کا جو پہلا سبق تھا جو اشعار کا مجموعہ ہوتا ہے جن کو گجراتی میں کویتا کہا جاتا ہے تو اس کا عنوان دیکھ کر ہی میں حیران رہ گیا۔ سورج کی تصویر بنی ہے اور اس کے سامنے ایک لڑکی ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہے اور اس کویتا کا عنوان تھا کہ میں تیرے سامنے اپنے آپ کو جھکاتا ہوں۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو اس کو دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا کہ ہمارے معصوم بچوں کے ذہنوں میں کیسے ارتداد کا بیج بویا جارہا ہے۔

(۴) ارتداد کا چوتھا سبب خواہشات کی اتباع ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

مصر میں ایک مؤذن بڑی پابندی سے اذان دیتا تھا۔ایک دن اذان دینے کے لیے جب مسجد کی چھت پر چڑھا تو پڑوس میں ایک عیسائی لڑکی پر اس کی نظر پڑ گئی اور اس پر فریفتہ ہو گیا۔اذان چھوڑ کر اس لڑکی کے پاس جا پہونچا اور اس سے اپنے دل کی بات پیش کی۔لڑکی نے کہا یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہمارا اور تمھارا نکاح نہ ہو۔اس موذن نے کہا میں تم سے نکاح کرنے کو تیار ہوں۔لڑکی نے کہا کہ میرا باپ تم سے نکاح کرنے پر راضی نہیں ہوگا، اس لیے کہ تم مسلمان ہو اور میں عیسائی ہوں۔ یہ مؤذن کہنے لگا میں اپنا مذہب تبدیل کر کے عیسائیت کو اپناتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اس لڑکی کو پانے کے لیے عیسائیت کو اپنا لیا۔وہ مؤذن اسی دن شام کے وقت کسی کام سے مکان کی چھت پر چڑھا تھا اور وہاں سے گر گیا اور اسی وقت مر گیا۔(اللہ سے شرم کیجئے ؍ص: ۲۳۳)

(۵)ارتداد کا پانچواں سبب ہے کفریہ کلمات سے ناواقفیت۔آج کل بہت سی سریلوں میں جو ڈائلوگ استعمال ہوتے ہیں وہ زیادہ تر کفریہ ہوتے ہیں۔اور ہم ان کفریہ ڈائلوگ وکلمات کو استعمال کرتے ہیں۔

(٦)ارتداد کا چھٹا سبب ہے اغیار سے دوستی۔اسی لیے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر غیروں سے دلی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے۔اغیار سے معاملات کی اجازت دی مواسات اور ہمدردی کی جاسکتی ہیں خاطر مدارات کی اجازت دی، مگر موالات یعنی دوستی کی اجازت نہیں۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔غیروں کی دلی دوستی بھی انسان میں ارتداد کا بیج بوتی ہے۔

ارتداد سے حفاظت کیسے ہو؟

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب ارتداد اتنی خطرناک چیز ہے تو اس سے حفاظت کیسے کی جائے؟

(۱) پہلا کام یہ ہے کہ ایمان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

(۲) دوسرا کام نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔

(۳) تیسرا کام قرآن وحدیث کی مجالس جگہ جگہ منعقد کی جائے اوران سے اپنے رشتے کو مستحکم کیا جائے۔

(۴) چوتھا کام اپنے گھروں میں سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور صحابہ کرام کی سیرت کی کتابوں کی تعلیم کی جائے۔

(۵) جگہ جگہ مدارس ومکاتب کا جال بچھایا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون:(٦)

گناہوں کی مذمت

تعارف

٦/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

١٨/اپریل ٢٠٢١ء

بروز:اتوار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَذَرُوۡا ظَاهِرَ الۡاِثۡمِ وَبَاطِنَهٗ‌ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡسِبُوۡنَ الۡاِثۡمَ سَيُجۡزَوۡنَ بِمَا كَانُوۡا يَقۡتَرِفُوۡنَ ۝﴾ [الانعام:۱۲۰]

تمہید

یہ سورۂ انعام کی ۱۲۰ نمبر کی آیت ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی۔ ہر وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہو اگر اس کا تعلق بدن سے ہو وہ ظاہری گناہ کہلاتا ہے اور اگر اس کا تعلق دل کے اعتقاد سے ہو وہ باطنی گناہ کہلاتا ہے۔

حالات پر گناہوں کا اثر

دنیا میں پیش آنے والے حالات اور مختلف واقعات پر سب سے زیادہ مؤثر چیز اگر کوئی ہے تو وہ انسان کے اعمال ہیں۔ انسان کے اعمال اچھے ہوں یا برے ہوں، ان کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضگی سے ہے۔معلوم ہوا اعمال کی حسب نوعیت تاثیر ہے۔سادہ لوح پیش آمدہ واقعات کو صرف طبعی اور ظاہری اسباب سے جوڑتے ہیں اور اسی کی روشنی میں اس سے بچاؤ کی تدبیر تلاش کرتے ہیں۔شرعی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ پیش آمدہ واقعات کا تعلق ہمارے اعمال سے ہے۔تجربہ بھی اس پر شاہد ہے اور تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات ہمیں یہ دستک دیتے ہیں کہ ان پر جو کچھ ہوا اعمال بد کا نتیجہ ہے۔

یہی اعمال بد کو گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

گناہ کے لیے استعمال ہونے والے مختلف الفاظ کی تشریح

گناہ کے لیے عربی زبان میں مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

(۱) اثم: وہ گناہ جو بالقصد ہو یعنی اپنے ارادہ سے ہو۔

(۲) ذنب: حکم الٰہی کو پورا کرنے میں کوتاہی ہو جانا۔

(۳) سیئۃ: حکم الٰہی کے خلاف غلطی کرنا مگر غلطی اتنی شدید نہ ہو کہ اس پر وعید مرتب ہو۔

(۴) معصیت: ایسا کوئی کام کرنا کہ اس پر وعید وارد ہوئی ہو۔

(۵) خطا: وہ غلطی ہے جو بلا قصد ہو جائے۔

گناہوں کی تقسیم

اس سلسلہ میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) بعض علما کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جلالت شان پر نظر کرتے ہوئے ہر گناہ کبیرہ ہے، کوئی گناہ صغیرہ نہیں۔ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ کبیرہ وصغیرہ کا فرق گناہوں کے باہمی مقابلے اور موازنے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

(۲) رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لا صغيرة مع الاصرار و لا كبيرة مع الاستغفار

یعنی گناہ پر اصرار کے ہوتے ہوئے وہ گناہ صغیرہ نہیں اور استغفار کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔

(۳) بعض علما کی رائے ہے کہ گناہ ہے تو دو طرح کے مگر یہ نہ بتلایا جائے کہ کون سے گناہ صغیرہ

ہیں اورکون سے کبیرہ ہیں تا کہ لوگ صغیرہ کو ہلکا سمجھ کر کرنے نہ لگے۔

(۴) اکثر علما نے گناہ کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ایک صغیرہ اوردوسرا کبیـــرہ۔(مراۃ الانوار:
۳/۴)

صغیرہ اور کبیرہ کی تعریف

صغیرہ اور کبیرہ گناہ کی تعریف میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) وہ گناہ جس پر شریعت نے لعنت اور وعید کے الفاظ استعمال کیے ہیں وہ کبیرہ ہیں ان کے علاوہ باقی صغیرہ ہیں۔

(۲) جن گناہوں پر لعنت اور وعید کے ساتھ جہنم کا تذکرہ بھی ہے وہ کبیرہ ہیں ان کے علاوہ باقی صغیرہ ہیں۔

(۳) جن گناہوں پر شریعت نے حد مقرر کی ہے وہ کبیرہ ہیں ان کے علاوہ باقی صغیرہ ہیں۔

(۴) جن گناہوں سے صراحتاً روکا گیا وہ کبیرہ ہیں ان کے علاوہ باقی صغیرہ ہیں۔

(۵) گناہوں کا کبیرہ وصغیرہ ہونا نسبت کے اعتبار سے ہے۔جیسے کسی اجنبیہ کے ساتھ بیٹھنا اس کو دیکھنے کے مقابلے میں کبیرہ ہے مگر زنا کے مقابلے میں صغیرہ ہے۔

(۶) گناہوں کا کبیرہ وصغیرہ ہونا لوگوں کے اعتبار سے ہے۔بڑوں کی چھوٹی غلطی بھی بڑی مانی جاتی ہے اور چھوٹوں کی بڑی غلطی کو بھی کبھی کبھار نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

(۷) گناہوں کا کبیرہ وصغیرہ ہونا احوال کے اعتبار سے ہے۔یعنی اتفاقاً گناہ کر لینا صغیرہ اور ارادتاً کرنا کبیرہ ہے۔

(۸) گناہوں کا کبیرہ وصغیرہ ہونا مفعول کے اعتبار سے ہے یعنی کسی جاہل وفاسق کی توہین

صغیرہ ہے مگر نیک لوگوں کی توہین کبیرہ ہے۔(مرأۃ الانوار:۳/ ۵،۶)

کبیرہ گناہوں کی تعداد

جب کبیرہ اور صغیرہ کی تعریف میں اختلاف ہے تو ظاہر ہے کہ ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہوگا۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد سات ہیں۔

(۲) رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بیان کی تو فرمایا سات نہیں بلکہ سات سو ہیں۔

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد ستر ہیں۔

(۴) حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزواجر لکھی ہے اس میں کبیرہ گناہوں کی تعداد چار سو سڑسٹھ بتلائی ہیں۔(مرأۃ الانوار:۳/ ۶،۷)

گناہوں کی عجیب تقسیم

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبیرہ گناہوں کی روایات کو جمع کیا تو ان کی تعداد سترہ ہوئی۔ چار کا تعلق قلب سے، چار کا تعلق زبان سے، تین کا تعلق پیٹ سے، دو کا تعلق شرمگاہ سے، دو کا تعلق ہاتھ سے، ایک کا تعلق پیر سے اور ایک کا تعلق جمیع بدن سے ہے۔ جن چار کا تعلق قلب سے ہے وہ یہ ہیں۔ شرک کرنا، نافرمانی پر اصرار کرنا، رحمت خداوندی سے ناامیدی اور عذاب الٰہی سے بے خوفی۔ جن چار کا تعلق زبان سے ہے وہ یہ ہیں۔ جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، تہمت لگانا اور جادو کے کلمات کہنا۔ جن تین کا تعلق پیٹ

سے ہے وہ یہ ہیں۔ سود کھانا، یتیم کا مال کھانا اور شراب پینا۔ جن دو کا تعلق شرمگاہ سے ہے وہ یہ ہیں۔ زنا اور لواطت۔ جن دو کا تعلق ہاتھ سے ہے وہ یہ ہیں۔ چوری کرنا اور کسی کو قتل کرنا۔ جس ایک کا تعلق پیر سے ہے وہ ہے میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا۔ جس ایک کا تعلق جمیع بدن سے ہے وہ ہے والدین کی نافرمانی کرنا۔ (مرأۃ الانوار: ۳/۷)

گناہوں کی قسمیں

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے گناہوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) جو بغیر توبہ کے معاف نہ ہو۔ وہ شرک ہے۔

(۲) وہ گناہ جو مختلف نیکیوں کے ذریعے ختم ہو جائیں۔ وہ صغیرہ گناہ ہیں۔

(۳) وہ گناہ جو توبہ کے ذریعے معاف ہوں اور بغیر توبہ کے معاف ہونا اللہ کی مشیت پر موقوف ہو۔ وہ حقوق اللہ کے کبیرہ گناہ ہیں۔

(۴) وہ گناہ جن کے لیے توبہ ضروری ہو اور حق تعالیٰ کا معاف کرنا بندے کے معاف کرنے پر موقوف ہو۔ وہ حقوق العباد کے کبیرہ گناہ ہیں۔

اب اس کی تین صورتیں ہیں دنیا میں تین صورتیں ہیں آخرت میں۔ دنیا میں تین صورتیں یہ ہیں کہ یا تو اس سے معاف کروائے یا وہی چیز اس کو لوٹا دے یا اس کا بدل اس کو لوٹائے۔ آخرت میں تین صورتیں یہ ہیں کہ یا تو ظالم کا ثواب مظلوم کو مل جائے یا مظلوم کے گناہ ظالم کے سر ڈال دیے جائیں یا حق تعالیٰ مظلوم کو بدلہ اپنی طرف سے دے اور ظالم کو معاف کر دے۔ (مرأۃ الانوار: ۳/۷، ۸)

گناہوں کی سزائیں

علما نے گناہوں کی مختلف سزائیں بیان کی ہیں۔

(۱) نکیر: نکیر کا مطلب یہ ہے کہ بندہ مختلف حالتوں اور پریشانیوں سے دو چار ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سورۂ رعد میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ○﴾ [الرعد:۱۱]

اللہ رب العزت کسی قوم کو نہیں بدلتے جب تک وہ اپنے آپ کو نہ بدلے اور جب اللہ رب العزت کسی قوم کے ساتھ برا ارادہ فرما دیں تو اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

سورۂ روم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ○﴾ [الروم:۴۱]

کہ خشکی اور تری میں جو کچھ بھی فتنہ اور فساد رونما ہوتا ہے وہ لوگوں کے اعمال کے سبب ہوتا ہے۔

سورۂ شوریٰ میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ○﴾ [الشوری:۳۰]

کہ تم پر جو کچھ مصیبتیں آتی ہیں وہ تمھارے ہاتھوں کے سبب ہوا کرتی ہیں۔

(۲) تدبیر: تدبیر کا مطلب ہے بندہ جیسا معاملہ کرتا ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کیا جاتا

ہے۔

سبق آموز واقعہ

کتابوں میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ مصر کے بادشاہ احمد ابن طولون کو اپنے حوض کے قریب ایک بچہ پڑا ہوا ملا۔ اس نے بچے کو اٹھا لیا وہ بچہ احمد یتیم کے نام سے مشہور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو ذہانت وفطانت اور ظاہری و باطنی مختلف خوبیوں سے نوازا تھا۔ جب احمد بن طولون کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے ابوالجیش کو بلا کر یتیم بچہ اس کے سپرد کیا۔ اب یہ یتیم بچہ بڑا ہو چکا تھا ابوالجیش نے ایک مرتبہ اس کو بلایا اور کہا کہ میں تمھیں اپنے یہاں کوئی منصب سپرد کرنا چاہتا ہوں، لیکن میری عادت یہ ہے کہ جب میں کسی کو کوئی ذمے داری دیتا ہوں تو پہلے اس سے عہد و پیمان لیتا ہوں کہ وہ مجھ سے کسی طرح کی کوئی خیانت نہیں کرے گا۔ احمد یتیم نے وعدہ کر لیا تو ابوالجیش نے احمد یتیم کو اپنے مال واسباب کا نگران اور تمام حشم وخدم کا امیر مقرر کر دیا۔ احمد یتیم اپنی ذمے داری کو بحسن وخوبی نبھانے لگا اور بہت جلد بادشاہ کا قابل اعتماد بن گیا تھا۔

ایک دن ابوالجیش نے احمد یتیم کو بلایا اور کہا میری فلاں باندی کے کمرے میں جاؤ اور وہاں میرے بیٹھنے کی جگہ ایک موتی رکھا ہے اس کو لے آؤ۔ احمد یتیم جب وہاں پہونچا تو اس نے بادشاہ کی باندی کو ایک خادم کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پایا۔ خادم تو فورا بھاگ گیا مگر وہ باندی احمد یتیم کے پاس آ کر اس سے بھی پیش کش کرنے لگی۔ احمد یتیم نے جواب دیا خدا کی قسم! میں اپنے امیر اور محسن کے ساتھ خیانت نہیں کر سکتا۔ احمد یتیم نے وہ موتی لا کر چپ چاپ لا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا مگر وہ باندی خوفزدہ ہو گئی کہ کہیں احمد یتیم بادشاہ سے

اس کی شکایت نہ کردے۔اس لیے وہ باندی خود ہی بادشاہ کے پاس آئی اور روتے ہوئے عرض کیا کہ احمد یتیم نے میری عزت سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔ باندی کی یہ بات سن کر بادشاہ غصہ ہوگیا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد بادشاہ نے اپنے ایک خاص قابل اعتماد خادم کو بلایا اور کہا کہ میں تمھارے پاس ایک شخص کو سونے کا طشت لے کر بھیجوں گا۔ جب وہ تم سے آ کر کہے کہ اس طشت کو مشک سے بھر دو تو تم اس کے سر کو کاٹ کر طشت میں ڈھانپ کر میرے پاس بھیج دینا۔ پھر بادشاہ نے احمد یتیم کو بلایا اور اس سے کہا فلاں خادم کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس طشت کو مشک سے بھر دے۔

احمد یتیم ان ساری باتوں سے بے خبر اور انجان طشت لے کر چلنے لگا۔ راستہ میں اسی باندی سے ملاقات ہوئی۔ باندی یہ چاہتی تھی کہ بادشاہ احمد یتیم کو مجھ سے بات کرتا ہوا دیکھ لیں تا کہ میری بات پر بادشاہ کو مزید یقین آ جائے۔اس لیے وہ باندی احمد یتیم کو اپنی باتوں میں الجھانے لگی۔ باندی نے احمد یتیم سے کہا کہ آپ بادشاہ کا جو خط لے کر جا رہے ہو میں دوسرے کے ساتھ بھجوا دیتی ہوں۔اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو وہی خادم دیکھا جس کے ساتھ یہ باندی قابل اعتراض حالت میں پائی گئی تھی۔ احمد یتیم نے اس خادم کو طشت دیا اور کہا کہ فلاں خادم کے پاس لے جاؤ اور کہو کے بادشاہ نے اس طشت کو مشک سے بھرنے کا حکم دیا ہے۔ جب اس خادم نے جا کر اس سے یہ بات کہی تو اس خادم نے اس کے سر کو قلم کیا اور اس کو طشت میں رکھ کر ڈھانپ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔

راستہ میں جب احمد یتیم نے دیکھا تو احمد یتیم نے وہ طشت اس کے پاس سے لیا اور

بادشاہ کو پہنچادیا۔بادشاہ نے جب احمد یتیم کو طشت لیے ہوئے زندہ دیکھا تو حیران رہ گیا۔کبھی احمد یتیم کو دیکھتا تو کبھی طشت کو دیکھتا۔احمد یتیم نے جب وہ طشت بادشاہ کے سامنے رکھا اور بادشاہ نے اس پر سے کپڑا اہٹایا تو اندر اس خادم کے سر کو دیکھ کر بادشاہ کے ساتھ ساتھ احمد یتیم بھی گم سم ہو گیا۔وہ بھی کبھی طشت اور کبھی بادشاہ کو دیکھتا رہا۔دونوں ایک دوسرے کو پوچھنے لگے یہ کیا ہے؟ بالآخر احمد یتیم نے بادشاہ کے پاس سے طشت لے کر جانے اور واپس آنے تک کی ساری کارگزاری سنائی اور اس کے علاوہ باقی کسی بات سے لاعلمی کا اظہار کیا۔بادشاہ نے احمد یتیم سے کہا تم اس مقتول کے بارے میں کوئی ایسی بات جانتے ہو جس کی وجہ سے یہ اس انجام تک پہونچا ہے؟ مجبوراً احمد یتیم نے بادشاہ کو پورا قصہ سنایا اور کہا کہ میں نے اس کی پردہ پوشی کی تھی۔یہ سن کر بادشاہ نے باندی کو بلایا اور اس سے تفتیش کی تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔بالآخر وہ باندی بھی قتل کر دی گئی۔اس واقعے کے بعد احمد یتیم بادشاہ کی نگاہ میں اور بھی قابل عزت بن گیا اور بادشاہ نے اس کو تمام امور کی زمام سپرد کر دی۔(کتابوں کی درس گاہ میں رص ۱۱۸ تا ۱۲۱)

اس واقعے سے سبق ملتا ہے کہ جو جیسا کام کرتا ہے ویسا بدلہ اس کو ضرور ملتا ہے۔

(۳) تاخیر: تاخیر کا مطلب ہے حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو مہلت دی جاتی ہے۔

گناہوں پر گواہ

علمانے یہ نکتہ بیان کیا ہیں کہ وہ گناہوں پر آٹھ طرح کے گواہ قائم ہوتے ہیں۔اور یہ تمام گواہ نصوص سے ثابت ہیں۔

(۱) زمان: ﴿وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝﴾ [البروج:۳]

قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس لوگ حاضر ہوں گے۔

آیت مذکورہ میں شاہد و مشہود کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ اس میں ایک قول یہ ہے کہ شاہد سے مراد دن ورات اور مشہود سے مراد انسان کے اعمال ہیں۔

(۲) مکان: ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝﴾ [زلزال:۴]

جس دن زمین اپنے خبریں اور احوال بیان کرے گی۔

(۳) لسان: ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ﴾ [النور:۲۴]

جس دن ان کی زبانیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔

(۴) ارکان: ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ [یس:۶۵]

آج کے دن ہم انسان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کمائی کرتے تھے۔

(۵) ملکان: وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

[انفطار:۱۰،۱۱،۱۲]

حالانکہ تم پر کچھ نگران مقرر ہیں، وہ معزز لکھنے والے ہیں، جو تمھارے سارے کاموں کو جانتے ہیں۔

(۶) دیوان: ﴿يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝﴾ [الکهف:

۴۹]

ہائے ہماری ہلاکت! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کیا ہو، اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمھارا رب کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

(۷) نبی الانس والجان: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ [النساء: ۴۱]

پھر یہ لوگ سوچ لیں کہ اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔

اس آیت کے ضمن میں شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ تمام انبیائے کرام قیامت کے دن اپنی امت کے اچھے برے اعمال کی گواہی دیں گے۔

(۸) رحمٰن: ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [یونس: ۶۱]

اور تمھارے رب سے کوئی چیز مخفی نہیں ذرہ کے برابر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں، نہ چھوٹی اور نہ بڑی مگر وہ سب ایک واضح کتاب میں ہے۔

گناہوں کی برائیاں

محقق علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''بحر الدموع'' میں یہ بات بیان کی ہے کہ ایک گناہ کے پیچھے دس برائیاں ہوتی ہیں۔

(۱) بندے نے گناہ کر کے رب العالمین کی نافرمانی کی۔

(۲) گناہ کر کے رب العالمین کو ناراض کیا۔

(۳) گناہ کر کے شیطان کو خوش کیا۔

(۴) گناہ کے نتیجے میں جنت سے دور ہوتا ہے۔

(۵) گناہ کے نتیجے میں جہنم سے قریب ہوتا ہے۔

(۶) اپنی روح کو تکلیف پہونچاتا ہے۔

(۷) اپنے ساتھ لگے ہوئے فرشتوں کو تکلیف پہونچاتا ہے۔

(۸) پیارے آقا جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی قبر اطہر میں تکلیف پہونچاتا ہے۔

(۹) اپنے باطن کو نجس اور ناپاک کرتا ہے۔

(۰) اپنے خلاف مختلف چیزوں کو گواہ بناتا ہے۔ (آنسوؤں کا سمندر رص:۵۷)

گناہوں کے نقصانات

گناہوں کے نتیجے میں مختلف قسم کے نقصانات بندے کو اور پورے معاشرے کو اٹھانے پڑتے ہیں۔

(۱) بندہ اللہ تعالیٰ کا احسان فراموش بن جاتا ہے۔

(۲) بارش کا بند ہو جانا۔ متعدد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے کہ گناہوں کی وجہ سے حق تعالیٰ بارش کو روک لیتے ہیں اگر بے زبان جانور اور چوپائے نہ ہو تو ایک قطرہ بارش نہ برسے۔ (ابن ماجہ: کتاب الفتن رباب العقوبات رقم الحدیث: ۴۰۱۹)

(۳) مختلف بیماریوں کا آنا۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی قوم میں کھلی

بے حیائی اور بدکاری عام ہوگی تو ان میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو پہلے کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔(الترغیب والترھیب)

(۴)دل کا سیاہ ہونا۔

(۵)عقل کا خراب ہونا۔

عجیب واقعہ

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے بیانات اصلاحی خطبات میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار سے کلام کرنے کے لیے کوہ طور پر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ابلیس ملعون سے ملاقات ہوئی۔ وہ پوچھنے لگا کہ اللہ کے نبی! کہاں جا رہے ہوں؟ آپ نے جواب دیا اپنے پروردگار سے کلام کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ ابلیس کہنے لگا میرے رب سے کہنا کہ میری توبہ کی کوئی شکل ہے؟ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کلام کر کے فارغ ہوئے تو ابلیس کا واقعہ یاد نہ رہا۔ حق تعالیٰ نے خود یاد دلایا اور پوچھا اے موسیٰ! کوئی ملا تھا تمھیں؟ اس نے کوئی پیغام دیا تھا تمھیں؟ عرض کیا پروردگار! جی ہاں بدنام زمانہ ابلیس ملا تھا اور اس نے کہا تھا اپنے پروردگار سے پوچھنا کہ میری توبہ اور معافی کی کیا شکل ہے؟ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس سے کہو کہ جا کر حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے ہم اسے معاف کر دیں گے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس لوٹے تو وہ پھر ملا اور پوچھا اے موسیٰ! میرا پیغام پہنچایا تھا؟ وہاں سے کیا جواب ملا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے لیے تو راستہ معافی کا آسان ہو چکا ہے کہ اب جا کر حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کر لے۔ تو وہ کہنے لگا جب زندہ تھے تو سجدہ نہیں

کیا مرنے کے بعد قبر کو میں کیا سجدہ کروں گا؟ معلوم ہوا کہ گناہوں کی وجہ سے عقل میں فساد اور بگاڑ ہوتا ہے۔ (اصلاحی خطبات: ۱۹۱/۹)

(٦) قبر میں عذاب۔

عبرتناک واقعہ

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے ایک شخص کی بہن کا انتقال ہوا۔ اتفاق سے تدفین کے وقت اس شخص کی ایک تھیلی جو دینار سے بھری ہوئی تھی قبر میں رہ گئی۔ چنانچہ اس شخص نے قبر کھولی تو دیکھا پوری قبر آگ کے شعلوں سے بھری ہوئی ہے۔ گھبرا کر گھر آیا اور جا کر اپنی والدہ سے پوچھا کہ میری بہن کی عملی زندگی کیسی تھی! میں نے اس کی قبر کو آگ کے شعلوں سے بھرا ہوا دیکھا ہے۔ والدہ نے بتایا کہ ایک تو نماز میں سستی کیا کرتی تھی یعنی وقت سے ٹال دیتی تھی اور دوسرا یہ کہ جب رات کو پڑوسی اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تو یہ اٹھ کر ان کے دروازوں پر کان لگا کر ان کی راز کی باتیں سنا کرتی تھی۔ (اللہ سے شرم کیجیے/ص: ۳۰۴، ۳۰۵)

(۷) معاشرے میں فساد کا ہونا۔

چغلخوری کا انجام بد

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص بازار میں غلام خریدنے کے لیے گیا۔ اس نے ایک غلام دیکھا جو اسے پسند آیا۔ بیچنے والے سے پوچھا کہ غلام میں کوئی عیب تو نہیں؟ اس نے جواب دیا ویسے اس میں کوئی عیب نہیں ہے، البتہ اس میں چغلی کی عادت ہے۔ خریدنے والا راضی ہو گیا اور غلام خرید کر اس کو لے آیا۔ ابھی کچھ ہی

دن گزر رہے تھے کہ غلام کی چغل خوری کی عادت نے یہ گل کھلایا کہ اس نے اس شخص کی بیوی سے جا کر تنہائی میں کہا کہ تمھارا شوہر تمھیں پسند نہیں کرتا اور اب اس کا ارادہ باندی رکھنے کا ہے۔لہذا جب رات کو سونے کے لیے آئے تو استرے سے کچھ بال کاٹ کر مجھے دے دینا تاکہ میں اس پر کوئی سحر کا عمل کروں جس کی وجہ سے تم دونوں میں دوبارہ محبت کا نظام قائم ہو جائے۔ بیوی اس پر تیار ہوگئی اور اس نے اس استرے کا انتظام کرلیا۔دوسری طرف غلام نے آقا کے پاس جا کر کان بھرے اور کہا تمھاری بیوی نے کسی پرائے مرد سے تعلقات قائم کر لیے ہے۔اب تمھیں راستے سے ہٹانا چاہتی ہے اس لیے اس سے ہوشیار رہنا۔رات کو جب وہ بیوی کے پاس گیا تو اس نے استرے کو موجود پایا۔سمجھ گیا کہ غلام نے جو خبر دی تھی بالکل سچی ہے۔اس لیے اس نے بیوی استرے سے اس کے بال کاٹے اس سے پہلے ہی استرا لے کر اس کا کام تمام کردیا۔ جب بیوی کے گھر والوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو نے آکر شوہر کو قتل کردیا اس طرح اچھے خاصے خاندانوں میں چغل خوری کی وجہ سے خون ریزی کی نوبت آگئی۔

(احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۲۴۸، ۲۴۹)

(۸) ایمان سے محرومی۔

ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا

مصر میں ایک شخص مسجد کے برابر میں رہتا تھا اور پابندی سے اذان دیتا اور جماعت میں شرکت کرتا تھا۔اس کے چہرے پر عبادت اور اطاعت کی رونق بھی تھی۔اتفاق سے ایک دن وہ اذان دینے کے لیے مسجد کے مینار پر چڑھا تو قریب میں ایک عیسائی شخص کی خوبصورت لڑکی پر نظر پڑی جس کو دیکھتے ہی وہ دل وجان سے فریفتہ ہوگیا۔اذان چھوڑ کر وہیں سے

سیدھے اس کے مکان میں پہونچا۔لڑکی نے اس کو دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ میرے گھر میں کیوں آیا؟اس نے جواب دیا میں تجھے اپنا بنانے کے لیے آیا ہوں۔اس لیے کہ تیرے حسن و جمال پر فریفتہ ہو چکا ہوں۔لڑکی نے کہا کہ میں نے کوئی تہمت والا کام نہیں کیا ہے۔اس آدمی نے پیشکش کی کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔لڑکی نے کہا کہ تو مسلمان ہے اور میں عیسائی ہوں، میرا باپ اس رشتے پر راضی نہ ہوگا۔اس آدمی نے کہا میں خود ہی عیسائی بن جاتا ہوں۔ چنانچہ اس لڑکی کو پانے کے لیے عیسائی مذہب کو قبول کرلیا۔ابھی وہ دن پورا نہیں ہوا تھا کہ یہ شخص گھر میں رہتے ہوئے کسی کام سے چھت پر چڑھا اور وہاں سے گر پڑا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔دین بھی گیا اور لڑکی بھی ہاتھ نہ آئی۔(اللہ سے شرم کیجئے/ص:۲۳۵)

پانچ برائیوں کی سزا

ایک حدیث پاک میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

(۱) جس قوم میں خیانت کی بیماری پھیلتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں غیروں کے رعب کو داخل فرماتے ہیں۔

(۲) جس قوم میں زنا کی کثرت ہوتی ہے وہاں موت کی بھی کثرت ہونے لگتی ہے۔

(۳) جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہیں وہاں سے رزق میں برکت اٹھالی جاتی ہے۔

(۴) جو قوم ناحق پر فیصلہ کرتی ہیں وہاں فتنہ اور فساد خون ریزی اور قتل وغارت گیری عام ہونے لگتی ہے۔

(۵) اور جو کوئی قوم عہد و پیمان کو توڑنے لگتی ہیں اللہ تعالی اس پر دشمنوں کو مسلط فرمادیتے ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح/ص:۴۵۹)

چار چیزیں گناہوں سے بھی خطرناک

حضرت پیر مولانا ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم کے بیانات میں عجیب بات بیان کی ہے فرمایا کہ چار چیزیں گناہوں سے بھی خطرناک ہیں۔

(۱) گناہ کر کے خوش ہونا۔

(۲) گناہوں کو ہلکا سمجھنا۔

(۳) گناہوں پر اصرار کرنا۔

(۴) گناہوں پر فخر کرنا۔ (خطبات فقیر: ۱۲/ ۱۳۲)

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے گناہ اور برے اعمال کے مضر اور منفی اثرات معاشرے پر پڑتے ہیں اور پورے معاشرے کو اس کا تاوان بھگتنا پڑتا ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں سے بچنا چاہیے۔ حق تعالیٰ ہمیں بچنے کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائیں (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون:(۷)

تعظیم نبوی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تعارف

۷/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۱۹/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: پیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَنَصَرُوۡہُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ﴾

[الاعراف:۱۵۷]

تمہید

یہ سورۂ اعراف کی ۱۵۷ نمبر کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔اس ٹکڑے میں فلاح اور کامیابی کی چار شرطوں کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم بجالانا۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد کرنا۔

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترے ہوئے قرآن کریم کی اتباع کرنا۔

لفظ عَزَّرُوْہُ کے معنیٰ

تعظیم و تکریم کے لیے اس جگہ لفظ عَزَّرُوْہُ لایا گیا ہے، جو تعزیر سے مشتق ہے۔ تعزیر کے اصلی معنی شفقت کے ساتھ منع کرنے، حفاظت کرنے کے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عَزَّرُوْہُ کے معنی تعظیم و تکریم کرنے کے بتلائے ہیں۔ مبرد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اعلیٰ درجہ کی تعظیم کو تعزیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن: ۸۶/۴)

بہر حال! آیت پاک میں ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی تعظیم کا حکم دیا گیا

ہے۔حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کی چند صورتیں ہیں۔

تعظیم نبوی کی پہلی صورت

حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کی پہلی صورت ہے حضور اقدس ﷺ کے سامنے اپنی آواز پست رکھنا۔اس کے دو واقعے آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔آپ کے پاس بنی تمیم کے کچھ لوگ آئے،حضور ﷺ ان میں سے کسی شخص کو ان کا امیر مقرر کرنا چاہتے تھے۔اس سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع ابن معبد رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا۔دوسری طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ کے حق میں رائے دی۔اس ضمن میں دونوں حضرات کا آپس میں تکرار ہو گیا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر!تم ہمیشہ میری رائے کی مخالفت کرتے ہو،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے بالکل ٹھیک رائے دی ہے۔اس تکرار میں دونوں حضرات کی آوازیں بھی بلند ہو گئیں۔پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِيِّ﴾

[الحجرات:۲]

اے ایمان والو!اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔دونوں حضرات اپنی اس حرکت پر سخت نادم ہوئے اور پھر اس کے بعد حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں کبھی اونچی آواز سے بات نہیں کی،بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی آوازوں کو پست رکھا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

بات کو سمجھنے کے لیے ان سے بار بار پوچھنا پڑتا تھا۔ آپ اس قدر محتاط ہو گئے کہ اونچا بولنے سے کہیں اعمال ہی ضائع نہ ہو جائیں۔ (بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ الحجرات، بـاب لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی/رقم الحدیث: ۴۸۴۵)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنی آواز کی بلندی کے ڈر سے گھر میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں میری آواز بلند ہو گئی تو مجھے ڈر ہے کہ میرے اعمال ہی ضائع نہ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ثابت نظر نہیں آرہا ہے، کیا وہ بیمار ہو گیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا، حضور! وہ تو میرا پڑوسی ہے مگر مجھے اس کی بیماری کی کوئی خبر نہیں۔ پھر جب گھر جا کر آپ کا پتہ کیا تو انھوں نے یہ عذر پیش کیا کہ میری آواز قدرتی طور پر بلند ہے اور مجھے اپنے منافق ہونے کا خطرہ ہے، لہٰذا میں اعمال کے ضیاع کے ڈر سے گھر میں بیٹھ گیا ہوں۔ آپ کو اس بات کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ اس نے آیت کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھا، اس کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے اور وہ تو جنتی ہے۔ پھر جب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے قیس کے بیٹے! کیا تمھیں یہ چیز پسند نہیں کہ تمھاری زندگی پسندیدہ گزرے اور تم شہادت کی موت پاؤ؟ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا۔ آپ کی زندگی تو پسندیدہ ہی تھی کیونکہ آپ کا رجوع ہمیشہ نیکی کی طرف رہتا تھا۔ پھر آپ کی شہادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں یرموک کی لڑائی میں ہوئی۔ (بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ الحجرات/باب لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی/رقم الحدیث: ۴۸۴۶)

تعظیم نبوی کی دوسری صورت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی دوسری صورت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے وقت ادب واحترام کا خیال رکھا جائے۔

دیہاتیوں کی ناشائستہ حرکت

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہ ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ یہ دوپہر کے وقت مدینہ میں پہنچے جبکہ آپ کسی حجرے میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ اعراب آداب معاشرت سے ناواقف تھے۔انھوں نے حجرات کے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا:

اخرج الینا یا محمد

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾

[الحجرات:۴]

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے وقت پکارنے کی ممانعت کا اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔(معارف القرآن:۸/ ۱۰۲، ۱۰۳)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان میں تشریف فرما ہوتے تو صحابۂ کرام باہر سے آواز دے کر بلانے کو بے ادبی سمجھتے تھے، دروازے پر صرف ناخنوں سے دستک دیا کرتے تھے۔

تعظیم نبوی کی تیسری صورت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم کی تیسری صورت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنی نظر کو پست رکھا جائے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم سے زیادہ محبوب میری نظر میں کوئی نہ تھا۔ میرا حال یہ تھا کہ میں آپ کی طرف نظر بھر کر کبھی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ دریافت کرے تو میں بیان کرنے پر قادر نہیں، اس لیے کہ میں نے آپ کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں۔ (مسلم: کتاب الایمان / باب کون الاسلام یھدم ماقبلہ / رقم الحدیث: ۱۲۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس کا حال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس کا نقشہ بیان کرتے ہیں کہ جب آقا مہاجرین وانصار کی مجلس میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی آپ کی جانب نظر اٹھا کر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ یہ دونوں حضرات دیکھتے تو آپ مسکرا دیتے۔

حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کلام فرماتے تو ایسا لگتا گویا صحابۂ کرام کے سروں پر پرندے ہوں۔ (نسائی: کتاب الجنائز / الوقوف للجنائز / رقم الحدیث: ۲۰۰۱)

عروہ بن مسعود ثقفی کا تبصرہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی بات چیت کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آئے تھے۔ جب یہاں سے اٹھ کر اپنی قوم میں گئے تو انہوں نے قوم کو یہ تبصرہ پیش کیا تھا۔

اے ابنائے قریش! میں نے نجاشی کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر و کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ لیکن عقیدت و احترام اور ادب کا جو منظر اس وقت دیکھ کر آ رہا ہوں وہ کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جب گفتگو کرتے ہیں تو سارے مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور سب ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے چہرے کو نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیا جاتا۔ سارا مجمع اسے اپنے چہرے اور سینے پر ملنے کے لیے ٹوٹ پڑتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تو لعاب دہن بھی زمین پر گرنے سے پہلے عقیدت مند اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اصحاب میدان چھوڑ کر بھاگنے والے نہیں۔ اب تم جو مناسب سمجھو وہ کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰/ ۴۰۰، رقم الحدیث: ۳۷۹۹۴)

حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا کا حال

حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں وہ کہتی ہے میں نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ (حقوق مصطفیٰ /ص:۱۵۹)

تعظیم نبوی کی چوتھی صورت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم کی چوتھی صورت ہے کہ آپ سے آگے نہ بڑھا جائے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو یہی حکم دے رہے ہیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝﴾ [الحجرات: ۱]

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اور قریش کے پاس روانگی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ انہیں بتلادو کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں۔ عمرہ کرنے آئے ہیں۔ انھیں اسلام کی دعوت بھی دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ مکہ میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انھیں فتح کی بشارت سنادیں۔ اور یہ بتلادیں کہ اللہ عزوجل اب اپنے دین کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے۔ یہاں تک کہ ایمان کی وجہ سے کسی کو یہاں روپوش ہونے کی ضرورت نہ ہوگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لے کر روانہ ہوئے۔ جب وہ قریش کے پاس سے گذرے تو انھوں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اور یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ قریش نے کہا کہ ہم نے آپ کی بات سن لی۔ آپ اپنے کام پر جائیے۔ ادھر سعید بن عاص نے اُٹھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مرحبا کہا۔ اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپ کو سوار کیا۔ اور ساتھ بٹھا کر اپنی پناہ میں مکہ لے گیا، وہاں جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سربراہان قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام سنایا۔ اس سے فارغ ہو چکے تو قریش نے پیشکش کی کہ آپ بیت اللہ کا طواف کرلیں۔ مگر آپ نے یہ پیش کش مسترد کردی اور یہ گوارا نہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طواف کرنے سے

پہلے خود طواف کر لیں۔(مسند احمد: اول مسند الکوفیین/حدیث المسور بن مخرمۃ الـزہری و مروان بن الحکم/رقم الحدیث: ۱۸۹۱۰)

تعظیم نبوی کی پانچویں صورت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی پانچویں صورت ہے کہ آپ کے نام کی عظمت و احترام کو برقرار رکھا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ تحریر لکھ دیں۔ اور یہ املا کرایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس پر سہیل نے کہا کہ ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ یوں لکھیے:

باسمک اللھم

(اے اللہ تیرے نام سے) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہی لکھو۔ اس کے بعد آپ نے یہ املا کرایا۔ یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی۔ اس پر سہیل نے کہا کہ اگر ہم جانتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے، اور نہ جنگ کرتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد بن عبد اللہ لکھوائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ محمد بن عبد اللہ لکھیں۔ اور لفظ رسول اللہ مٹا دیں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گوارا نہ کیا کہ اس لفظ کو مٹائیں۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔

(بخاری: کتاب المغازی/باب عمرۃ القضاء/رقم الحدیث: ۴۲۵۱)

ایک بادشاہ کا نامِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا واقعہ

بادشاہ ناصر الدین محمود کے ایک خاص مصاحب کا نام محمد تھا، بادشاہ اسے اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ ایک دن انھوں نے خلاف معمول اسے محمد کے بجائے تاج الدین کہہ کر آواز دی وہ تعمیل حکم میں حاضر تو ہو گیا لیکن بعد میں گھر جا کر تین دن تک نہیں آیا، بادشاہ نے بلاوا بھیجا، تین دن تک غائب رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ آپ ہمیشہ مجھے محمد کے نام سے پکارا کرتے ہیں، لیکن اس دن آپ نے تاج الدین کہہ کر پکارا، میں سمجھا کہ آپ کے دل میں میرے متعلق کوئی ناراضگی پیدا ہو گئی ہے، اس لیے تین دن حاضر خدمت نہیں ہوا، ناصر الدین نے کہا کہ واللہ! میرے دل میں آپ کے متعلق کوئی خلش نہیں ہے۔ تاج الدین کے نام سے تو میں نے اس لیے پکارا تھا اس وقت میرا وضو نہیں تھا اور مجھے محمد کا مقدس نام بغیر وضو کے لینا مناسب معلوم نہیں ہوا۔ (کتابوں کی درس گاہ میں/ص: ۳۲)

اورنگ زیب بادشاہ کا واقعہ

اورنگ زیب بادشاہ کا ایک بہت مقرب حبشی خدمت گزار ڈیوٹی پر تھا۔ اس کا نام محمد حسن تھا اور بادشاہ اسے ہمیشہ محمد حسن ہی کہا کرتا تھا۔ ایک رات نصف شب کے بعد بادشاہ نے آواز دی "حسن"۔ نوکر نے لبیک کہا اور ایک لوٹا پانی سے بھر کر بادشاہ کے پاس رکھا اور خود واپس باہر آ گیا۔ ایرانی شہزادہ بادشاہ کی آواز سن کر بیدار ہو گیا تھا اور اس نے نوکر کو پانی کا لوٹا لیے ہوئے بادشاہ کے کمرے میں جاتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ نوکر لوٹا اندر رکھ کر باہر واپس آ گیا ہے۔ اسے کچھ فکر لاحق ہو گئی کہ بادشاہ نے تو نوکر کو آواز دی تھی اور نوکر پانی کا لوٹا اس کے

پاس رکھ کر واپس چلا گیا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ صبح ہوئی، شہزادے نے محمد حسن سے پوچھا کہ رات والا کیا معاملہ ہے؟ مجھے تو خطرہ تھا کہ بادشاہ دن نکلنے پر تمھیں قتل کرا دے گا کیونکہ تم نے بادشاہ کے کسی حکم کا انتظار کرنے کی بجائے لوٹا پانی سے بھر کر رکھ دیا اور خود چلے گئے۔ نوکر نے کہا کہ عالی جناب! ہمارے بادشاہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی بغیر وضو نہیں لیتے۔ جب انھوں نے مجھے حسن کہہ کر پکارا تو میں سمجھ گیا کہ ان کا وضو نہیں ہے ورنہ یہ مجھے "محمد حسن" کہہ کر پکارتے، اس لیے میں نے پانی کا لوٹا رکھ دیا تا کہ وہ وضو کر لیں۔

تعظیم نبوی کی چھٹی صورت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی چھٹی صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی تعظیم کی جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سال تک برابر حاضر ہوا ہوں۔ میں نے اس عرصے میں کبھی انھیں یہ کہتے ہوئے نہیں سنا" قال رسول اللہ ﷺ "کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ایک دن اچانک ان کی زبان سے نکل گیا" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" تو ایک بے چینی ان پر طاری ہوگئی، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہے۔ پھر حدیث شریف بیان کرنے کے بعد فرمایا:

هكذا ان شاء الله او فوق ذا او ما دون ذا او ما هو قريب من ذا

یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان شاء اللہ ایسا ہی فرمایا تھا یا اس سے کچھ کم یا اس کے قریب قریب۔(حقوق مصطفیٰ،ص:۱۶۷)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا حال

جلیل القدر صحابی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ جب حدیث سنتے تھے تو سینے میں رونے کی آواز اور بدن میں حرکت و کپکپی پیدا ہو جاتی تھی۔(حقوق مصطفیٰ،ص:۱۶۴)

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا۔آپ لیٹے تھے،فوراً بیٹھ گئے،پھر حدیث بیان فرمائی۔اس شخص نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ بیٹھنے کی مشقت نہ فرمائیں، بلکہ لیٹے لیٹے ہی حدیث بیان فرما دیں۔آپ نے جواب دیا کہ مجھے ناپسند ہے کہ میں حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیث کو لیٹے ہوئے بیان کروں۔(حقوق مصطفیٰ،ص:۱۶۸)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت مُطَرِّف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو پہلے آپ کی خادمہ آتی اور ان سے کہتی کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا تم حدیث کی سماعت کرنے آئے ہوں یا مسئلہ دریافت کرنے؟ اگر وہ کہتے کہ مسئلہ دریافت کرنے آئے ہیں تو آپ فوراً باہر تشریف لے آتے اور اگر وہ کہتے کہ حدیث کی سماعت کرنے آئے ہیں تو آپ (اہتماماً) پہلے غسل خانہ جاتے،غسل کرتے،خوشبو لگاتے اور عمدہ لباس پہنتے۔عمامہ باندھتے،پھر اپنے سر پر چادر لپیٹتے،تخت بچھایا جاتا پھر آپ باہر تشریف

لاتے اوراس تخت پرجلوہ افروز ہوتے۔اس طرح پر کہ آپ پرانتہائی عجز وانکساری طاری ہوتی جب تک درس حدیث سے فارغ نہ ہوتے برابراً گر کی خوشبوسلگائی جاتی رہتی۔دیگرراویوں نے کہا کہ اس تخت پرآپ جب ہی تشریف فرما ہوتے جبکہ آپ کوحدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرنی ہوتی۔(حقوق مصطفیٰ ،ص:۱۶۹)

بچھونے سولہ مرتبہ ڈسا

امام عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں تھااورآپ حدیث بیان کررہے تھے۔حدیث کو بیان کرتے ہوئے ایک بچھونے سولہ مرتبہ آپ کوڈس لیا۔ ہردفعہ آپ کے چہرے کارنگ متغیر ہوتا۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بغیرتوقف کے بیان کرتے رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاذکر بیان کرتے ہوئے کوئی آواز نہیں لگائی۔جب فارغ ہوئے تومیں نے پوچھا کہ اے ابوعبداللہ! آج آپ کا عجیب حال دیکھاہے۔آپ کے چہرے کارنگ زردہوگیااورعجیب تکلیف کی کیفیت محسوس ہوئی مگرآپ نے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت اور بیان کومنقطع نہیں کیا۔کیاوجہ ہے؟ کہنے لگے کہ عبد اللہ بن مبارک! سولہ مرتبہ بچھونے مجھے ڈسا ہے۔توآپ اسے جھٹک دیتے؟ فرمایا کہ لیکن میں نے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلال کی بناپرصبرکیا۔(حقوق مصطفیٰ ،ص:۱۷۰)

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ جوسیدالقراء تھے۔جب بھی ان سے کوئی حدیث پوچھتا تووہ اتناروتے کہ لوگوں کوان پررحم آنے لگتاتھا۔(حقوق مصطفیٰ ،ص:۱۶۳)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کثیر المزاح اور کثیر التبسم تھے۔ جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ذکر ہوتا تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا تھا اور کبھی کوئی حدیث بغیر طہارت کے بیان نہیں کرتے تھے۔ (حقوق مصطفیٰ، ص: ۱۶۳)

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

بندے کے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کا حال بندہ نے خوب دیکھا ہے۔ مسلم شریف کا درس دینے کے لیے جب دار الحدیث میں تشریف لاتے تو استنجا اور وضو سے فراغت فرماتے، داڑھی کو درست کرتے اور عطر لگا کر درس گاہ میں تشریف لاتے تھے۔ حدیث شریف کی کتاب کو کبھی بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگایا۔

تعظیم نبوی کی ساتویں صورت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعظیم کی ساتویں صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اہل بیت سے محبت رکھی جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا واقعہ

جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو ان کی جنازے کی نماز پڑھی گئی۔ نماز سے فراغت کے بعد ان کی سواری قریب کی گئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی سواری کی لگام پکڑ لی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچا کے بیٹے! آپ اس لگام کو چھوڑ دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہم اسی طرح علما کا احترام کرتے ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت ابن عباس کے ہاتھ کو چوم لیا اور کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح تعظیم کا معاملہ کرتے ہیں۔ (حقوق

مصطفیٰ؍ص:۱۷۵)

ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا، میرے ساتھ میرے ساتھی بھی تھے۔ جب ہم کوفہ پہنچے تو میں وہاں ضروریاتِ سفر خریدنے کے لیے بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ دیکھا، ایک ویران سی جگہ میں ایک خچر مرا ہوا تھا اور ایک عورت جس کے کپڑے بہت پرانے بوسیدہ سے تھے اور چاقو لیے ہوئے اُس کے ٹکڑے گوشت کے کاٹ کاٹ کر ایک زنبیل میں رکھ رہی تھی۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ مردار گوشت لے جا رہی ہے، اس پر سکوت کرنا ہرگز نہ چاہیے، شاید یہ عورت لوگوں کو یہی پکا کر کھلاتی ہو۔ سو، میں چپکے سے اسکے پیچھے ہو لیا، اس طرح کہ وہ مجھے نہ دیکھے۔ وہ عورت ایک بڑے مکان میں پہنچی جس کا دروازہ بھی اونچا تھا۔

اس نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی کون ہے؟ اس نے کہا کھولو، میں بد حال ہوں، دروازہ کھولا گیا اور گھر میں چار لڑکیاں نظر آئیں، جن کے چہرے سے بدحالی اور مصیبت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ عورت اندر آ گئی اور زنبیل اُن لڑکیوں کے سامنے رکھ دی۔ میں کواڑوں کی درزوں سے جھانک رہا تھا، میں نے دیکھا اندر سے گھر برباد اور خالی تھا۔ اس عورت نے روتے ہوئے لڑکیوں سے کہا کہ اس کو پکا لو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ وہ لڑکیاں گوشت کاٹ کاٹ کر اُس کو آگ پر بھوننے لگیں۔ مجھے بہت تنگی ہوئی۔ میں نے باہر سے آواز دی اے اللہ کی بندی اللہ کے واسطے اِسکو نہ کھاؤ۔ وہ کہنے لگی، تُو کون ہے؟ میں نے کہا، میں ایک پردیسی آدمی ہوں۔ اُس نے جواب دیا کہ تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ تین سال سے نہ ہمارا کوئی

معین نہ مددگار ہے تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا کہ مجوسیوں کے ایک فرقہ کے سوا مردار کا کھانا کسی مذہب میں جائز نہیں۔ وہ کہنے لگی کہ ہم خاندان نبوت کے شریف (سید) ہیں۔ اِن لڑکیوں کا باپ بڑا شریف تھا، وہ اپنے ہی جیسوں سے اِن کا نکاح کرنا چاہتا تھا، نوبت نہ آئی، اُس کا انتقال ہو گیا اور جو ترکہ اس نے چھوڑا تھا وہ ختم ہو گیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ مردار کھانا جائز نہیں ہے، لیکن اضطرار میں جائز ہوتا ہے۔ ہمارا چار دن کا فاقہ ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ اس کے حالات سُن کر میں بے چین ہو گیا اور اپنے ساتھیوں سے آکر کہا کہ میرا تو حج کا ارادہ نہیں رہا۔ سب نے سمجھایا، لیکن میں نے کسی کی نہیں سنی۔ میں نے اپنے کپڑے اور احرام کی چادریں اور جو سامان میرے ساتھ تھا، وہ سب لیا اور نقد چھ سو درہم تھے وہ لیے، اور ان میں سے سو درہم کا آٹا خریدا اور باقی درہم آٹے میں چُھپا کر اُس بڑھیا کے گھر پہنچا اور یہ سب سامان اور آٹا وغیرا اس کو دے دیا۔ اس نے شکرادا کیا اور کہنے لگی، اے ابن سلیمان! اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف کریں اور تجھے حج کا ثواب عطا کریں، اور اپنی جنت میں تجھے جگہ عطا فرمائیں، اور ایسا بدل عطا فرمائیں جو تجھے بھی ظاہر ہو جائے۔

ربیع کہتے ہیں، حج کا قافلہ روانہ ہو گیا، میں اُن کے استقبال کے لیے کوفہ ہی رُکا رہا، تا کہ اُن سے اپنے لیے دعا بھی کرواؤں۔ جب حجاج کا ایک قافلہ میری آنکھوں کے سامنے سے گزرا تو مجھے اپنے حج سے محرومی پر بہت افسوس ہوا اور رنج سے میرے آنسو نکل آئے۔ جب میں اُن سے ملا تو میں نے کہا کہ اللہ تمہارا حج قبول کریں اور تمھارے اخراجات کا بدلہ عطا فرمائیں۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ یہ کیسی دعا ہے؟ میں نے کہا کہ اُس شخص کی دعا جو دروازے تک کی حاضری سے محروم ہوا۔ وہ کہنے لگے بڑے تعجب کی بات ہے کہ اب تو اس

سے بھی انکار کرتا ہے، تُو ہمارے ساتھ عرفات کے میدان میں نہیں تھا؟ تو نے ہمارے ساتھ رمی جمرات نہیں کی؟ تُو نے ہمارے ساتھ طواف نہیں کیے؟ میں اپنے دل میں سوچنے لگا، یہ اللہ کا لُطف ہے، اتنے میں میرے شہر کے حاجیوں کا قافلہ آ گیا۔ میں نے کہا اللہ تمھاری سعی مشکور فرمائیں، تمھارا حج قبول فرمائیں۔ وہ بھی کہنے لگے تو ہمارے ساتھ عرفات پر نہیں تھا؟ رمی جمرات نہیں کی؟ تو تو ہمارے ساتھ تھا اور اب انکار کر رہا ہے۔ ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ بھائی انکار کیوں کرتے ہو؟ تم ہمارے ساتھ مکہ میں نہیں تھے یا مدینہ میں نہیں تھے؟ جب ہم قبر اطہر کی زیارت کر کے بابِ جبرئیل سے باہر کو آ رہے تھے، اُس وقت ازدھام کی کثرت کی وجہ سے تم نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی۔ جس کی مہر پر لکھا ہوا ہے مَن عَاملَنَا رَبَحَ (جو ہم سے معاملہ کرتا ہے وہ نفع کماتا نے)۔ اس نے کہا یہ لو اپنی تھیلی واپس۔ ربیع کہتے ہیں، میں نے اُس تھیلی کو کبھی اس سے پہلے دیکھا بھی نہ تھا۔

اس کو لے کر میں گھر واپس آیا اور عشاء کی نماز پڑھی، اپنا وظیفہ پورا کیا۔ اِسی سوچ میں جاگتا رہا کہ، آخر یہ قصہ کیا ہے؟ اِسی کشمکش میں آنکھ لگ گئی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے ربیع! آخر ہم کتنے گواہ اِس پر قائم کریں کہ تو نے حج کیا ہے۔ تو مانتا ہی نہیں۔ بات یہ ہے کہ، جب تو نے اُس عورت پر، جو میری اولاد تھی، صدقہ کیا اور اپنا حج کا ارادہ ملتوی کیا تو اللہ نے اس کا نعم البدل تجھے عطا فرمایا۔ اللہ نے ایک فرشتہ تیری صورت بنا کر اُس کو حکم دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دنیا میں تجھے یہ عوض دیا کہ چھ سو درہم کے بدلے چھ سو دینار (اشرفیاں) عطا کی۔ ربیع کہتے ہیں، جب میں سو کر اٹھا تو اس تھیلی کو کھول کر دیکھا تو اس میں

چھ سو اشرفیاں تھیں۔(فضائل حج ص:۸۹۲)

تعظیم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آٹھویں صورت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم کی آٹھویں صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کو بے چون و چرا تسلیم کرلیا جائے۔

ایک صحابی کا واقعہ

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے ایک ہاتھ میں سونا ہے اور دوسرے ہاتھ میں ریشم ہے۔اور آپ فرما رہے ہیں یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔میری امت کے مردوں کے لیے نہ سونے کا استعمال جائز نہ ریشم کا۔البتہ عورتوں کے لیے سونا چاندی ریشم کا استعمال جائز ہے۔اب اس اعلان کے بعد ممکن ہے کہ کسی صحابی کو اس اعلان کا علم نہ پہونچا ہو۔وہ صحابی ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرمایا کہ بھائی! میں نے اعلان کیا تھا کہ یہ سونا اور ریشم اللہ تعالیٰ نے میری امت کے مردوں کے لیے حرام کیا ہے۔اور تم سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے چلے آئے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ انگوٹھی ان کی انگلی سے نکال کر پھینک دی۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کام سے اندر تشریف لے گئے۔جو صحابہ اس مجلس میں موجود تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ وہ انگوٹھی اٹھالو۔اگر تم استعمال نہیں کر سکتے گھر جا کر گھر کی عورتوں میں سے کسی کو دے دینا،وہ تو استعمال کر سکتی ہے۔اور مرد کے لیے سونے کا استعمال جائز نہیں مگر اپنی ملکیت میں رکھنا تو جائز ہے۔یا تم اس انگوٹھی کو فروخت کردو اس کی قیمت تو استعمال کر سکتے ہو۔مگر وہ صحابی کیا جواب دیتے ہیں؟

لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم میں اور صحابہ میں کیا فرق ہے؟ تو یہی فرق ہے کہ ہم اٹھا لیتے اور تاویلیں کر لیتے کہ گھر لے جا کر بیوی کو دے دیں گے یا تجوری میں رکھ دیں گے یا فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کر لیں گے۔ مگر وہاں وہ صحابی جواب دیتے ہیں جس انگوٹھی کو میرے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھینک دیا ہوں اب میری مجال نہیں کہ میں اس کو اٹھاؤں۔ کتنا عمل کر کے دکھایا ہے ان حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر۔ (مسلم: کتاب اللباس و الزینۃ / باب تحریم خاتم الذہب علی الرجال / رقم الحدیث: ۲۰۹۰)

تعظیم نبوی کی نویں صورت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی نویں صورت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے ادب و احترام کو برقرار رکھا جائے۔

خلیفہ منصور کو ٹوک دیا

خلیفہ منصور نے ایک مرتبہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مسجد نبوی میں اپنی آواز کو بلند کیا تھا تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں ٹوک دیا تھا کہ یہاں اپنی آواز پست رکھا کرو، ہمیں یہی حکم دی گیا ہے۔ (حقوق مصطفیٰ / ص: ۱۶۰)

اللہ رب العزت ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۸)

اللہ کے سامنے رونے کی فضیلت

تعارف

۸/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۰/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: منگل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا‌ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ○﴾

[التوبہ: ۸۲]

تمہید

ایک بچہ اس دنیا میں آتے ہی روتا، بلبلاتا اور آنسو بہاتا ہے تو اس کی ماں کے پستانوں میں دودھ اُتر ہی آتا ہے۔ ایک عورت اپنے خاوند کے سامنے آنسو بہا کر اپنی مراد پا لیتی ہے۔ ایک بچہ اپنے باپ کے سامنے روتے ہوئے اپنا مدعا بیان کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایک ماتحت کی اپنے افسر کے سامنے چند آنسو بہا کر اس کی مراد بھر آتی ہے۔ حتی کہ ایک مرید اپنے آقا کے سامنے رو کر اس کے دربار میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک بندہ، خوف خدا سے چند آنسو اپنے خالق حقیقی کے سامنے بہا کر اپنی بات منوا لیتا ہے۔

رونے پر چند آیات

(۱) سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً ‌ؕ وَاِنَّ مِنَ الۡحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ‌ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ‌ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ○﴾

[البقرہ: ۷۴]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دل کی سختی کو بیان فرمایا ہے کہ ان کے دل تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے چنانچہ وہ (سختی میں) پتھروں جیسے (ہو گئے) ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت (ہو چکے ہیں، اس لیے کہ) بے شک پتھروں میں (تو) بعض ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں، اور یقیناً ان میں سے بعض وہ (پتھر) بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی ابل پڑتا ہے، اور بے شک ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں، (افسوس! تمھارے دلوں میں اس قدر نرمی، خستگی اور شکستگی بھی نہیں رہی) اور اللہ تمھارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

(۲) سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۝﴾

[المائدہ: ۸۳]

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب حبشہ سے نجاشی کا وفد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں سورۂ یٰس سنائی تھی تو وہ لوگ زار و قطار رونے لگیں حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں۔

(۳) سورۂ توبہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ [التوبہ: ۸۲]

اس آیت میں ان منافقین کو جھنجوڑا گیا ہے جو غزوہ تبوک میں محض سستی کی بنا پر شریک نہیں ہوئے تھے کہ چاہے وہ اپنی اس حرکت پر دنیا میں تھوڑا ہنس لیں مگر آخرت میں وہ بہت روئیں گے۔

(۴) سورۂ نجم میں ہے:

﴿اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِيۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ ۙ‏ وَتَضۡحَكُوۡنَ وَلَا تَبۡكُوۡنَ ۙ‏﴾ [النجم: ۵۹، ۶۰]

پس کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟ اور تم ہنستے ہو؟ اور روتے نہیں ہو؟

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل صفہ اس قدر روئے کہ اُن کے آنسو اُن کے رخساروں پر بہہ پڑے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے رونے کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے ساتھ رونے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا اور نہ گناہ پر اصرار کرنے والا جنت میں داخل ہوگا۔ اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ لے آئے گا جو گناہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ انھیں بخشے گا۔ (بیھقی فی شعب الایمان / رقم الحدیث: ۷۹۸)

رونے کے متعلق چند احادیث

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دے کر رات گزاری۔ (ترمذی: ابواب فضائل الجهاد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی فضل الحرس فی سبیل اللہ / رقم الحدیث: ۱۶۳۹)

(۲) حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین افراد کی آنکھیں

دوزخ نہیں دیکھیں گی۔ ایک آنکھ وہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیا، دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی خشیت سے روئی اور تیسری وہ جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے باز رہی۔ (الطبرانی / رقم الحدیث: ۱۰۰۳)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرمائے گا کہ دوزخ میں سے ہر ایسے شخص کو نکال دو جس نے ایک دن بھی مجھے یاد کیا یا میرے خوف سے کہیں بھی مجھ سے ڈرا۔ (ترمذی: ابواب صفۃ جھنم / باب ماجاء ان للنار نفسین / رقم الحدیث: ۲۵۹۴)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والا انسان دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ دودھ، تھن میں واپس نہ چلا جائے اور اللہ کی راہ میں پہنچنے والی گرد وغبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔ (ترمذی: ابواب فضائل الجھاد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب فضل الغبار فی سبیل اللہ / رقم الحدیث: ۱۶۳۳)

(۵) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کی آنکھ سے مکھی کے سر کے برابر خوفِ خداوندی کی وجہ سے آنسو بہہ کر اس کے چہرے پر آ گریں گے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو حرام فرمادے گا۔ (ابن ماجہ: باب الحزن والبکاء / رقم الحدیث: ۴۱۹۷)

(۶) بخاری شریف میں روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات طرح کے آدمی ہوں گے۔ جن کو اللہ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اول انصاف کرنے والا بادشاہ، دوسرے وہ نوجوان جو اپنے رب کی عبادت میں جوانی کی امنگ سے مصروف رہا، تیسرا ایسا شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا

رہتا ہے، چوتھے دو ایسے شخص جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں اور ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد اللہ کے لیے محبت ہے، پانچواں وہ شخص جسے کسی باعزت اور حسین عورت نے (برے ارادے سے) بلایا لیکن اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ شخص جس نے صدقہ کیا، مگر اتنے پوشیدہ طور پر کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ ساتواں وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (بخاری: کتاب الزکوۃ/باب الصدقۃ بالیمین/رقم الحدیث: ۱۴۲۳)

(۷) حضرت ہیثم بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب فرمایا تو خطاب کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھا ہوا ایک شخص رو پڑا۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آج تمھارے درمیان وہ تمام مؤمن موجود ہوتے جن کے گناہ پہاڑوں کے برابر ہیں تو انھیں اس ایک شخص کے رونے کی وجہ سے بخش دیا جاتا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ فرشتے بھی اس کے ساتھ رو رہے تھے اور دعا کر رہے تھے: اے اللہ! نہ رونے والوں کے حق میں رونے والوں کی شفاعت قبول فرما۔ (بیہقی فی شعب الایمان/رقم الحدیث: ۸۱۰)

(۸) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں دوزخ سے کیسے بچ سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کے ذریعے، جو آنکھ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رو پڑی اسے کبھی (دوزخ کی) آگ نہیں چھوئے گی۔ (الترغیب و الترھیب)

(۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے ویسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمھیں بھی معلوم ہوتا تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ (بخاری: کتاب الرقاق/باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لو تعلمون

ما اعلم/رقم الحدیث:٦٤٨٦)

(۱۰) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ دنیا اور آخرت میں نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو، چاہیے کہ تمھارا گھر تمھاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (ترمذی: ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی حفظ اللسان/رقم الحدیث: ۲۴۰۶)

دنیا ہنسنے کی جگہ نہیں ہے

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون ایسا شخص ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سن کر ان پر عمل کرے یا ایسے شخص کو سکھلائے جو ان پر عمل کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایسا کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ کو پکڑ کر پانچ باتوں کو گن کر بتلایا۔

(۱) تم حرام چیزوں سے بچو، سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جاؤں گے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی تقسیم شدہ رزق پر راضی رہو، سب لوگوں سے زیادہ مالدار بن جاؤں گے۔

(۳) اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرو پکے سچے مؤمن رہوں گے۔

(۴) دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو سچے مسلمان ہو جاؤں گے۔

(۵) زیادہ نہ ہنسو، اس لیے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (ترمذی: ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب من التقی المحارم فھو اعبد الناس/رقم الحدیث: ۲۳۰۵)

حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تنبیہ الغافلین'' میں لکھا کہ جب حضرت موسیٰ

علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی جدائی ہونے لگی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمادیجیے۔حضرت خضر علیہ السلام نے یہ نصیحت فرمائی:

(۱)اے موسیٰ! لڑائی جھگڑوں سے بچنا۔

(۲)بلاضرورت سفر نہ کرنا۔

(۳)بلاوجہ ہنسنے سے بچنا۔

(۴)کسی غلط کار کی خطا پر تعجب نہ کرنا۔

بعض روایات میں یہ نصیحتیں بھی منقول ہیں۔

(۵)خطا کاروں کو ان کی خطاؤں پر شرمندہ مت کرنا۔

(۶)اے عمران کے بیٹے! اگر اپنے سے کچھ کوتاہی ہوجائے تو اس پر رولیا کر۔(تنبیہ الغافلین مترجم ص: ۱۹۱)

ہنسی کیسی؟

حضرت حسن بصری ایک نوجوان کے پاس سے گزرے جو ہنس رہا تھا۔آپ نے فرمایا بیٹا! تو نے پل صراط پار کرلیا؟ وہ کہنے لگا نہیں۔آپ نے فرمایا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ تو جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟ اس نے کہا نہیں۔آپ نے فرمایا پھر یہ ہنسی کیسی؟ اس کے بعد سے وہ نوجوان کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا گیا۔حضرت حسن بصری کی بات اس کے دل میں گھر کرگئی اور اس نے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔(تنبیہ الغافلین مترجم ص: ۱۹۲)

چار باتیں

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار باتیں ہیں جو مؤمن میں ہنسی اور خوشی کا

نام ونشان تک نہیں چھوڑتیں۔

(۱) آخرت کا غم

(۲) معاشی مصروفیت

(۳) گناہوں کی فکر

(۴) مصائب کا نزول

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو ان چار چیزوں میں لگنا چاہیے، اس کی ہنسی خود بخود دور ہو جائے گی۔ (تنبیہ الغافلین مترجم ص:۱۹۲)

اس دیوار کے نیچے کیا تھا؟

حضرت خضر علیہ السلام نے جو دیوار درست کی اس کے نیچے یتیم بچوں کا خزانہ تھا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ ہے کہ وہ سونے چاندی کا ذخیرہ تھا۔ (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ومن سورۃ الکھف / رقم الحدیث: ۳۱۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی، جس پر چند نصیحت لکھی ہوئی تھی، وہ یہ ہے:

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

(۲) تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی غمگین ہوتا ہے۔

(۳) تعجب ہے اس شخص پر جو اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ رزق کا ذمے دار باری تعالیٰ ہے پھر بھی ضرورت سے زائد مشقت برداشت کرتا ہے۔

(۴) تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی خوش کیوں ہوتا ہے۔
(۵) تعجب ہے اس شخص پر جو آخرت کے حساب پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی غفلت برتتا ہے۔
(۶) تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کے انقلابات کو جانتا ہے پھر بھی مطمئن کیوں ہوتا ہے۔
(۷) لا اله الا الله محمد الرسول الله صلى الله عليه وسلم۔(معارف القرآن ۶۲۱/۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا

حضرت مطرف رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرمارہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس اور اندروں جسد میں رونے کی وجہ سے ایسا جوش اور ابال محسوس ہوتا تھا جیسا کہ ہانڈی چولہے پر جوش مارتی ہے۔(شمائل الترمذی: باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۳۰۷)

تلاوت کلام سن کر رونا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سناؤ، میں نے عرض کیا کہ حضور! آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں، میں نے امتثال حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۂ نساء پڑھنا شروع کیا اور جب اس آیت پر پہنچا

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ ﴾ [النساء: ۴۱]

تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ

سے بہہ رہی تھیں۔(ترمذی: ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ومن سورۃ النساء / رقم الحدیث: ۳۰۲۵)

عزیز کی وفات پر رونا

اس کی مختلف مثالیں ہیں۔

پہلی مثال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی یا نواسی کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باندی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا چلا کر رونے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اللہ کے نبی کے سامنے ہی چلا کر رونا شروع کر دیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ بھی تو رو رہے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رونا ممنوع نہیں، یہ اللہ کی رحمت ہے کہ بندوں کے قلوب کو نرم فرمائیں اور ان میں شفقت ورحمت کا مادہ عطا فرمائیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے حتیٰ کہ خود اس کا نفس نکالا جاتا ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی حمد کرتا ہے۔(شمائل الترمذی / رقم الحدیث: ۳۱۰)

دوسری مثال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف فرما تھے اور آپ کے آنسو جاری تھے۔(شمائل ترمذی / رقم الحدیث: ۳۱۲)

تیسری مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کو ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو ٹپک رہے تھے۔ (ترمذی: ابواب الجنائز عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی تقبیل المیت / رقم الحدیث: ۹۸۹)

حجر اسود کے پاس رونا

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود کے پاس تشریف لائے، منہ مبارک رکھ کر خوب روتے

رہے، جب ہٹے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا کہ اے عمر! یہ آنسو بہانے کی جگہ ہے۔

(ابن ماجہ: کتاب المناسک / باب استلام الحجر / رقم الحدیث: ۲۹۴۵)

امت کے غم میں رونا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت فرمائی

﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ [ابراہیم: ۳۶]

اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے جو شخص میرا پیروکار ہوگا وہ میرے راستہ پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تُو اس کو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ آیت پڑھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ [المائدہ: ۱۱۸]

اے اللہ! اگر تو اُن کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک بلند کیے اور فرمایا کہ اے اللہ! میری امت، میری امت، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گریہ طاری ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے، کہ ان پر اس قدر گریہ کیوں طاری ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کر کے اللہ تعالیٰ کو خبر دی، حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ

السلام سے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کی امت کی بخشش کے معاملے میں ہم آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے۔ (مسلم: کتاب الایمان / باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لامته و بكاؤه شفقة عليهم / رقم الحديث: ۲۰۲)

صحابہ رضی اللہ عنہم کا رونا

رونے کی جو کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھی وہی کیفیت آپ کے تربیت یافتہ صحابہ میں بھی منتقل ہوئی تھی۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کا رونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ملاقات کے لیے، ہم ان سے ملیں گے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جایا کرتے تھے ان سے ملنے کے لیے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں، دونوں صاحبوں نے کہا تم کیوں روتی ہو؟ اللہ جل جلالہ کے پاس جو سامان ہے اس کے رسول کے لیے وہ بہتر ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں اس لیے نہیں روتی کہ یہ بات نہیں جانتی لیکن میں اس وجہ سے روتی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا آنا بند ہو گیا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے اس کہنے سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی رونا آیا وہ بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ (ابن ماجه: كتاب الجنائز / باب ذكر وفاته و دفنه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحديث: ۱۶۳۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رونا

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الوفات میں جب مرض شدت اختیار کر گیا تو فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ابوبکر جب آپ کی جگہ نماز پڑھانے کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرأت نہیں سنا سکیں گے۔ اس لیے آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجیے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم ان سے کہو کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو رونے کے سبب قرأت نہیں سنا سکیں گے، اس لیے آپ عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم وہی تو ہو جنھوں نے یوسف (علیہ السلام) کو تنگ کیا۔ حضرت ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطور شکایت کہا کہ مجھے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پہونچی۔ (ترمذی: ابواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ رقم الحدیث: ۳۶۷۲)

اس واقعے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کی نرمی کا اور رونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رونا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رخسار پر کثرت سے رونے کی وجہ سے نالیوں کے دو نشان پڑ گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا رونا

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی بیوی کی گود میں سر رکھے ہوئے لیٹے تھے کہ اچانک رو پڑے۔ یہ دیکھ کر بیوی بھی رونے لگی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ بیوی نے کہا کہ آپ کا رونا دیکھ کر مجھے بھی رونا آ گیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن شریف کی آیت آ گئی:

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝﴾ [مریم: ۷۱]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس کا گزر جہنم کی طرف سے نہ ہو۔ اب میں نہیں جانتا کہ جہنم سے نجات پاؤں گا یا نہیں، اس لیے میں رو رہا ہوں۔ (واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے ص: ۲۵۰)

حضرت وارد عجلی رحمۃ اللہ علیہ کا رونا

امام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حیرت ناک واقعہ لکھا ہے کہ ابو عمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت وارد عجلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں سر کو رومال سے ڈھک کر آتے تھے۔ ایک کونے میں کھڑے ہو کر مسلسل نماز پڑھتے تھے، دعائیں کرتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ پھر مسجد سے نکلتے اور ظہر میں آتے اور اسی طرح نماز اور دعائیں کر کے رویا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عشا ہو جاتی تھی۔ نہ کسی سے بات چیت کرتے تھے نہ کسی کے پاس بیٹھتے تھے۔ ابو عمرو کہتے ہیں میں نے ان کے محلے کے ایک شخص سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا یہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ کہ حضرت وارد عجلی رحمۃ اللہ علیہ ہے، جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے جب تک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھیں گے اس وقت تک نہیں ہنسیں گے۔ (واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے ص: ۲۴۷)

دو رونے والے بندے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو بندوں کو رات کی تنہائی میں خوب روتے دیکھا۔ ایک میرے والد حضرت مولانا یحییٰ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تو یہ ایک شعر پڑھتے تھے:

چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدے	مگر دیگرے رار ہائی شدے

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو جہنم سے نجات دیں اس شرط پر کہ حسین احمد جہنم میں جائے تو ہم سب کو نجات دیں گے تو میں جانے کو تیار ہوں۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین: ۷/۲۴۶)

خوفِ خدا سے ایک پتھر کا رونا

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک پتھر سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تو کیوں رو رہا ہے؟ اس پتھر نے جواب دیا کہ اس خوف سے رو رہا ہوں کہ کہیں اللہ تعالی مجھے قیامت کے دن جہنم کا ایندھن نہ بنا دیں۔ حضرت موسی علیہ السلام نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں اس وقت رب العالمین سے ہم کلامی کے لیے جا رہا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے تیری بخشش کی سفارش کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ سے ہم کلامی کے لیے پہونچے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی لذت میں اس پتھر کو بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ اے موسیٰ! تم اس پتھر کو بھول گئے؟ کیا تم نے اس سے سفارش کو وادا نہیں کیا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا پروردگار! میں واقعی بھول گیا اور آپ تو سب کچھ جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ! جاؤ اس پتھر کو کہہ دو کہ ہم نے اس کی مغفرت کر دی، اب ہم اسے جہنم میں داخل نہیں کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور

اس پتھر کو مغفرت کی بشارت سنا دی۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام دوبارہ کوہِ طور پر تشریف لے جانے لگے تو اسی راستہ سے گئے اور اسی پتھر کو دیکھا کہ رو رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر سے کہا میں نے تجھے بشارت سنا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تیری مغفرت کردی ہے اور تجھے جہنم میں داخل نہیں کریں گے، پھر تو کیوں رو رہا ہے؟ اس پتھر نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! اُس وقت میں اللہ کے خوف سے رو رہا تھا اور اِس وقت میں اللہ کی محبت میں رو رہا ہوں۔ اللہ نے مجھے ایسی نعمت عطا کی ہے تو پھر میں کیوں اس پر نہ روؤں۔ (واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے ص: ۲۴۸، ۲۴۹)

ایک بزرگ کا عجیب قصہ

کتابوں میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ پر بہت سارا قرض ہو گیا۔ ان کے قرض کی ادائیگی کا کوئی انتظام نہیں ہو رہا تھا اور ان کا آخری وقت آپہونچا۔ قرض خواہوں کو جب پتہ چلا تو ان کے گھر جا پہونچے اور قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ بزرگ نے جواب دیا کہ میرے پاس قرض کی ادائیگی کے لئے فی الحال کوئی انتظام نہیں ہے۔ تم یہیں بیٹھ جاؤ اللہ تعالیٰ کوئی انتظام کر دیں۔ چنانچہ سب بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر میں ایک حلوہ بیچنے والے بچے کی آواز سنائی دی تو بزرگ نے اپنے خادم سے کہا اس حلوہ بیچنے والے بچے کو بلاؤ۔ جب بچہ آیا تو بزرگ نے اس بچہ سے کہا کہ سب کو حلوہ کھلاؤ۔ جب بچے نے سب کو حلوہ دے دیا تو اپنے پیسے کا مطالبہ کیا۔ بزرگ نے کہا تو بھی بیٹھ جا، یہ سارے بھی بیٹھے ہی ہیں۔ چنانچہ بچہ وہیں بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد بزرگ نے اپنے

چہرے پر چادر اوڑھ لی۔ سب نے یہ گمان کیا کہ شاید بزرگ انتقال ہو گیا۔ یہ دیکھ کر وہ بچہ رونے لگا۔ حالانکہ بزرگ کا انتقال نہیں ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے پر کسی نے دستک دی، تو کوئی صاحب آئے اور بزرگ کو تھیلی پیش کی۔ بزرگ نے اپنے خادم سے کہا کہ تھیلی میں سے رقم نکال کر سارے قرض خواہوں کو اپنا قرض ادا کرو۔ خادم نے ان قرض خواہوں سے پوچھا تمھارا کتنا قرضہ ہے؟ اتنی رقم نکال کر تھیلی میں سے پیش کر دی۔ اخیر میں حلوہ بیچنے والے والے بچے کو پوچھا تیری کتنی رقم ہے؟ اس نے جواب دیا اور تھیلی میں سے رقم نکال کر پیش کی اور تھیلی خالی ہو گئی۔

خادم نے کہا حضرت دو بات ہے۔ ایک بات سمجھ میں آئی اور ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ جو بات سمجھ میں آئی وہ یہ کہ تھیلی میں اتنی ہی رقم تھی جتنا کا قرضہ تھا۔ یہ تو آپ کی کرامت ہوئی۔ مگر جو بات سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ کہ آپ نے اس حلوہ بیچنے والے معصوم بچہ کو کیوں رلایا؟ اس کا کیا قصور تھا؟ بزرگ نے جواب دیا جتنے یہاں بیٹھے تھے سب پتھر دل تھے، کوئی نہیں رو رہا تھا۔ اگر کوئی روتا تو اس کا رونا اللہ کو پسند آتا اور میرے قرض کی ادائیگی کا انتظام ہو جاتا۔ اس لیے میں نے یہ ترکیب بنائی کہ حلوہ بیچنے والے بچے کو بلایا اس سے حلوہ خریدا اور اس کے رقم کو باقی رکھا وہ رونے لگا تو اللہ کو اس کا رونا پسند آیا اور میرے قرض کی ادائیگی کا انتظام ہو گیا۔

اس پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ۔

تا نہ گرید کودکے حلوہ فروش	بحر بخشائش نمی آید بجوش
تا گرید طفل کے جوشد لبن	تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

جب تک حلوہ بیچنے والا بچہ نہیں رویا اللہ کی رحمت کا سمندر بھی جوش میں نہیں آیا۔ جب تک بچہ نہیں روتا ماں کی چھاتی میں دودھ جوش نہیں مارتا اور جب تک آسمان نہیں روتا دھرتی بھی لہلہاتی نہیں ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۳/ ۲۰۴)

میرے والد مرحوم کی نصیحت

میرے والد مرحوم اکثر فرماتے تھے کہ یہ امت جب رات میں روتی تھی تو اللہ تعالیٰ ان کو دن میں ہنساتا تھا۔ امت نے رات میں رونا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی دن میں ہنسانا چھوڑ دیا۔

جہنمیوں کے آنسو

اسی لیے ہمیں دنیا میں اللہ رب العزت کے سامنے رونے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ورنہ حدیث شریف میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جہنمی اتنا روئیں گے اور اتنے آنسو نکالیں گے کہ اگر ان میں کشتی چلائی جائے تو وہ بھی چل پڑے گی، وہ پانی کے آنسوؤں کی جگہ خون کے آنسو روئیں گے۔(ابن ماجہ: کتاب الزهد/ باب صفة النار/ رقم الحديث: ۴۳۲۴)

اللہ رب العزت ہم سب کو اس کے سامنے رونے و گڑگڑانے کی نعمت سے مالا مال فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۹)

طہارت کی اہمیت

تعارف

۹/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۱/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: بدھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿فِیۡهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَهَّرُوۡا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِیۡنَ ۝﴾

[التوبہ:۱۰۸]

تمہید

اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پوری دنیا ظلمت وتاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہرسُو اندھیرے کی حکمرانی تھی، طہارت ونظافت سے بےتوجہی اور لاپرواہی تھی، بدن اور کپڑے کی صفائی کو معیوب خیال کیا جاتا تھا، غسل کرنے کو جرم سمجھا جاتا تھا۔ بوسیدہ، بدبودار اور میلے گندے کپڑوں میں رہنے کو لازم اور ضروری قرار دیا جاتا تھا، بغل اور ناف کے بالوں کو تراشنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔

عیسائیوں کا حال

زمانۂ جاہلیت میں بعض نصرانی راہب اپنے جسم پر لباس نہیں پہنتے تھے، اور قابلِ ستر اعضا کو جسم کے غیر معمولی طور پر بڑھے ہوئے بالوں کے ذریعے چھپاتے تھے۔ اَتھینس نامی راہب کا بیان ہے کہ اس نے زندگی بھر اپنے پیر نہیں دھوئے۔ ابراہام نامی راہب کہتا ہے کہ میں نے پچاس سال تک اپنے چہرے اور پیر کو پانی سے تر نہیں کیا۔ اسکندریہ کے ایک راہب نے جب عیسائیوں کو غسل کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا تو کافی افسوس اور رنج وغم کا اظہار کیا، اور کہا کہ کچھ عرصے پہلے ہم چہرے پر پانی ڈالنا حرام خیال کرتے تھے۔ افسوس! آج ہم لوگ

پورے جسم پر پانی بہار ہے ہیں۔

مغرب کے لوگ اگر چہ اپنے کو تہذیب یافتہ بتاتے ہیں اور تہذیب کے بڑے لمبے و چوڑے دعوے کرتے ہیں، لیکن کچھ صدیوں پہلے ان کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ روم کے پوپ نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک پر جب کفر کا فتویٰ لگایا تو اس پر ایک بڑا الزام یہ تھا کہ وہ روزانہ غسل کرتا ہے۔ روم کا پوپ روزانہ غسل کرنے والے عیسائیوں کو کافر قرار دیتا تھا، ایسے کافروں کو سزا دینے کے لیے روم کے پوپ نے ۱۴۸۷ء میں ایک مذہبی عدالت قائم کی، اور روزانہ غسل کرنے کی پاداش میں پہلے ہی سال دو ہزار افراد کو زندہ جلا دیا گیا، اور ستر ہزار کو قید و بند کی سزائیں جھیلنی پڑیں۔ میلے کچیلے لباس پہننے کی وجہ سے جوؤں کی یہ کثرت تھی کہ جب برطانیہ کا پادری باہر نکلتا تو اس کی قبا پر سینکڑوں جوئیں پھرتی نظر آتی تھیں۔

جب اندلس میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہوا، اور عیسائیوں نے حکومت سنبھال لی، تو تمام حمام بند کرنے کا فرمان جاری کیا، اور اس نے اشبیلیہ کے گورنر کو محض اس لیے معزول کردیا کہ وہ روزانہ ہاتھ منہ دھوتا ہے۔ (ماہ نامہ بینات/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ)

برادران وطن کا حال

یہی کچھ حال برادران وطن کا ہے۔ ان کے مذہبی سَنتوں کے یہاں طہارت وصفائی کا کوئی تصور نہیں ہے، ان کی مذہبی کتابوں میں نفاست و پاکیزگی کے طور طریقے بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ ہندو دھرم کے اندر انسان اپنے مزاج و مذاق کے مطابق حیوانوں کی سی زندگی گزار سکتا ہے۔ چند سال قبل ہندوستان کے سابق وزیر اعظم مرارجی دیسائی کا یہ بیان ملک کے مشہور و معروف جرائد اور بڑے بڑے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ میں روزانہ صبح اپنا

پیشاب پیتا ہوں۔(ماہ نامہ بینات/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ)

سکھوں کا حال

سکھوں کے یہاں سر، مونڈھے، زیر ناف کے بال تراشنے سے انسان مذہب سے خارج ہو جاتا ہے، ختنہ کرنا ان کے یہاں بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔(ماہ نامہ بینات/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ)

طہارت اسلام کا طرۂ امتیاز

خلاصہ یہ کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب طہارت وصفائی کی تعلیمات سے بالکل خالی ہیں، بلکہ ان کے یہاں طہارت وصفائی کا اہتمام کرنے والا انسان قابلِ سزا سمجھا جاتا ہے۔ یہ مذہبِ اسلام کا ہی طرۂ امتیاز ہے کہ اس نے نظافت وطہارت پر غیر معمولی توجہ دی ہے اور اس سلسلے میں ایسا اعلیٰ درس دیا ہے کہ جس سے ایک سلیم الطبع انسان کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، غیر معمولی فرحت وشادمانی حاصل ہوتی ہے، چہرے پر تازگی اور نورانیت محسوس ہوتی ہے۔ اسلام نے طہارت وصفائی کی بڑی تاکید کی ہے۔

دوسری وحی میں ہی طہارت کا درس

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب دوسری مرتبہ وحی نازل ہوئی تو نبوت کی بھاری ذمے داریاں پوری کرنے کے لیے جہاں دیگر ہدایتیں دی گئیں، وہیں ایک ہدایت طہارت کی بھی دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝﴾ [المدثر: ۴]

آپ اپنے کپڑے کو پاک وصاف رکھئے۔

اہل قبا کی تعریف

قرآن کریم نے اہل قبا کی تعریف کی۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ ﴾

[التوبہ:۱۰۸]

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے گروہ انصار! بیشک اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی اور طہارت کے بارے میں تمھاری بہت اچھی تعریف فرمائی ہے تمھاری یہ پاکیزگی کیسی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور جنابت کی حالت میں غسل کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ اس کے سوا کوئی نہیں، بیشک ہم میں سے کوئی جب پیشاب و پاخانہ کے لیے نکلتا ہے تو وہ زیادہ پسند کرتا ہے کہ پانی کے ساتھ استنجا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات ہے، پس تم اسے لازم پکڑے رکھو۔ (بیہقی فی شعب الایمان/فضل الوضوء ۱۸/۳)

طہارت کی اہمیت

شریعت اسلامیہ نے طہارت پر بہت ہی زیادہ زور دیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند احادیث پیش کی جاتی ہے۔

(۱) مسلم شریف کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طہارت اور صفائی آدھا ایمان ہے۔ (مسلم: کتاب الطہارت/باب فضل الوضوء/رقم الحدیث: ۲۲۳)

(۲) کنز العمال میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ اسلام میں نظافت اور صفائی ہے، لہٰذا تم صفائی حاصل کیا کرو۔(کنز العمال/رقم الحدیث: ۲۵۹۹۶)

(۳) کنز العمال کی ایک اور روایت ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے طہارت اور پاکی کا حساب ہوگا۔(شمائل کبریٰ ۳۱/۶ بحوالہ کنز العمال)

اگر یہاں سوال کیا جائے کہ سب سے پہلے تو نماز کا حساب ہوگا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ طہارت نماز کے لیے شرط ہے۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جنت میں پاک صاف رہنے والے ہی داخل ہوں گے۔(کنز العمال/رقم الحدیث:۲۵۹۹۶)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے جسم کو پاک رکھو، خدا تمھیں پاک رکھے گا۔(المعجم الکبیر للطبرانی/رقم الحدیث: ۱۳۶۲۰)

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے طہارت کی کیا اہمت بتلائی ہے۔اسی لیے شریعت اسلامیہ نے مختلف حالات میں، مختلف اوقات اور مواقع میں طہارت کو انجام دینے کا درس دیا ہے۔

بدن کی صفائی

شریعت اسلامیہ نے سب سے پہلے بدن کی طہارت وصفائی کا حکم دیا ہے۔اور اسی لیے بہت سے احکام جاری کیے ہیں۔

پہلی صورت: غسل کرنا

شریعت نے ہمیں مختلف موقعوں پر غسل کا درس دیا ہے۔ یہ غسل چار طرح کے ہیں۔

(۱) فرض: فرض غسل یہ ہے: حیض سے پاکی کا غسل، نفاس سے پاکی کا غسل، ہمبستری کرنا اور احتلام ہونا۔

(۲) واجب: واجب غسل صرف ایک ہی ہے یعنی میت کو غسل دینا۔

(۳) سنت: سنت غسل یہ ہے۔ جمعہ کا، دونوں عید کا، عرفہ کے دن کا اور احرام باندھنے کے لیے۔

(۴) مستحب: مستحب غسل بھی صرف ایک ہے، یعنی جس نے اسلام قبول کرلیا ہو اس کے لیے بہتر ہے کہ غسل کرلے۔

اب آپ دوسرے مذاہب کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا ان کے یہاں ان سارے غسلوں کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

دوسری صورت: وضو کرنا

شریعت میں وضو کی بڑی اہمیت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کے متعدد فضائل بیان فرمائے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند فضائل پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے کہ میری امت کے لوگ وضو کے نشانات کی وجہ سے قیامت کے دن سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والوں کی شکل میں بلائے جائیں گے۔ تو تم میں سے جو کوئی اپنی چمک بڑھانا چاہتا ہے تو وہ بڑھالے (یعنی وضو اچھی طرح کرے)۔ (بخاری: کتاب الوضوء / باب فضل الوضوء / رقم الحدیث: ۱۳۶)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرستان تشریف لائے اور فرمایا سلامتی ہو تم پر مومنوں کے گھر، ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کو دیکھیں۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی نہیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہوں اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔ صحابہ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے ان لوگوں کو اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بھلا تم دیکھو اگر کسی شخص کی سفید پیشانی والے سفید پاؤں والے گھوڑے سیاہ گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو ان میں سے پہچان نہ لے گا صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ جب آئیں گے تو وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے چہرے ہاتھ اور پاؤں چمکدار اور روشن ہوں گے اور میں ان سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور سنو بعض لوگ میرے حوض سے اس طرح دور کیے جائیں گے جس طرح بھٹکا ہوا اونٹ دور کر دیا جاتا ہے میں ان کو پکاروں گا ادھر آؤ تو حکم ہو گا کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد دین کو بدل دیا تھا تب میں کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔ (مسلم: کتاب الطہارت/باب استحباب اطالۃ الغرۃ و التحجیل فی الوضوء/رقم الحدیث: ۲۴۹)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ مسلمان یا مؤمن وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے آنکھوں سے کیے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ جو انھوں نے کسی چیز کو پکڑ کر کیے

جھڑ جاتے ہیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ، جب وہ اپنے پاؤں کو دھوتا ہے تو پاؤں جن گناہوں کی طرف چل کر گئے وہ تمام گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو کر نکلتا ہے۔

(مسلم: کتاب الطہارت/باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء/رقم الحدیث: ۲۴۴)

(۴) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں خیال کرتا تھا کہ لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں اور وہ کسی راستے پر نہیں ہیں اور وہ سب لوگ بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ میں نے ایک آدمی کے بارے میں سنا کہ وہ مکہ میں بہت سی خبریں بیان کرتا ہے تو میں اپنی سواری پر بیٹھا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھپ کر رہ رہے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسلط تھی پھر میں نے ایک طریقہ اختیار کیا جس کے مطابق میں مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نبی ہوں، میں نے عرض کیا نبی کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس چیز کا پیغام دے کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ صلہ رحمی کرنا اور بتوں کو توڑنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا میں نے عرض کیا کہ اس مسئلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک آزاد اور ایک غلام راوی نے کہا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت

تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیا تم میرا اور لوگوں کا حال نہیں دیکھتے؟ اس وقت تم اپنے گھر جاؤ، پھر جب سنو کہ میں ظاہر (غالب) ہو گیا ہوں تو پھر میرے پاس آنا۔

وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر کی طرف چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں آ گئے، تو میں اپنے گھر والوں میں ہی تھا اور لوگوں سے خبریں لیتا رہتا تھا اور پوچھتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ والوں سے میری طرف کچھ آدمی آئے تو میں نے ان سے کہا کہ اس طرح کے جو آدمی مدینہ منورہ میں آئے ہیں وہ کیسے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ لوگ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں، ان کی قوم کے لوگ انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو میں مدینہ منورہ میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! تم تو وہی ہو جس نے مجھ سے مکہ میں ملاقات کی تھی۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔

پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ سکھایا ہے مجھے اس کی خبر دیجیے اور میں اس سے جاہل ہوں مجھے نماز کے بارے میں خبر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صبح کی نماز پڑھو، پھر نماز سے رکے رہو یہاں تک کہ سورج نکل آئے اور نکل کر بلند ہو جائے، کیونکہ جب سورج نکلتا ہے اور اس وقت کافر لوگ اسے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھو، کیونکہ اس وقت کی نماز کی گواہی فرشتے دیں گے اور حاضر ہوں گے، یہاں تک کہ سایہ نیزے کے برابر ہو جائے۔ پھر نماز سے رکے رہو، کیونکہ اس وقت جہنم جھونکی جاتی ہے۔ پھر جب سایہ آ جائے تو نماز پڑھو، کیونکہ اس وقت کی نماز کی فرشتے گواہی دیں گے اور حاضر کیے جائیں گے، یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھو۔ پھر سورج کے غروب ہونے تک نماز سے رکے

رہو، کیونکہ یہ شیطان کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کافر لوگ اسے سجدہ کرتے ہیں۔

میں نے عرض کیا وضو کے بارے میں بھی کچھ بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جو وضو کے پانی سے کلی کرے اور پانی ناک میں ڈالے اور ناک صاف کرے مگر یہ کہ اس کے منہ اور نتھنوں کے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ منہ دھوتا ہے جس طرح اللہ نے اسے حکم دیا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں کے ساتھ لگ کر پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو دونوں پاؤں کے گناہ انگلیوں کے پوروں کی طرف سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں۔ پھر اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور اللہ کی حمد و ثنا اور اس کی بزرگی اور اس کے شایان شان بیان کرے اور اپنے دل کو خالص اللہ کے لیے فارغ کر لے تو وہ آدمی اپنے گناہوں سے اس طرح پاک و صاف ہو جاتا ہے جس طرح کہ آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو حضرت ابوامامہ نے فرمایا کہ اے عمرو بن عبسہ دیکھو! کیا کہہ رہے ہو؟ کیا ایک ہی جگہ میں آدمی کو اتنا ثواب مل سکتا ہے؟ تو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ابوامامہ! میں بڑی عمر والا ہو گیا ہوں اور میری ہڈیاں نرم ہو گئی ہیں اور میری موت قریب آ گئی ہے، تو اب مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولوں؟ میں نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ یہاں تک کہ سات مرتبہ بھی سنتا تو میں کبھی بھی اس حدیث کو بیان نہ کرتا، لیکن میں نے تو اس حدیث کو اس

سے بھی بہت زیادہ مرتبہ سنا ہے۔(مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ/باب اسلام عمـرو بن عبسہ/رقم الحدیث: ۸۳۲)

تیسری صورت: مسواک کرنا

اسلام نے منھ کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے مسواک کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا، تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔(مسلم: کتاب الطھارۃ/باب السواک/رقم الحدیث: ۲۵۲)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے کون سا کام کرتے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ مسواک کرتے۔(مسلم: کتاب الطھارۃ/باب السواک/رقـم الحـدیث: ۲۵۳)

چوتھی صورت: ختنہ کرنا

اسلام نے بیماری سے محفوظ رہنے کے لیے مسلمانوں کو ختنہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر مذاہب کے حاملین بھی موجودہ دور میں حفظان صحت کے لیے ختنــہ کرواتے ہیں۔

پانچویں صورت: ناخن تراشنا

بدن کی صفائی ستھرائی میں ناخنوں کو تراشنا بھی شامل ہے، اس سے ناخن میں میـل کچیل جنم نہیں لیتے اور انسانی طبیعت میں ایک طرح کی توانائی پیدا ہوتی ہے اور انسان بہت سی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے مونچھیں

ترشوانے، ناخن کاٹنے، بغلوں کے بال اکھیڑنے اور زیر ناف کے بال صاف کرنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن مقرر کی گئی ہے۔(مسلم: کتاب الطھارۃ/باب خصال الفطرۃ/رقم الحدیث: ۲۵۸)

چھٹی صورت: کنگھی کرنا

بالوں میں تیل لگانا اور انھیں سنوارنا مستحب ہے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے بال رکھے ہوئے ہیں وہ بالوں کی تکریم کرے۔ حدیث کے الفاظ وہ بالوں کی تکریم کرے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں دھو کر تیل لگائے اور کنگھی کر کے صاف ستھرا اور خوشنما رکھے، بالوں کو بکھرا ہوا مت رکھے، کیوں کہ صفائی ستھرائی اور خوبصورتی مطلوب امر ہے، تاہم بالوں کی دیکھ بھال اور بناؤ سنگھار میں مبالغہ کرنا قابل مذمت ہے۔

کپڑوں کی صفائی

بدن کی صفائی کے بعد اسلام نے لباس و پوشاک اور کپڑوں کی بھی صفائی ستھرائی کا حکم دیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر زیارت کی نیت سے تشریف لائے، تو آپ نے پراگندہ بال والے ایک آدمی کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ کیا اسے اپنے بال درست کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملتی؟ پھر آپ نے ایک دوسرے آدمی کو دیکھا جو گندے کپڑے پہنا ہوا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ کیا اسے پانی نہیں ملتا کہ اس سے اپنے کپڑے دھولے؟ (ابوداود: کتاب اللباس/باب غسل الثوب وفی الخلقان/رقم الحدیث: ۴۰۶۲)

شریعت نے نہ صرف کپڑوں کی طہارت کا حکم دیا ہے بلکہ کپڑوں کو نجس چیزوں سے

محفوظ رکھنے کا بھی حکم دیا ہے، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیے جارہے ہیں اور کسی بڑی چیز کے سبب عذاب نہیں دیے جارہے، ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا۔ (بخاری: کتاب الجنائز/باب الجرید علی القبر/رقم الحدیث: ۱۳۶۱)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رتی برابر بھی غرور اور گھمنڈ ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا، ایک شخص نے عرض کیا کہ ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے عمدہ ہوں اور اس کا جوتا بھی اچھا ہو، تو کیا یہ غرور اور گھمنڈ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے، غرور اور گھمنڈ یہ ہے کہ انسان حق بات کو رد کردے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ (مسلم: کتاب الایمان/باب تحریم الکبر وبیانہ/رقم الحدیث: ۹۱)

کپڑوں کی صفائی پر ایک عجیب واقعہ

کچھ عرصے پہلے کی بات ہے کہ ایک مسلمان طالب علم ''لندن'' میں تعلیم حاصل کررہا تھا۔ وہ جس مکان میں مقیم تھا، اُس میں ایک انگریز خاتون رہتی تھی۔ اور وہاں مختلف ممالک کے طلبہ بھی مقیم تھے۔ اِس عورت نے طالب علم سے کہا کہ کیا آپ کو میرے کپڑے دھونے پر بھروسہ نہیں ہوتا؟ طالب علم نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ مجھے بھروسہ ہے کہ آپ کپڑے ٹھیک دھوتی ہیں! خاتون نے پوچھا کہ پھر آپ اپنے کپڑے خود دھوکر میرے حوالے کیوں کرتے ہیں؟ طالب علم نے کہا کہ اگر مجھے کپڑے خود دھونے ہوتے تو میں آپ کے حوالے

کیوں کرتا؟ واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے کپڑے دھو کر آپ کو نہیں دیتا، ویسے ہی دے دیتا ہوں۔ خاتون نے کہا کہ پھر یہ کیا بات ہے کہ مجھے دوسرے لوگوں کے زیر جامہ میں طرح طرح کے دھبے اور بدبو محسوس ہوتی ہے، لیکن آپ کے زیر جامہ پر کبھی ایسی کوئی چیز مجھے نہیں ملی۔ طالب علم نے جواب دیا کہ محترمہ! میں مسلمان ہوں! میرا دین مجھے پاکی اور نظافت کا حکم دیتا ہے، اگر میری شلوار یا زیر جامے پر پیشاب کا قطرہ بھی پھیل جائے تو ایسی حالت میں اُس وقت تک نماز نہیں پڑھتا جب تک اُسے دھو نہ لوں، اِس لیے میرے کپڑوں میں کوئی ناپاک چیز نہیں رہ سکتی۔ اور جب کپڑے اُتارتا ہوں ہوں تو وہ پاک صاف ہوتے ہیں۔ انگریز خاتون بولی کہ تمھارا اسلام اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی تمھیں تعلیم دیتا ہے؟ طالب علم نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کو ہر وقت یاد رکھیں! چناں چہ جب میں بیت الخلاء جاتا ہوں تو پہلے ایک دعا پڑھتا ہوں، نکلتا ہوں تو دُوسری دعا پڑھتا ہوں، جب نئے کپڑے پہنتا ہوں تب بھی دعا پڑھتا ہوں، اسی طرح کھانا کھانے، گھر سے نکلنے، سونے، جاگنے اور زندگی کے ہر اہم کام کے موقع پر ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعائیں سکھائی ہیں۔ وہ پڑھتا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا تعلق مضبوط رہے۔ کیوں کہ یہ تعلق ہی صحیح راستہ کی طرف میری ہدایت کرتا ہے۔ اور مجھے ایسے کاموں سے باز رکھتا ہے جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہوں۔

انگریز خاتون کو اِس نوجوان کی یہ باتیں بڑی عجیب مگر بڑی دل کش محسوس ہوئیں۔

اِس کے بعد اُس نوجوان کی نشست و برخاست، اُس کے رہن سہن اور عادات واطوار غور سے دیکھتی رہی، اور اُس کی تہذیب، اُس کی شائستگی، اُس کی پاکیزگی، اُس کی عفت اور فضولیات

سے اُس کے اجتناب نے رفتہ رفتہ اُس خاتون کے دل میں اسلام کے لیے ایک جستجو پیدا کردی۔ وہ اُس نوجوان سے اسلامی تعلیمات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرتی رہی، یہاں تک کہ اسلام کی حقانیت اُس کے دل میں گھر کرگئی۔ حق کے نور نے اُس کے دل کو بھی منور کردیا۔ اور وہ نہ صرف یہ کہ خود مسلمان ہوئی، بلکہ اپنے خاندان کے متعدد افراد کو بھی مسلمان کرلیا۔ (مجلہ التضامن الاسلامی رشوال ۱۴۴۰ھ)

برتنوں کی صفائی

جس طرح اسلام نے ظاہر بدن اور کپڑوں کی طہارت ونظافت کے بہت سارے احکام بیان کیے ہیں اسی طرح برتنوں کو ڈھانپنے، انھیں صاف ستھرا رکھنے کی تعلیم دی ہے، بلکہ حدیث پاک میں تو یہ فرمایا گیا کہ کتا اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے۔ (مسلم: کتاب الطهارة رباب حكم ولوغ الكلب ررقم الحديث: ۲۷۹)

ایک حدیث میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سوتے وقت برتنوں کو ڈھانپ دو، مشکیزہ کا منھ باندھ دو، دروازہ بند کرلو اور چراغ بجھادو، اس لیے کہ شیطان کسی منھ باندھا ہوا مشکیزے اور بند دروازے کو نہیں کھولتا ہے اور نہ کسی بندھن اور برتن کو کھولتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص برتن پر لکڑی کو چوڑائی میں رکھنے اور بسم اللہ کہنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ پائے تو ضرور ایسا کرے، (اور چراغ اس لیے بجھادو کہ) چوہا لوگوں کا گھر جلادیتا ہے۔ (ترمذی: ابواب الاطعمة رباب تخمير الاناء واطفاء السراج والنار عند المنام ررقم الحديث: ۱۸۱۲)

پانی کی صفائی

پانی ہر مخلوق کی ضرورت ہے، اس کے بغیر حیات ممکن نہیں، یہی وجہ ہے کہ قــرآن وحدیث میں پانی کی اہمیت وضرورت، اس کی حفاظت وصیانت اور اس کے طریقۂ استعمال اور صفائی ستھرائی کے متعلق متعدد احادیث موجود ہیں۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرو جو جاری نہ ہو (تاکہ ایسا نہ ہو کہ) پھر تم اسی سے غسل کرو۔ (مسلم: کتاب الطھارۃ/باب النہی عن الاغتسال فی الماء/رقم الحدیث: ۲۸۳)

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی سو کر اٹھے تو اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں نہ ڈالے جب تک اسے تین بار دھو نہ لے، اس لیے کہ اسے نہیں معلوم کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (بخاری: کتاب الوضوء/بــاب الاستجمار وترا/رقم الحدیث: ۱۶۲)

راستوں کی صفائی

اسلام نے سڑکوں، راستوں، گزرگاہوں اور گلیوں کو بھی پاک وصاف رکھنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور ان میں گندگیاں پھیلانے سے منع کیا ہے۔ ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو لعنت کے سبب بننے والے کاموں سے بچو، لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگوں کے راستے اور ان کے سایہ دار جگہوں میں قضائے حاجت کرتا ہے۔ (مسلم: کتاب الطھارۃ/باب النہی عن التخلی فی الطــرق و الظلال/رقم الحدیث: ۲۶۹)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی موت کا واقعہ

صاحب منہل نے لکھا ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی موت سوراخ میں پیشاب کرنے کے بعد اچانک گر کر ہوگئی۔ علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے بعد لوٹے اور کہا مجھے کمر میں تکلیف ہورہی ہے، پھر تھوڑے وقفہ سے انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال پر یہ آواز سنی گئی کہ ''ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا، ہم نے انھیں تیر مارا اور تیر نے ان کے بدن تک پہونچنے میں خطا نہیں کی''۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲/۲۶)

مساجد کی صفائی

اسلامی معاشرے میں مساجد کی اہمیت وضرورت مسلم ہے، وہاں پر عبادت کے علاوہ دیگر خدمات بھی انجام دی جاتی ہیں، جس کی بنا پر لوگوں کا بکثرت آنا جانا ہوتا ہے، اسی لیے شریعت نے جہاں مساجد کی تعمیر کا حکم دیا ہے وہی ان کی دیکھ بھال اور صفائی ستھرائی کا بھی حکم دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ثواب میرے سامنے پیش کیے گئے۔ یہاں تک کہ اس کوڑے اور خاک کا ثواب بھی جسے کسی آدمی نے مسجد سے (جھاڑو دے کر) نکالا ہو، نیز میرے سامنے میری امت کے گناہ بھی پیش کیے گئے۔ ان گناہوں میں مجھ کو اس سے بڑا کوئی گناہ نظر نہیں آیا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو۔ (ابوداود: کتاب الصلوۃ باب فی کنس المسجد/ رقم الحدیث: ۴۶۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسجد

سے کوڑا کرکٹ نکال دے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔(ابن ماجہ: ابواب المساجد و الجماعات/باب تطہیر المساجد و تطیبیھا/رقم الحدیث:۷۵۷)

طہارت کے درجات

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''احیاء العلوم'' میں طہارت کے چار درجے بیان فرمائے ہیں۔

(۱) ظاہر بدن کو نجاست وغیرہ سے پاک رکھنا۔

(۲) اعضا کو گناہوں اور خطاؤں سے پاک رکھنا۔

(۳) دل کو اخلاق رذیلہ اور عاداتِ خبیثہ سے پاک رکھنا۔

(۴) باطن کو خدا کے سوا ہر چیز سے پاک رکھنا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ چوتھی طہارت حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ مخصوص ہے۔(احیاء العلوم مترجم:۱/۲۳۲)

بہر حال! شریعت اسلامیہ نے ہر طرح کی طہارت پر زور دیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ظاہر و باطن کی طہارت وصفائی کی نعمت سے مالا مال فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۱۰)

ظالمین کی طرف میلان نہ رکھیں

تعارف

۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۲/ اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: جمعرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○﴾ [ھود: ۱۱۳]

تمہید

یہ سورۂ ہود کی ۱۱۳ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ظالمین کی طرف میلان رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر تم ظالمین کی طرف میلان رکھوں گے تو تمھیں جہنم کی آگ چھوئے گی، پھر تمھارا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

لفظ ترکنوا کی تفسیر

اس آیت میں لفظ ترکنوا لایا گیا ہے۔ یہ لفظ رکن سے بنا ہے اور حضرات مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں۔

(۱) رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ تم ظالمین کی طرف محبت اور دل کا میلان مت رکھو۔

(۲) مفسر ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم ظالمین کے اعمال پر راضی مت رہو۔

(۳) بعض علما کی رائے یہ ہے کہ تم ظالمین کی خوشامد مت کرو۔

(۴) حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ تم ظالمین کی اطاعت مت کرو۔ (بغوی مترجم: ۳/ ۱۰۷)

ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ظالمین کی یعنی اسلام کے دشمنوں کی اطاعت اوران کی مشابہت ونقالی سے روکا ہے۔ظالمین میں جہاں غیر مسلمین شامل ہیں وہیں ظالمین سے وہ مسلمان بھی مراد جو مسلمان تو ہیں مگر اسلام اوراس کی تعلیمات سے میلوں و کوسوں دور ہیں۔

غیروں کی مشابہت سے کیوں روکا گیا؟

اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ ہمیں غیروں کی مشابہت سے کیوں روکا گیا؟

غیروں کی مشابہت سے روکے جانے کی چند وجوہات ہیں۔

(۱) غیروں کی مشابہت اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کا سبب ہے،اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی صراط مستقیم سے ہٹنے کا سبب ہے،اورصراط مستقیم سے ہٹنا جہنم میں جانے کا سبب ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝ ﴾ [النساء ۱۱۵:]

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ہمیں کامل دین عطا فرمایا ہے۔یہ دین دائمی ہے،یہ دین عالمی ہے،یہ دین ناقابل تبدیل ہے،اس دین میں ماں کی گود سے لے کر قبر کے گڑھے تک کے تمام امور کی

ہدایت ورہنمائی موجود ہے۔ حجۃ الوداع میں میدان عرفات میں جمعہ کے روز عصر کے بعد آخری گھڑی میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدہ:۳]

کہ آج کے دن ہم تم پر تمھارے دین کومکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو پورا کر دیا۔ اس آیت کونازل کر کے ایک اعلان کروادیا گیا کہ اب دین کی تکمیل ہوچکی ہے۔ اب کفار کی مشابہت اختیار کرنے میں وہم ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے دین کو ناقص اور ادھورا سمجھ رہے ہیں جب کہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے دین مکمل کر دیا ہے۔

(۳) حق تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے اسوہ اور نمونہ بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی فرمائی ہیں۔ ہماری زندگی کا کوئی حصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے خالی اور تشنہ نہیں ہے۔ اب ہم جن امور میں غیروں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن چیزوں میں ہم اپنے نبی کی تعلیم کو ناکافی سمجھتے ہیں۔

(۴) غیروں کے اعمال کی بنیاد گمراہی اور فساد پر ہوتی ہے۔ غیروں کی نقالی اور مشابہت ہم جانتے ہوئے کریں یا انجانے میں کریں، ہر حال میں وہ فساد کو شامل ہے۔

(۵) غیروں کی مشابہت اختیار کرنے میں ان کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے، اور یہ بات سراسر ایمان کے خلاف ہے۔ ایک مسلمان کا قلبی لگاؤ اور دلی موانست صرف ایمان والے کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔ اسی لیے قرآن پاک نے متعدد مقامات پر غیروں سے دلی دوستی کو روکا

ہے۔

(٦) غیروں کی مشابہت اور نقالی مسلمان کو ذلتی اور پستی کی طرف لے جاتی ہے۔

(۷) غیروں کی مشابہت اختیار کرنا گویا ان کو اپنا سردار تسلیم کرنا ہے اور خود کو ان کا غلام ماننا ہے۔

(۸) غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے خلاف ہے۔ ہر قوم کی ایک پہچان ہوتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فلاں قوم کا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے طور طریقے دوسری قوموں سے الگ ہو نہ کہ ان کے مشابہ۔

(۹) غیروں کی مشابہت اختیار کرنا اپنی قوم سے بے تعلقی کی دلیل ہے۔

(۱۰) جب کوئی شخص اسلامی طور طریقے کو چھوڑ کر غیروں کی مشابہت اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی کوئی عزت باقی نہیں رہے گی۔ اور جب اپنی قوم میں ہی اس کی کوئی عزت نہ رہی تو غیروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کی عزت کریں۔

(۱۱) جب کوئی مسلمان غیروں کی مشابہت اختیار کرے گا تو وہ رفتہ رفتہ اسلامی طور طریقوں کو حقیر سمجھنے لگے گا، جس سے اس کا دین وایمان کمزور ہو جائے گا۔

(۱۲) غیروں کی مشابہت اختیار کرنے سے اسلامی احکام جاری کرنے میں دشواری پیش آئے گی۔ مسلمان کی کافرانہ صورت دیکھ کر کوئی اس کو یہودی سمجھے گا، کوئی نصرانی کہے گا تو کوئی ہندو کہے گا۔ اور اگر کہیں سے اس کی لاش مل جائے تو تذبذب ہوگا کہ اس کافرنما انسان کی جنازے کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ اس کو دفنایا جائے یا جلایا جائے؟

(۱۳) افسوس صد افسوس! ہم دعوے تو اسلام کے کرتے ہیں اور طور طریقے غیروں کے اپناتے

ہیں۔ جب ہمارا طرز زندگی اسلام کے دشمنوں جیسا ہے تو پھر ہم اسلام کے دعوے ہی کیوں کریں؟ اسلام کو ایسے مسلمانوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ کوئی پرواہ ہے جو اُس کے دشمنوں کے طور طریقوں کو اپنے لیے باعث عزت سمجھتا ہو۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۳/ ۲۷۳)

کن چیزوں میں غیروں کی مشابہت ممنوع ہے؟

اگر سوال کیا جائے کہ غیروں کی مشابہت کن چیزوں میں ممنوع ہے؟

(۱) اعتقادی امور میں

غیروں کی مشابہت سب سے پہلے اعتقادی امور میں ممنوع ہے۔ یہ چیز سب سے خطرناک ہے۔ جیسا کہ غیر لوگ اپنے بڑوں کے سامنے، بتوں کے سامنے جھکتے ہیں، ماتھا ٹیکتے ہیں اگر ہم بھی ایسا کریں تو یہ ہمارے ایمان کا سودا ہے۔

اس کی ایک مثال سمجھیں۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے، بعد میں اسلام لائے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کے گلے میں صلیب (کراس کا نشان) لٹکا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عدی! تمھارے گلے میں یہ بت کیسا ہے؟ (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ باب ومن سورۃ التوبۃ/ ۳۰۹۵)

(۲) جشن اور تہوار میں

غیروں کی مشابہت جشن اور تہوار میں بھی منوع ہے۔

علمائے یہود کا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے سوال

ایک مرتبہ چند علمائے یہود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

عرض کیا کہ تمھارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوئی ہوتی تو وہ اس کے نزول کے دن کو جشن اور عید کا دن مناتے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ وہ کونسی آیت ہے۔ انھوں نے یہی آیت

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدہ:۳]

پڑھ دی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی۔ اشارہ اسی بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لیے دوہری عید کا دن تھا ایک عرفہ دوسرے جمعہ۔ (بخاری: کتاب التفسیر / سورۃ المائدۃ / باب قوله الیوم اکملت لکم دینکم و قال ابن عباس مخمصة مجاعة / رقم الحدیث: ۴۶۰۶)

پتنگ مذہبی تہوار کیسے بنا؟

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، اس واقعہ نے پتنگ بازی کو تاریخ میں پہلی بار ثقافتی سے مذہبی تہوار میں تبدیل کر دیا۔ اورنگ زیب کے دور میں حقیقت رائے نام کے ایک لڑکے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالا۔ جس کی تفصیل ایک غیر مسلم مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار جو مذہباً سکھ برادری سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے اپنی کتاب (punjab under the later mughals) یعنی پنجاب مغل کے آخری دور میں یہ بیان کی ہے کہ سیالکوٹ کے علاقے کا ایک لڑکا حقیقت رائے جو کھتری برادری سے تعلق رکھتا تھا، جس کی شادی پٹیالہ کے کشن سنگھ نامی ایک سکھ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ حقیقت رائے کو ایک مسلم اسکول میں داخل کیا گیا، وہاں کسی مسلمان ٹیچر نے غیر

مسلموں کی کسی دیوی دیوتا کے متعلق کچھ توہین آمیز باتیں کہی۔ حقیقت رائے نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس نے بھی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخانہ کلمات بکے۔ مسلمانوں نے اسے مغلظات بکتے ہوئے پکڑ لیا، ملزم کو عدالت میں پیش کیا گیا، قاضی نے جرم ثابت ہونے پر حقیقت رائے کو سزائے موت سنادی۔ اس واقعہ سے پنجاب کی ساری غیر مسلم برادری کو بڑا دھچکا لگا۔ کچھ غیر مسلم افسر لاہور کے گورنر زکریا خان کے پاس گئے اس کی سزائے موت کو معاف کرانے کے لیے، مگر انھوں نے اس سزا کو برقرار رکھا۔ بالآخر حقیقت رائے کو پھانسی دے دی گئی۔ حقیقت رائے پھانسی کی سزا پا کر ہندوؤں کا مذہبی ہیرو بن گیا، جس دن حقیقت رائے کو پھانسی دی گئی ہندوؤں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہنے، حقیقت رائے کی لاش اٹھائی اور گاتے بجاتے اسے شمشان گھاٹ تک لے گئے، مسلمانوں نے اسے توہین آمیز قرار دیا، لیکن ہندوؤں نے پیلے کپڑے اور رقص و سرور کو بسنت کہہ کر جان بچائی۔ ایک غیر مسلم رئیس کالو رام نے وہاں سمادھی بنادی۔ اگلے سال ہندوؤں نے حقیقت رائے کی برسی منائی اور اس برسی پر پیلے کپڑے پہن کر اور ناچ گا کر حقیقت رائے سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار کیا، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ بسنت کے تہوار کی پہلی پہلی پتنگ بھی حقیقت رائے کی سمادھی پر ہی اڑائی گئی۔ (بسنت کیا ہے؟ ص:۵۱)

ایک عبرتناک واقعہ

آپ بیتی میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا عبرتناک واقعہ بیان کیا ہے ایک بزرگ راستے سے جارہے تھے۔ ہولی کا دن تھا ایک مریل قسم کے گدھے کو دیکھا تو انھیں شرارت سوجھی۔ گدھے کو خطاب کر کے کہا کہ تجھے کسی نے رنگا نہیں؟ لاؤ میں تجھ کو رنگ

دوں۔ یہ کہہ کر پان کی پیک اس پر اڑا دی۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہوا تو خواب میں کسی نے دیکھا کہ بڑی اچھی حالت میں ہے البتہ ان کے ہونٹ پر ایک چھوٹا سا سپولیا ٹہل رہا ہے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے ہولی کے دن ایک گدھے کو یہ کہہ کر پان کی پیک اڑائی تھی کہ تجھے کسی نے رنگا نہیں تو میں تجھ کو رنگ دوں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ غیروں کی مشابہت اور نقالی کتنی خطرناک چیز ہے۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین: ۱۰/ ۴۷)

آج ہمارا حال یہی ہے کہ ہم شادی بیاہ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر کوئی مفتیوں کو نہیں پوچھتا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے، بلکہ گھر کی مستوارت مفتنیں بن جاتی ہیں، جن کو ساری رسومات زبانی یاد ہوتی ہیں۔ ہلدی کی رسم ادا ہو رہی ہے، اور لڑکے کو ہلدی لگانے سسرال کی اجنبی وغیر محرم عورتیں آتی ہیں، اس سے بڑھ کر بے شرمی کیا ہوگی؟

اسی طرح بارہ ربیع الاول کو عید میلاد منایا جاتا ہے جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صاف فرماتے ہیں کہ تمھارے لیے عید اور خوشی کے دو ہی دن ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ پھر لائٹیں لگائی جاتی ہیں۔ بتایئے ہم میں اور غیروں میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی اپنے مخصوص تہوار میں لائٹیں لگاتے ہیں اور ہم بھی لگائیں، اور اتفاقاً دونوں ایک ساتھ آ جائیں تو مسلمان اور غیر کے محلوں میں فرق کیا رہے گا؟

(۳) عبادات میں

شریعت کا مزاج تو یہ ہے کہ وہ عبادات میں بھی غیروں کی مشابہت کو پسند نہیں کرتی۔ جیسے بغیر سحری کے روزہ رکھنا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ ہمارے اور یہود ونصاریٰ کے روزے میں فرق یہی ہے کہ ہم سحری کر کے روزہ رکھتے ہیں اور وہ لوگ بغیر سحری کے۔ (مسلم: کتاب الصیام/باب فضل السحور/رقم الحدیث: ۱۰۹۶)

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، مگر یہودیوں کو بھی روزہ رکھتے دیکھا تو فرمایا کہ اگلے سال زندہ رہا تو ایک روزہ ملالوں گا۔ (مسلم: کتاب الصیام/باب ای یوم تصام فی عاشوراء/رقم الحدیث: ۱۱۳۴)

اسی طرح تین اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت رکھی گئی، کیوں کہ ان تین اوقات میں مشرکین اور مجوس آفتاب کی عبادت کیا کرتے تھے، ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو اس لیے تین اوقات (سورج طلوع ہوتے وقت، سورج کے درمیان میں آنے کے وقت اور سورج کے غروب کے وقت) ہمیں نماز سے روک دیا گیا۔

(۴) عادت واخلاق میں

غیروں کی مشابہت عادات اور اخلاق میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ مثلاً ان کے طرز پر کھانا، ان کے جیسا لباس پہننا، ان کے جیسی شکل وصورت بنانا سب ناجائز اور حرام ہے۔

اسلام میں داڑھی کی اہمیت

(۱) ایک حدیث میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ (بخاری: کتاب اللباس/باب تقلیم الاظفار/رقم الحدیث: ۵۸۹۲)

(۲) ایک اور روایت ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مونچھیں تراشو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔ (مسلم: کتاب الطهارة/باب خصال الفطرة/رقم الحدیث:

(۲۶۰

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مختلف ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خطوط لکھیں، تو ان میں سے ایک خط کسریٰ شاہ فارس کے نام بھی لکھا۔ اُس کے پاس جب نامۂ مبارک پہونچا تو اس نے اس کو پھاڑ دیا اور یمن کے گورنر کو لکھا کہ دو مضبوط آدمیوں کو حجاز بھیجو جو اس شخص کو لے کر آئیں جس نے مجھے یہ خط تحریر کیا ہے۔ چنانچہ یمن کے گورنر نے شاہ فارس کسریٰ کے حکم سے دو فوجیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا۔ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، ان کی داڑھیاں مونڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں فرمایا، پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم دونوں کے لیے عذاب ہے، کس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے؟ دونوں نے کہا کہ ہمارے رب یعنی کسریٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ (اللہ سے شرم کیجیے ، ص: ۱۰۲)

مدینہ منورہ کے ایک بزرگ کا واقعہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک بزرگ سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں مدینہ منورہ میں ایک بزرگ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب بھی روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں تو ہم کلامی کا شرف نصیب ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کلامی کے دوران انھوں نے عرض کیا پیارے آقا! جب آپ بقیدِ حیات تھے اور کوئی شخص آپ کی خدمت میں آتا اس حال میں کہ وہ داڑھی منڈا ہو تو آپ کی عادت تھی کہ آپ اس کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے، اب آپ کی عادت کیا

ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب بھی میری یہی عادت ہے۔یعنی کوئی داڑھی منڈا شخص روضۂ اقدس پر سلام کے لیے آتا ہے تو اسے جواب نہیں ملتا۔کتنی بدنصیبی اور محرومی کی بات ہے۔(مسنون داڑھی ضرور رکھوں گا رص:۱۵۲)

ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا

عہد نبوی میں عرب متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھتے تھے۔''ازار'' یعنی تہبند اس طرح باندھتے تھے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسیٹتا تھا،اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اسی قسم کے اسراف کے ذریعے اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے،گویا اپنے دل کے استکبار اور احساس بالاتری کے اظہار اور تفاخر کا یہ ایک ذریعہ تھا،اور اس وجہ سے متکبرین کا یہ خاص فیشن بن گیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی اور نہایت سنگین وعیدیں اس کے بارے میں سنائیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھیں گے جس نے اپنا کپڑا تکبر کے ساتھ کھینچا۔(بخاری:کتاب اللباس ر باب من جر ازارہ من غیر خیلاء ررقم الحدیث:۵۷۸۴)

(۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔(کپڑا) لٹکانے والا،احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کے ساتھ اپنا سامان بیچنے والا۔(مسلم:کتاب الایمان رباب تحریم اسبال الازار،رقم الحدیث:۱۰۶)

(۳) حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ آیا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کی عقل پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں لوگ اس پر عمل کرتے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دو مرتبہ یہ کہا علیک السلام کہ آپ پر سلام ہو اے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر کہا کہ علیک السلام نہ کہو، کیونکہ علیک السلام کہنا میت کے لیے دعا ہے، البتہ السلام علیک کہو۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! میں اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ کہ اگر تمھیں کوئی تکلیف ومصیبت پہنچے اور تم اسے پکارو تو وہ تمھاری تکلیف ومصیبت کو دور کرے، اگر تمھیں قحط سالی اپنی لپیٹ میں لے اور تم اسے پکارو تو زمین میں تمھارے لیے سبزہ (غلہ وغیرہ) اگا دے، اور اگر تم زمین کے کسی ایسے حصے میں اپنی سواری گم کر بیٹھو کہ جہاں نہ پانی کا نام ونشان ہو نہ درخت کا، یا کہ کوئی ایسا جنگل جو آبادی سے دور ہو اور پھر تم اسے پکارو تو وہ تمھاری سواری تمھارے پاس واپس بھیج دے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرما دیجیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی کو برا نہ کہو۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کسی کو برا نہیں کہا نہ آزاد کو، نہ غلام کو، نہ اونٹ کو اور نہ بکری کو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو (یعنی اگر تم کسی کے ساتھ نیکی کرو یا کوئی دوسرا تمھارے ساتھ نیکی کرے تو اسے بہت جانو اور اس کا شکریہ ادا کرو اور خود تم سے جو بھی نیکی ہو سکے اس کے کرنے کو غنیمت جانو) اور جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو تو خندہ پیشانی اختیار کرو (یعنی جب تم کسی سے ملو، تو اس سے

تواضع اورخوش کلامی سے پیش آؤ تاکہ تمھارے اس حسن خلق کی وجہ سے اس کا دل خوش ہو) کیونکہ یہ بھی ایک نیکی ہے اورتم اپنی ازار (یعنی پاجامہ لنگی وغیرہ) کونصف پنڈلی تک اونچارکھو، اگراتنااونچارکھناتم پسند نہ کرسکوتوٹخنوں تک رکھومگر (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو! اس لیے کہ (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانا تکبر کی علامت ہے اوراللہ تعالیٰ تکبرکو پسند نہیں کرتا۔ نیز اگر کوئی شخص تمھیں گالی دے اورتمھارے کسی ایسے عیب پر تمھیں عاردلائے جسے وہ جانتا ہےتوتم انتقاماً اس کے کسی عیب پر کہ جسےتم جانتے ہو اسے عارنہ دلاؤ، کیونکہ اس کا گناہ اسے ہی ملے گا۔

(ابوداود: کتاب اللباس / باب ماجاء فی اسبا الازار / رقم الحدیث: ۴۰۸۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نصیحت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جب سلطنتِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کواس بات کی فکر دامن گیر ہوئی کہ مسلمانوں کے عجمیوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے اسلامی امتیازات میں کوئی فرق نہ آجائے، اس خطرے کے پیش نظر آپ نے مسلمانوں کوتاکید کی کہ غیر مسلوں کی مشابہت سے پرہیز کریں، انکی جیسی صورت اورلباس ووضع قطع اختیار نہ کریں۔ اورغیر مسلموں کو کے لیے بھی فرمان جاری کیا کہ کفار اپنی خصوصیات میں نمایاں رہیں، مسلمانوں کی وضع قطع نہ اپنائیں تاکہ اپنوں میں اور پرایوں میں شبہ نہ ہو۔ (سیرت مصطفیٰ: ۳/ ۳۸۰)

حضرت ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذربائیجان میں تھے کہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خط بھیجا جس میں بہت سارے احکامات و ہدایات تھیں، منجملہ ان کے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ تم اپنے آپ کواہلِ شرک اوراہلِ کفر کے

لباس اور ہیئت سے دور رکھنا۔(بخاری: کتاب اللباس/باب لبس الحریر و افتراشہ للرجال و قدر مایجوز/رقم الحدیث:۵۸۲۸)

ایک سوال

یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ غیروں کا لباس اپنانے سے کیا فرق پڑتا ہے جب کہ بندہ توحید و رسالت کے عقیدے پر قائم ہے؟ غیروں کے لباس کا اور عقیدے کا کیا لینا دینا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک آدمی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بیگم صاحبہ کا لباس پہنے، سر پر دوپٹہ ڈال لے، ہاتھوں میں چوڑیاں پہن لے، گلے میں ہار ڈال لے، پیروں میں پازیب پہن لے اور پھر باہر آئے تو کیا بیگم بن جائے گا؟ کیا اس کی مردانگی میں فرق آئے گا؟ نہیں۔ یا کوئی آدمی ہیجڑے کا لباس پہن لے تو کیا حقیقت میں وہ ہیجڑا بن جائے گا؟ نہیں۔

تو جب بیگم کا لباس پہننے سے کوئی بیگم نہیں بنتا، ہیجڑے کا لباس پہننے سے ہیجڑا نہیں بنتا بلکہ وہ مرد مرد ہی رہتا ہے تو اسی طرح غیروں کا لباس پہننے سے مسلمان مسلمان ہی رہے گا کافر نہیں بن جائے گا۔ لیکن چند روز آپ بیگم کا یا ہیجڑے کا لباس پہن کر دیکھیں تو آپ کے لب ولہجہ میں، اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں ان کی ادائیں آجائیں گی۔ اسی طرح جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادا کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی ادا اختیار کرے گا چند روز میں اس میں یہود و نصاریٰ کی ادائیں منتقل ہو جائیں گی۔(سیرت مصطفیٰ:۳/۳۸۵)

کن لوگوں کی مشابہت ممنوع ہے؟

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ غیروں سے مراد کون ہیں؟ کن کی مشابہت ممنوع ہے؟

(۱) کفار کی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو زرد رنگ کی چادر میں دیکھا تو آپ نے منع فرمایا کہ یہ کفار کا لباس ہے، یہ مت پہنو۔ (مسلم: کتاب اللباس والزینۃ/باب النہی عن لبس الرجل الثوب المعصفر/رقم الحدیث: ۲۰۷۷)

آج ہم بہت سی چیزوں میں کفار کی مشابہت اختیار کر رہے ہیں۔

(۲) اہل کتاب کی یعنی یہود و نصاریٰ کی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ [البقرة: ۱۲۰]

یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت کی پیروی نہیں کریں گے۔

ایک عبرتناک واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عبرت ناک واقعہ بیان کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک صاحب کا انتقال ہوا اور انہیں دفن کیا گیا۔ وہاں کے دستور کے مطابق چند عرصے کے بعد ان کی قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا چاہا تو اس قبر میں سے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی کی لاش نکل آئی۔ شکل و صورت کے اعتبار سے وہ لڑکی یورپین نظر آ رہی تھی۔ مجمع کو بڑا تعجب ہوا۔ اس مجمع میں یورپ سے آنے والے ایک شخص بھی تھے انھوں نے پہچان لیا اور کہا ارے یہ لڑکی تو فرانس کی رہنے والی ہے۔ اس کا تعلق عیسائی گھرانے سے تھا مگر میری معلومات کے مطابق اس نے خفیہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر اچانک یہ بیمار ہو کر

انتقال کر گئی تھی۔ میں نے اس لڑکی کو دینیات کے کچھ رسالہ پڑھائے تھے اور اس کی اچانک موت سے مجھے بھی دلی صدمہ پہنچا تھا اسی وجہ سے میں فرانس سے یہاں چلا آیا ہوں۔ یہ اسلام کی برکت تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس لڑکی کو مرنے کے بعد فرانس سے مکہ مکرمہ کی سرزمین میں منتقل کر دیا۔

لیکن اب سوال یہ تھا کہ چند عرصے پہلے جس شخص کو یہاں دفن کیا گیا تھا اس کی لاش کہاں گئی۔لوگوں نے یہی خیال کیا کہ شاید اس کی لاش کو اس لڑکی کے قبر میں جہاں فرانس میں تھی وہاں منتقل کیا گیا ہو۔ چنانچہ لوگوں نے فرانس کے ان صاحب سے کہا جب تم حاجت سے فارغ ہو کر جاؤ تو اچھی طرح تحقیق کرو اور ہمیں بتاؤ۔ چنانچہ فرانس کے وہ صاحب حج سے فراغت کے بعد اپنے وطن پہونچے اور اس نومسلم لڑکی کی قبر پر گئے اور اسے کھود کر دیکھا تو وہاں سے مکہ مکرمہ میں دفن کیے ہوئے صاحب کی لاش نکل آئی۔اس کی اطلاع مکہ مکرمہ کے لوگوں کو دی گئی تو انھوں نے خان صاحب کے گھر والوں سے مل کر حقیقت حال جاننا چاہا۔گھر والوں نے بتایا ویسے تو مرحوم بڑے نیک، دین دار اور پابند شرع تھے،مگر انھیں اسلام کی ایک بات پسند نہیں تھی اور وہ ہے جنابت کا غسل۔مرحوم کہا کرتے تھے عیسائیوں کے یہاں اچھا ہے کہ جنابت کا غسل نہیں۔(حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پسندیدہ واقعات ص:۱۲۹)

یہی وہ وجہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالی نے ان کی لاش کو جو مکہ مکرمہ میں دفن کی گئی تھی منتقل کر کے فرانس بھیج دیا۔

(۳) مجوس کی

شریعت نے ہمیں مجوس کی مشابہت سے روکا ہے۔مثلاً مونچھیں بڑی رکھنا اور داڑھی

صاف کرنا مجوسیوں کا طریقہ ہے۔

اسی طرح آگ کی تعظیم کرنا مجوسیوں کا طریقہ ہے جواب مسلمانوں میں آرہا ہے کہ برتھ ڈے کے کیک پر موم بتی جلائی جاتی ہے۔

(۴) شیطان کی

شریعت نے ہمیں شیطان کی نقالی سے بھی روکا ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، یقیناً شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ (مسند احمد: مسند عبد اللہ بن عمر/ رقم الحدیث: ۶۱۸۴)

(۵) خلاف جنس کی

شریعت نے ہمیں خلاف جنس کی مشابہت ونقالی سے بھی روکا ہے۔ یعنی مرد عورت کی اور عورت مرد کی مشابہت اختیار نہ کرے۔ مگر آج حال یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی نقالی کو اپنے لیے عزت اور فخر کا سبب سمجھتے ہیں، حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسوں پر لعنت فرمائی ہیں۔ (بخاری: کتاب اللباس/ باب المتشبہین بالنساء والمتشبہات بالرجال/ رقم الحدیث: ۵۸۸۵)

نیک لوگوں کی مشابہت اختیار کیجیے

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے پر جو جادوگر آئے تھے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا لباس وحلیہ اپنا کر آئے تھے۔ اللہ کے نبی کی مشابہت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو دولتِ اسلام سے نواز دیا۔

بنی اسرائیل کا مسخرہ

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مسخرا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاق اڑاتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا لباس پہنتا، حضرت و موسیٰ علیہ السلام جیسا کلام فرماتے ویسا وہ بھی کلام کرتا تھا۔ غرض! ہر قول و فعل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقالی کر کے لوگوں کو ہنساتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بہت تکلیف ہوتی تھی۔

جب فرعون نے اپنے لشکر کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا تو وہ بھی فرعون کے لشکر میں شامل تھا اور اتفاق سے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا روپ اختیار کیا ہوا تھا۔ فرعون کو اس کے تمام لشکر سمیت اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا مگر یہ مسخرہ بچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا پروردگار! آل فرعون میں مجھے سب سے زیادہ تکلیف اسی سے تھی اور یہی بچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے موسیٰ! اس نے تیرے جیسی صورت بنائی، تیرے جیسا لباس پہنا ہے اور حبیب اس شخص کو عذاب کیسے دے سکتا ہے جو اس کے محبوب کی صورت پر ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸/۲۲۲)

ہم اپنی حقیقت بھلا بیٹھیں

ہم غیروں کے بیچ میں پلے بڑے، ہم نے ان کے درمیان تربیت پائی اور ان کے اعمال و افعال کو ہم نے اختیار کر لیے تو ہم میں اور ان میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ جیسے ایک آدمی نے شیر کے بچے کو پالا اور اس کو بکریوں کے بیچ میں چھوڑ دیا۔ اب وہ شیر کا بچہ بکریوں میں رہ کر اپنی حقیقت سے بالکل غافل رہا اور وہ بھی بکریوں کی طرح مسکین بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک دن پانی پیتے ہوئے شیر کے بچے نے اپنا چہرہ دیکھ لیا تو اس کو اپنی شکل و صورت میں اور بکریوں کی شکل و صورت میں فرق نظر آیا اور اپنی حقیقت اس کے سامنے آشکارہ ہوگئی۔ جب شیر کا بچہ

اپنی حقیقت سے واقف ہوکر گیا تو بکریوں کے ریوڑ میں کھلبلی مچ گئی۔ٹھیک اسی طرح آج ہم بھی یہود ونصاریٰ جیسی بکریوں کے بیچ میں پل کرانہی کی طرح بزدل ہو چکے ہیں۔اگر ہم سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینے میں اپنا عکس دیکھیں گے تو ہم پر اپنی حقیقت منکشف ہوگی اور اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا کہ ہم کوئی بزدل بکریاں نہیں ہیں، بلکہ ہماری حقیقت تو کچھ اور ہے۔ ہم وہ امت ہیں جن کو خیر امت کا خطاب ملا ہے۔

شور ہے، ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود	ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود!
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود	یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اسی لیے ہمیں غیروں کی مشابہت سے روکا گیا ہے، کیوں کہ حضور اقدس سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی ہے ’’جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی میں سے سمجھا جائے گا‘‘۔(ابوداود: کتاب اللباس/باب فی لبس الشہرۃ/رقم الحدیث: ۴۰۳۱)

اللہ رب العزت ہمیں شریعت وسنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون:(۱۱)

ذکر اللہ کے
فضائل وفوائد

تعارف

۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۳؍اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: جمعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُہُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴾ [الرعد:۲۸]

تمہید

یہ سورۂ رعد کی ۲۸ نمبر کی آیت ہے۔اس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوئے ،سنو!اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

موجودہ دور میں پورا عالم جن نازک حالات سے گزر رہا ہے،ان میں بظاہر تاریکی ہی تاریکی ہے۔ظلمت ایسی کہ ہر نفس بے چین و پریشان ہے۔گھروں میں، بازاروں میں، سڑکوں پر غرض جہاں آپ چلے جائیں پریشانی کی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہر کوئی بے سکون نظر آرہا ہے، زبانوں پر ایک ہی سوال ’’اب کیا ہوگا؟‘‘ دلوں میں ایک ہی تمنا و آرزو کہ کسی طرح آفات و مصیبتوں کا یہ پہاڑ سر سے ٹل جائے۔جس کسی کا ذہن اور تجربہ جہاں تک کام کرتا ہے، وہ اس کے مطابق رائے پیش کر دیتا ہے۔کوئی کہتا ہے کہ سکون مال و دولت کے اکٹھا کرنے میں ہے،کوئی کہتا ہے کہ سکون عالیشان مکان بنا کر اس میں رہنے میں ہے،کوئی کہتا ہے کہ سکون حکومت چلانے میں ہے،کوئی کہتا ہے کہ سکون شاندار اور لذیذ پکوان کھانے میں ہے۔لیکن یاد رہے کہ حقیقی سکون ان میں سے کسی چیز میں نہیں، پریشانیوں کا حل ان میں سے

کسی چیز میں نہیں۔

تو پھر سکون کس میں ہے؟ پریشانیوں کا حل کیا ہے؟ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے

﴿اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ○﴾ [الرعد:۲۸]

کہ انسانی قلب کا سکون و آرام اللہ کی یاد میں ہے، پروردگار عالم کے ذکر سے بے چینی کو قرار ملتا ہے، بے سکونی کا احساس ختم ہوتا ہے، ظلمتوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔

ذکر اللہ کے متعلق قرآنی آیات

ذکر اللہ کی فضیلت پر قرآنی آیات بھری پڑی ہیں۔ نمونے کے طور پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاذۡكُرُوۡنِيۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِيۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ○﴾ [البقرۃ:۱۵۲]

تم مجھے یاد رکھو میں تمھیں یاد رکھوں گا اور تم میرا شکر ادا کرو اور میری نافرمانی مت کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی نیشا پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''الکشف والبیان عن تفسیر القرآن'' میں تقریباً ۳۳ بہت خوبصورت اقوال جمع فرمائے ہیں۔ میں چند آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اول: تم مجھے یاد کرو فرش پر، میں تمھیں یاد کروں گا عرش پر۔

دوم: تم مجھے یاد کرو اطاعت کے ساتھ، میں تمھیں یاد کروں گا مدد و نصرت کے ساتھ۔

سوم: تم مجھے یاد کرو دعا کے ساتھ، میں تمھیں یاد کروں گا قبولیت کے ساتھ۔

چہارم: تم مجھے یاد کرو توبہ واستغفار کے ساتھ، میں تمھیں یاد کروں گا رحمت وبخشش کے ساتھ۔
پنجم: تم مجھے یاد کرو میری عظمت کے ساتھ، میں تمھیں یاد کروں گا عزتوں سے نوازنے کے ساتھ۔
ششم: تم مجھے یاد کرو عالم فنا میں، میں تمھیں یاد رکھوں گا عالم بقا میں۔
ہفتم: تم مجھے یاد کرو زمین کے اوپر، میں تمھیں یاد رکھوں گا زمین کے اندر۔
ہشتم: تم مجھے یاد کرو جہاں تم ہو، میں تمھیں یاد رکھوں گا جہاں میں ہوں۔ (الکشف والبیان عن تفسیر القرآن: ۳۲/۲)

(۲) سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ [العنکبوت: ۴۵]

اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔

(۳) سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ [الاحزاب: ۴۱]

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو۔

ذکر اللہ کے متعلق احادیث

جس طرح ذکر اللہ کے متعلق قرآن کریم کی آیتیں بھری پڑی ہیں اسی طرح سرور دو عالم ﷺ کی احادیث میں بھی ذکر اللہ کی بہت سی فضیلتیں آئی ہیں۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! احکام اسلام مجھ پر غالب آ گئے ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جسے میں انہماک

سے کرتا رہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تیری زبان ہر وقت ذکر الٰہی سے تر رہنی چاہیے۔ (ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی فضل الذکر/رقم الحدیث: ۳۳۷۵)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمھیں دیوانہ کہیں۔ (مسند احمد: مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۱۱۶۵۳)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیٹھتے ہیں انھیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انھیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ (سکون وطمانیت) کا نزول ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنی بارگاہ کے حاضرین میں کرتا ہے۔ (مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار/باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن: ۲۷۰۰)

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔ (بخاری: کتاب الدعوات/باب فضل ذکر اللہ عز وجل/رقم الحدیث: ۶۴۰۷)

(۵) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن پکارا جائے گا کہاں ہے عقلمند حضرات؟ پوچھا جائے گا کون ہیں عقلمند؟ ارشاد ہوگا وہ لوگ جو اللہ کو پکارتے ہیں یعنی اس کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہونے کی حالت میں بھی، بیٹھنے کی حالت میں بھی اور لیٹنے کی حالت میں بھی۔

ذکر اللہ کی قسمیں

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اذکار و دعوات کو دس قسموں میں تقسیم کیا ہے۔(تحفۃ الالمعی:۸/۴۲)

پہلا اور دوسرا ذکر

پہلا اور دوسرا ذکر تسبیح وتحمید ہیں۔تسبیح کے معنی ہیں تمام عیوب ونقائص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔تحمید کے معنی ہیں تعریف کرنا،یعنی تمام خوبیوں اور کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا۔جب کسی جملہ میں تسبیح وتحمید دونوں جمع ہو جائیں (یعنی سبحان اللہ والحمد للہ) تو وہ معرفت ربانی کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے۔

سبحان اللہ اور الحمد للہ کے چند فضائل

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمات زبان پر ہلکے پھلکے ہیں،ترازو میں وزنی ہیں،رحمن کو بہت پیارے ہیں۔

سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم (بخاری: کتاب التوحید/باب قول اللہ عزوجل ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ/رقم الحدیث:۷۵۶۳)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے

سبحان اللہ العظیم و بحمدہ

کہا تو جنت میں اس کے لیے درخت لگایا جائے گا۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/رقم الحدیث:۳۴۶۴)

تیسرا ذکر

تیسرا ذکر تہلیل ہے۔’’لا إله إلا اللّٰه‘‘ میں توحید اور شانِ یکتائی کا بیان ہے۔ یہ جملہ شرک جلی و خفی کو دفع کرتا ہے اور جملہ حجابات کو رفع کرتا ہے۔ حدیث میں ہے’’ لا إله إلا اللّٰه‘‘ کے لیے اللہ تعالیٰ سے وَرے کوئی حجاب نہیں، یہاں تک کہ یہ کلمہ بندے کو خلاصی دلا دیتا ہے۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ/ رقم الحدیث: ۳۵۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرو۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اپنے ایمان کی کیسے تجدید کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ’’ لا إله إلا اللّٰه‘‘ زیادہ سے زیادہ کہو۔(مسند احمد: مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث: ۸۷۱۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروردگار سے سوال

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے ایسا کلمہ سکھا جس کے ذریعے میں تجھے یاد کروں اور تجھ سے دعا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہو ’’ لا إله إلا اللّٰه (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! بے شک تیرے سوا کوئی معبود نہیں لیکن میں ایسا کلمہ چاہتا ہوں جو خاص میرے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان کے ساتھ میرے علاوہ ان کو آباد کرنے والے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں ہوں اور’’لا إله إلا اللّٰه‘‘ دوسرے پلڑے میں ہو تو’’ لا إله إلا اللّٰه‘‘ اُن سے بھاری ہو جائے گا۔(مشکوۃ المصابیح/ ص: ۲۰۱)

حضرت نوح علیہ السلام کی نصیحت

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دو باتوں کی وصیت فرمائی، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ میں تجھے لا اله الا الله کا حکم دیتا ہوں۔ پھر اس کی درج ذیل فضیلت بیان فرمائی کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اگر ایک پلڑے میں اور لا اله الا الله دوسرے پلڑے میں رکھا جائے، تو یہ دوسرا پلڑا اس کلمے کی وجہ سے بھاری ہو جائے گا اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک بند حلقہ ہوں تو لا اله الا الله ان کو توڑ دے گا۔ (مسند احمد: مسند عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ / رقم الحدیث: ۶۵۸۳)

ایک واقعہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فضائل ذکر میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ ابو یزید قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے یہ سنا کہ جو ستر ہزار مرتبہ ''لاإله إلا الله'' پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے میں نے یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لیے بھی پڑھا اور کئی نصاب خود اپنے لیے پڑھ کر ذخیرۂ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے مجھے اس کی صحت میں کچھ تردد تھا ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ اچانک اس نے ایک چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے اس کی حالت مجھے نظر آئی۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا چنانچہ میں نے ایک

نصاب ان نصابوں میں سے جو اپنے لیے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا کہ چچا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس قصے سے دو فائدے ہوئے ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنتی تھی اس کا تجربہ ہوا، دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ (فضائل اعمال ص: ۴۰۴)

چوتھا ذکر

چوتھا ذکر تکبیر ہے یعنی اللہ اکبر کے ذریعے اللہ کی عظمت و قدرت اور سطوت و شوکت کو پیش نظر لایا جاتا ہے اور اس جملے میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف اشارہ ہے۔

ان چاروں ذکر کے مجموعی فضائل

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چار کلمات اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہیں کوئی حرج نہیں کہ کہیں سے بھی ان کی ابتدا کرلو۔

سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ۔(مسلم: کتاب الآداب/ باب کراھۃ التسمیۃ بالاسماء القبیحۃ/ رقم الحدیث: ۲۱۳۷)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کی پتیاں سوکھ گئی تھیں، آپ نے اس پر اپنی چھڑی ماری تو پتیاں جھڑ پڑیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الحمد للہ وسبحان اللہ ولا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر

کہنے سے بندے کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کی پتیاں جھڑ گئیں۔(ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ رقم الحدیث: ۳۵۳۳)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی، اس رات میں ابراہیم علیہ السلام سے ملا، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دینا اور انھیں بتا دینا کہ جنت کی مٹی بہت اچھی (زرخیز) ہے، اس کا پانی بہت میٹھا ہے، اور وہ چٹیل میدان کی طرح (خالی) ہے اور اس کی باغبانی:

سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر

پڑھنے سے ہوتی ہے۔ (ترمذی: ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۳۴۶۲)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک دن درخت لگا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ اے ابوہریرہ! تم کیا لگا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے لیے درخت لگا رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں اس سے بہتر درخت نہ بتاؤں؟ انھوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ آپ ضرور بتلایئے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم:

سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر

کہا کرو، تو ہر ایک کلمہ کے بدلے تمھارے لیے جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا۔ (ابن ماجہ: کتاب الادب / باب فضل التسبیح / رقم الحدیث: ۳۸۰۷)

پانچواں ذکر

پانچواں ذکر فوائد طلبی اور پناہ خواہی ہے، یعنی ایسی دعائیں جن میں ایسی مفید چیزیں طلب کی جائیں جو جسم یا روح کے لیے مفید ہوں۔ جیسے دل کا سکون و سرور، آنکھوں کا نور

طلب کرنا یا اہل وعیال کے لیے خیر طلب کرنا، حلال روزی طلب کرنا، صحت وعافیت کا سوال کرنا وغیرہ۔ اسی طرح مضر اور نقصان دینے والی چیزوں سے پناہ چاہنا۔ مثلاً بے برکتی سے، اولاد کی شرارت ونافرمانی سے، بیماری سے، بری موت سے وغیرہ۔

چھٹا ذکر

چھٹا ذکر اپنی عاجزی کا اظہار کرنا ہے۔ یہ عبدیت (بندگی) انسان کا امتیازی وصف اور بڑا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل وبندگی، عاجزی وسرافگندگی اور محتاجی و مسکینی کا اظہار کرنا ہی بندگی ہے۔ بندگی انسان کا مقصد تخلیق ہے، اسی مقصد کی تحصیل کے لیے نماز مقرر کی گئی ہے، کیوں کہ نماز میں سراسر عاجزی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عاجزی

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ابو القاسم سلیمان انصاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو کون سا لقب زیادہ پسند ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ مجھے عبدیت پسند ہے یعنی تیرا بندہ بن کر رہنا۔ (سیرت مصطفیٰ: ۱/ ۳۰۴)

ساتواں ذکر

ساتواں ذکر توکل ہے۔ توکل کے معنی ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ اور توکل کی روح ہے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تام، یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ سب کچھ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، بندہ بذات خود کچھ نہیں کرسکتا۔ انسان کے تمام معاملات پر مکمل غلبہ انہی کو حاصل ہے، انہی کی تدبیر کارگر ہے، باقی تمام تدابیر مقہور ومغلوب ہیں۔ مگر توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ

ظاہری اسباب اختیار نہ کرے۔صحیح توکل یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر اعتماد کرے، کام کا انجام ان پر چھوڑ دے اور جو کچھ غیب سے ظاہر ہو اس پر مطمئن رہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو تم کو پرندوں کی طرح روزی دی جائے گی کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو آتے ہیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔(ترمذی: ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ باب فی التوکل علی اللہ/ رقم الحدیث: ۲۳۴۴)

آٹھواں ذکر

آٹھواں ذکر استغفار ہے۔ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو استغفار کو اپنے اوپر لازم قرار دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر رنج و غم سے نجات دیتا ہے اور اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے پاک حلال روزی پہونچاتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔اس روایت میں استغفار کے تین فائدے بیان ہوئے۔جو وعدے تقوی پر بیان ہوئے وہی استغفار کے بیان ہوئے ہیں۔(ابوداود: کتاب الصلوۃ/ باب فی الاستغفار/ رقم الحدیث: ۱۵۱۸)

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے نامۂ اعمال میں بہت زیادہ استغفار ہو اس کے لیے طوبیٰ (خوشخبری) ہے۔(ابن ماجہ: کتاب الادب/ باب الاستغفار/ رقم الحدیث: ۳۸۱۸)

واضح رہے کہ طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سفر میں تھے۔ ایک قصبے میں تھے اور رات ہوگئی تو نماز کے بعد مسجد ہی میں قیام کرنے کا ارادہ کرلیا۔ آپ کی عاجزی وانکساری نے یہ گوارا نہیں کیا کہ لوگوں کو اپنا تعارف کروا کر خوب آؤ بھگت کروائی جائے۔ مسجد کے خادم نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں پہچانا اور ان کو مسجد سے باہر نکلنے کو کہا۔ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ مسجد کے دروازے پر ہی سوجاتا ہوں لیکن خادم نے وہاں سے بھی کھینچ کر نکالنا چاہا۔ یہ تمام منظر ایک نانبائی نے دیکھ لیا جو مسجد کے قریب ہی تھا۔ اس نانبائی نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گھر رات میں ٹھہرنے کی پیشکش کی۔ وہ نانبائی امام حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو جانتا تک نہیں تھا۔ جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا نانبائی کام کے دوران بھی کثرت سے استغفار (استغفر اللّٰه) کہہ رہا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تمھیں اس قدر استغفار کرنے کا کچھ پھل بھی ملا ہے؟ اس نانبائی نے جواب دیا میں نے جو بھی مانگا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا کیا ہے ہاں ایک دعا جو ابھی تک قبول نہیں ہوئی۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کون سی دعا ہے؟ وہ نانبائی کہنے لگا میرے دل میں کچھ دنوں سے یہ خواہش مچل رہی ہے کہ میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کروں۔ نانبائی کی یہ بات سن کر امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ہی احمد بن حنبل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے استغفار کی برکت سے نہ صرف تمھاری دعا سنی، بلکہ مجھے تمہارے دروازے تک کھینچ کر پہونچا دیا۔

نواں ذکر

نواں ذکر اللہ کے ناموں سے برکت حاصل کرنا ہے۔ اللہ کے ناموں کی برکت ہی

سے مخلوقات منور ہوتی ہیں، پس جو بندہ ان ناموں کی طرف متوجہ ہوگا، وہ اللہ کی رحمت کو خود سے قریب پائے گا۔

اللہ کے ناموں میں عجیب وغریب حلاوت ومٹھاس ہے۔ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا ہیں "کہ جب میں اللہ کا نام لیتا ہوں تو ایسا لگتا ہے منہ شکر سے بھرے جاوے ہے۔"

اللہ کے ناموں کے ساتھ ہی دلوں کا سکون وآرام وابستہ ہے۔

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے	تسلی دل کو ملتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

اور

کتنی تسکین وابستہ ہے تیرے نام کے ساتھ	نیند کانٹوں پر آجاتی ہے آرام کے ساتھ

جب کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا اچھا سا نام ہو جو آسان بھی ہو، بامعنیٰ بھی ہو، خوبصورت بھی ہو اور کچھ نیا سا بھی ہو۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام خود اللہ تعالیٰ نے رکھا اور فرمایا کہ ہم ایسا نام رکھتے ہیں جو پہلے کسی نے نہیں رکھا۔ جب مخلوق کا یہ حال ہے تو خالق کا حال کیا ہوگا؟ اور اس نے خود اپنا نام کتنا پیارا رکھا ہوگا!

دسواں ذکر

دسواں ذکر حضور اکرم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات امت پر بے حساب ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ مؤمنین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کریں اور ہر وقت یاد رکھیں، اسی لیے درود مشروع کیا گیا۔ متعدد روایات میں ہیں کہ

ایک مرتبہ درود پڑھنے سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

درود شریف کی برکت سے بیڑا پار

مواھب لدنیہ میں امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن کسی مؤمن کی نیکیاں کم ہو جائیں گی اور گناہوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا تو وہ مؤمن پریشان کھڑا ہو گا۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میزان پر تشریف لائیں گے اور چپکے سے اپنے پاس سے بند پرچہ مبارک نکال کر اس کے پلڑے میں رکھ دیں گے۔ جسے رکھتے ہی اس کی نیکیوں کا پلڑا وزنی ہو جائے گا۔ اس شخص کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ کون تھے جو اس کا بیڑا پار کر گئے؟ وہ پوچھے گا آپ کون ہیں؟ اتنے سخی، اتنے حسین و جمیل آپ نے مجھ پر کرم فرما کر مجھے جہنم کا ایندھن بننے سے بچالیا اور وہ کیا پرچہ تھا جو آپ نے میرے اعمال میں رکھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہو گا کہ میں تمھارا نبی ہوں اور یہ پرچہ درود ہے جو تم مجھ پر بھیجا کرتے تھے۔ (فضائل اعمال/ص: ۷۳۵)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صالح شخص نے کسی کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ مرنے کے بعد تیرا کیا حال ہوا؟ اس نے بتایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میری بخشش فرما کر جنت میں بھیج دیا۔ صالح شخص نے اس سلوک کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ جب فرشتوں نے میرے اعمال تولے، میرے گناہوں کو شمار کیا اور میرے پڑھے ہوئے درود پاک بھی شمار کیے تو سو درود گناہوں سے بڑھ گئے جبکہ باقی سب نیک اعمال سے میرے گناہ زیادہ تھے۔ جونہی درود پاک کا شمار بڑھ گیا تو اللہ پاک نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا حساب کتاب ختم کر دو چونکہ اس کے درود بڑھ گئے ہیں اس لیے اس کو سیدھا جنت میں لے جاؤ۔

(فضائل اعمال/ص:۷۴۳)

ذکر اللہ کے فوائد

(۱) ذکر اللہ پوری کائنات کی روح ہے۔ جس طرح روح نکلنے سے بدن بے کار ہوجاتا ہے، اسی طرح جب کائنات کی روح یعنی ذکر اللہ ختم ہوجائے گا، اللہ اللہ کہنے والے بندے ختم ہو جائیں گے تو یہ کائنات فنا ہوجائے گی۔ (مسلم: کتاب الایمان/باب ذہاب الایمان آخر الزمان/رقم الحدیث:۱۴۸)

(۲) ذکر اللہ تمام عبادات کی روح ہے۔ کوئی عبادت ایسی نہیں جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہے۔

(۳) ذکر اللہ تمام عبادات میں سب سے آسان ہے۔ دوسری عبادتوں کے لیے بہت سی شرطیں ہیں کہ اگر وہ شرطیں پوری نہ کی جائیں تو وہ عبادت صحیح نہ ہو، مگر ذکر اللہ کے لیے کوئی شرط نہیں ہے۔

(۴) ذکر اللہ سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے مانجھنے اور صاف کرنے کے لیے ایک چیز ہوتی ہے، قلب کی صفائی اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے، اور انسان کو اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔ (مشکوۃ/ص:۱۹۹)

(۵) ذکر اللہ سے دلوں کی بیماری دور ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ذکر اللہ میں دلوں کی شفا ہے۔

(۶) ذکر اللہ سے انسان کو قلبی سکون نصیب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○﴾ [الرعد:۲۸]

کہ انسانی قلب کا سکون وآرام اللہ کی یاد میں ہے۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب انسان کا مقصود حاصل ہوجاتا ہے تو اس کو سکون مل جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی کو ذکر کرنے سے سکون نہ ملے تو سمجھ جاؤ کہ اس نے ذکر اللہ کا مقصود بنایا ہی نہیں، اس کی نیت کچھ اور تھی۔

(۷) ذکر اللہ کی برکت سے عادت کے کام عبادت میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ مثلاً کھانا کھانا، استنجا کے لیے جانا وغیرہ یہ سب عادت کے کام ہیں، لیکن پہلے اللہ کا نام لیا جائے اور اس موقع کی دعا جو شریعت نے بتلائی ہے وہ پڑھ لی جائے تو ہمارا یہ عادت کا کام عبادت بن جائے گا۔

(۸) ذکر اللہ سے بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

(۹) ذکر اللہ سے انسان کو لذت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! میں نے اللہ کا نام لیا مجھے تو کوئی لذت یا فائدہ محسوس نہیں ہوا۔ حضرت نے جواب دیا کہ بھائی! یہ فائدہ کم ہے کہ اس کا نام لینے کی توفیق نصیب ہو گئی۔ (معارف الاکابر ص:۱۰۵)

(۱۰) ذکر اللہ میں بڑی تاثیر ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ہے کہ اللہ کا نام کتنی ہی غفلت کے ساتھ لیا جائے وہ اثر کیے بغیر رہتا نہیں ہے۔ (خطبات محمود:۱/۵۱)

بوعلی سینا اور ایک بزرگ کا واقعہ

ایک شہزادہ بیمار ہوا۔ ایک بزرگ اس کی عیادت کے لیے ہاتھ میں تسبیح اور عصا لیے پہونچ گئے۔ وہاں دیکھا کہ وقت کا سب سے بڑا طبیب اور شاہی طبیب بوعلی سینا بیٹھا ہے اور مریض کی تشخیص کررہا ہے۔ بزرگ نے اس مریض کے پاس جاکر کچھ پڑھ کردم کرنا شروع

کیا۔ بوعلی سینا بزرگ کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ آپ کے پڑھنے سے کیا فائدہ؟ الفاظ آپ کے منہ سے نکلے اور ہوا میں جا کر ختم ہو گئے، بھلا یہ کیا اثر دکھائیں گے؟ بزرگ بوعلی سینا کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا کتے! تو کیا بولا؟ جب بوعلی سینا نے سنا کہ بھری مجلس میں اسے کتا کہا گیا تو غصہ ہوا اور غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ بزرگ اپنا کام کرتے رہے اور پڑھ کر دم کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بوعلی سینا کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا گدھے! تو میری بات سمجھا نہیں۔ بوعلی سینا کی حالت خراب ہوئی اور غصے کی وجہ سے منہ سے جھاگ آنا شروع ہو گیا۔ بزرگ اپنا کام کرتے رہے اور پڑھ کر دم کرتے رہے۔ پھر بوعلی سینا کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا حکیم صاحب! آپ کا کیا حال ہے؟ مزاج کیسے ہیں؟ غصہ کی وجہ سے آپ کیوں سرخ ہو رہے ہیں؟ آپ کے بدن میں یہ تنتناہٹ کیسی ہے؟ بوعلی سینا نے کہا کہ آپ نے مجھے ایسے الفاظ کہے جس کی وجہ سے میرے بدن میں تنتناہٹ آ گئی۔ بزرگ نے کہا کہ بوعلی سینا آپ ہی نے تو کہا تھا کہ الفاظ منہ سے نکل کر ہوا میں جا کر ختم ہو جاتے ہیں بھلا وہ کیا اثر دکھائیں گے؟ آپ نے خود دیکھ لیا کہ کتا کہنے سے آپ پر اثر ہوا، گدھا کہنے سے آپ پر اثر ہوا، تو جب لفظ ''کتا'' اثر دکھا سکتا ہے، لفظ ''گدھا'' اثر دکھا سکتا ہے تو میں اپنے رب ''اللہ'' کا نام پڑھ کر اس کو دم کر رہا ہوں تو کیوں نہیں دکھائے گا؟ (خطبات محمود:۱/ ۵۲، ۵۳)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے شوق میں اپنے وطن سے نکلا۔ سفر کرتا ہوا ایک راستہ میں ایک جگہ درخت کے سایہ میں آرام کرنے لیٹا تو دیکھا کہ دو چڑیاں آپس میں بات کر رہی ہیں، اور یہ شخص چڑیوں کی بولی جانتا تھا۔ ان میں سے

ایک چڑیا دوسری چڑیا سے کہہ رہی تھی کہ معلوم ہے یہ آدمی جو درخت کے نیچے ہے، کہاں جارہا ہے؟ دوسری چڑیا نے کہا کہ ہاں یہ بایزید بسطامی کے پاس جارہا ہے، تو اس چڑیا نے کہا کہ ان کا تو انتقال ہو گیا۔ یہ شخص یہ بات سن کر پریشان ہوا، اور واپسی کا ارادہ کرلیا، پھر سوچا کہ جب نکلا ہی ہوں تو جا کر زیارت کرلوں۔ پھر آگے سفر جاری رکھا، اور بایزید بسطامی کے پاس پہنچا، تو دیکھا کہ وہ تو باحیات ہیں، ملاقات کی، گفت وشنید کے بعد رخصتی کے وقت کہنے لگا کہ حضرت! ایک بات پوچھنا ہے، پھر چڑیا والا سارا قصہ سنایا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ چونکے اور دریافت کیا کہ یہ کس دن اور کس وقت کا واقعہ ہے؟ اس نے بتایا کہ فلاں دن اور فلاں وقت کا واقعہ ہے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ ہاں بھائی! چڑیا سچ کہہ رہی تھی، اس وقت کچھ دیر کے لیے میرا دل اللہ سے غافل ہو گیا تھا، اللہ سے دل کا غافل ہونا، دل کا مردہ ہونا ہے۔ (دل کی دنیا آباد کیجیے/ص:۲۷)

اللہ اکبر! ہمارا حال کیا ہے؟ ان کا دل تو کچھ دیر کے لیے مردہ ہوا تھا، ہمارا دل ہمیشہ مردہ رہتا ہے، ہم اللہ کا ذکر ہی نہیں کرتے۔

کیا وہ بندے تھے!

دہلی میں دو شخص تھے۔ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔ دونوں میں سے ایک بیعت تھا حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور دوسرا بیعت تھا قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لے گئے کھانے کے لیے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

پر تبلیغ کے غلبے کا حال یہ تھا کہ نوالہ ہاتھ میں لیتے ہوئے بھی ایک دومنٹ تبلیغ کی باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اب جو شخص حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا وہ اپنے خالہ زاد بھائی سے جو کہ بیعت تھا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے کہنے لگا کہ دیکھ تیرے پیر صاحب تو کھانے میں لگے ہیں اور میرے پیر صاحب کھاتے ہوئے بھی تبلیغ کی باتیں کررہے ہیں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ لیا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کھانے سے فارغ ہوئے اور ہاتھ دھونے کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید سے خطاب کرنے لگے کہ ارے تم کیا جانتے ہو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے تو ان کے حجرے کی دیواروں کو بھی ذکر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اللہ اکبر! کیا وہ بندے تھے کہ جن کے حجرے کے دیواریں بھی ذکر کیا کرتی تھیں اور کیا وہ بندے تھے جن کی آنکھیں اس کا مشاہدہ کرلیا کرتی تھیں۔ (خطبات محمود ۳/ ۷۹، ۸۰)

ذکر اللہ دورِ حاضر کا بہترین علاج

اس وقت جب کہ پورا عالم افراتفری کا منظر پیش کررہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ انفرادی و اجتماعی توبہ کی جائے، ذکر الٰہی کو اپنا شیوہ بنایا جائے، احادیث مبارکہ میں جو جو موقع محل کی دعائیں امت کو بتلائی گئی ہیں، ان کے سیکھنے سکھانے کا بھرپور اہتمام کیا جائے، بزرگوں سے تعلق استوار کیا جائے، ان کی مجالس کو غنیمت سمجھا جائے، ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا جائے، دل کی دنیا آباد کی جائے، روحانیت و ایمانیت کی شمع روشن کی جائے۔ جو اس حقیقت کو پالے گا، اُسے ایمان کی حلاوت و مٹھاس نصیب ہوگی اور ناامیدی و مایوسی کا طوفان خود بخود

ختم ہوجائے گا۔

اللہ رب العزت ہمیں ذکر اللہ کی کثرت کی توفیق عطا فرمائیں اور ذکر اللہ کے فوائد اور انوارات وبرکات سے مالا مال فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم

مضمون: (۱۲)

فضول خرچی

کی ممانعت

تعارف

۱۲/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۴/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: سنیچر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝﴾ [بنی اسرائیل:۲۷]

تمہید

یہ سورۂ بنی اسرائیل کی ۲۷ نمبر کی آیت ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم اپنے مال کو بے جا مت اڑاؤ، بلا شبہ بے جا مال اڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

سب سے پہلے تو ایک اصول ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو رزق اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے ہم کو اس کا مالک مختار نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کا امین بنایا ہے۔ مالک مختار تو اللہ تعالیٰ ہے اور بندے امین ہیں۔ بندہ امین اسی وقت کہلائے گا جب کہ وہ مالک کی مرضی کے مطابق اس مال کو استعمال کرے گا۔ اگر اس کی مرضی کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ خیانت ہے۔

دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مالک مختار ہے تو ایسا نہیں کہ اس نے مال کے سلسلے میں رہنمائی کا کوئی گوشہ چھوڑ دیا ہو، بلکہ اس نے ہماری پوری رہبری فرمائی ہیں اور پوری تعلیمات دی ہیں۔ وہ تعلیمات کیا کیا ہیں؟

(۱) مال جائز طریقے پر کمایا جائے۔

(۲) اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر مال خرچ کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کو ہماری ذمے داری بنایا، لیکن خرچ کرنے میں اعتدال اور درمیانہ پن کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔

(۳) یہ بھی تعلیم دی کہ اپنے ان اموال میں سے غریب رشتے دار اور فقرا کو محروم نہ کیا جائے۔

(۴) یہ بھی تعلیم دی گئی کہ اپنے اموال میں اسراف اور تبذیر سے یعنی فضول خرچی سے بچا جائے۔

اسراف اور تبذیر میں فرق

قرآن کریم میں فضول خرچی کے معنیٰ بتلانے کے لیے دو لفظ لائے گئے۔ ایک اسراف۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۝﴾ [الاعراف: ۳۱]

تم کھاؤ، پیو اور فضول خرچی مت کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

اور دوسرا لفظ ہے تبذیر۔ جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝﴾ [بنی اسرائیل: ۲۷]

کہ تم اپنے مال کو بے جا مت اڑاؤ، بلاشبہ بے جا مال اڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

تو اب سوال ہوتا ہے ان دونوں لفظوں میں یعنی اسراف اور تبذیر میں کیا فرق

ہے؟ تو اس سلسلے میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اسراف اور تبذیر دونوں ایک ہی ہے۔

(۲) بعض علما کی رائے یہ ہے کہ نہ خرچ کرنے کی جگہ خرچ کرنا تبذیر ہے اور خرچ کرنے کی جگہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔

(۳) امام تفسیر حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنا سارا مال حق کے لیے خرچ کر دے تو وہ تبذیر نہیں اور اور اگر باطل کے لیے ایک مد (آدھ سیر) بھی خرچ کرے تو وہ تبذیر ہے

(۴) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غیر حق میں بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔

(۵) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تبذیر یہ ہے کہ انسان مال کو حاصل تو حق کے مطابق کرے مگر خلاف حق خرچ کر ڈالے اور اس کا نام اسراف بھی ہے اور یہ حرام ہے۔

(٦) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مال بھی اللہ کی طاعت کے علاوہ میں خرچ کیا جائے وہ اسراف میں داخل ہے اگر چہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

(۷) بعض علما نے تبذیر کو اسراف سے زیادہ خطرناک کہا ہے، اس لیے تبذیر کرنے والوں کو قرآن نے شیطان کا بھائی کہا ہے۔ (تفسیر قرطبی مترجم: ۵/ ۲٦۸، بغوی مترجم: ۳/ ۳۴۵)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ فضول خرچی کی ممانعت کو بتلاتے ہیں۔

شیطان کا بھائی کیوں؟

ایک سوال ہوتا ہے کہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کیوں کہا گیا؟ مفسرین نے اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں۔

(۱) فضول خرچی کرنے والے وہ شیطان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں وہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے برخلاف شیاطین کی مرضیات پر خرچ کرتے ہیں، لہٰذا شیطان کے بھائی ہیں۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے یہ کہ جب جزائے عمل کا وقت آئے گا تو فضول خرچ لوگوں کو رسیوں سے باندھ کر شیطانوں کے ساتھ ہی جہنم میں پھینک دیا جائے گا، اور اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

فضول خرچی کے مواقع

شریعت اسلامیہ نے فضول خرچی کو بالکل پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس پر وعیدیں سنائی ہے۔ ہمارے معاشرے میں فضول خرچی کہاں کہاں پائی جاتی ہے ہم ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

پہلا موقع: تعمیرات میں

شریعت اسلامیہ نے بقدر ضرورت مکان تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے۔ ایک حدیث میں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں سعادت اور نیک بختی کی دلیل ہیں۔ نیک بیوی، ایسا وسیع مکان جس میں ضرورتیں پوری ہوں، نیک پڑوسی اور اچھی سواری۔ اور چار چیزوں کو شقاوت و بدبختی کی علامات قرار دیا۔ بدترین پڑوسی، بداخلاق و بدتمیز بیوی، بری سواری اور ایسا مکان جہاں ضرورتیں پوری نہ ہوں۔ (مسند احمد: مسند سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ / رقم الحدیث: ۱۴۴۵)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وسیع مکان کو سعادت

کی دلیل قرار دیا ہے۔ لیکن بلا ضرورت تعمیر کرنا اور اس میں بے تحاشا رقم استعمال کرنے کو ناپسند قرار دیا ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے راستے میں ایک پختہ مکان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ فلاں انصاری صحابی کا مکان ہے۔ آپ خاموش ہو گئے اور دل میں یہ بات اپنے محفوظ رکھی۔ جب آپ کی مجلس منعقد ہوئی اور صحابہ کرام حاضر ہوئے تو وہ انصاری صحابی بھی مجلس میں آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ رخ پھیر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ حضور مجھ سے ناراض ہیں مگر ناراضی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر حضور مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟ مجلس برخاست ہونے کے بعد اپنے کسی ساتھی سے پوچھا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا، مگر آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ رخ پھیر لیا۔ حضور مجھ سے ناراض ہیں تو آخر ناراضی کی وجہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے بتلایا ویسے تو کچھ معلوم نہیں البتہ اتنا ضرور ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راستے سے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے پختہ مکان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ ہم نے تمھارا نام لے کر بتایا کہ یہ ان کا ہے۔ تو وہ انصاری صحابی سمجھ گئے کہ جو پختہ مکان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا شاید یہی ناراضی کی وجہ ہے۔ کدال پھاوڑا لے کر گئے اور مکان کو مسمار کر دیا اور زمین کے ہموار کر دیا۔ پھر آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا اس مکان کی وجہ سے آپ مجھ سے ناراض تھے میں نے وہ مکان مسمار کر دیا ہے۔ اتفاقاً دوسری مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر اسی راستے سے ہوا آپ نے

دیکھا کہ وہ پختہ مکان غائب ہے اور وہاں کی زمین بالکل ہموار ہے۔آپ نے پوچھا یہاں جو پختہ مکان تھا اس کا کیا ہوا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جب ان کو آپ کی ناراضی کی وجہ کا علم ہوا تو اس پختہ مکان کو منہدم کر دیا۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر عمارت وہ صاحب عمارت کے لیے وبال ہے مگر جس قدر ضروری ہو جس قدر ضروری ہو اتنی ہی تعمیر ہونی چاہیے۔

(ابو داود: کتاب الادب/باب ماجاء فی البناء/رقم الحدیث:۵۲۳۷)

ہمارا حال

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم تعمیرات میں ضرورت سے زائد مال بے دھڑک اور بلا وجہ استعمال کرتے ہیں۔میرے والد صاحب مرحوم ایک صاحب کے نئے مکان کے افتتاح کے موقع پر تشریف لے گئے تو وہ کہنے لگے مفتی صاحب! اسی ہزار کا نل ہے۔والد صاحب نے یہ خیال کیا کہ پورے مکان میں جتنے نل ہوں گے سب کا خرچ اسی ہزار ہوگا۔انھوں نے کہا نہیں مفتی صاحب! ایک نل اسی ہزار کا ہے۔تو فرمایا بھائی! اس میں سے دودھ نکلتا ہے کہ شہد؟ اسی کا نام اسراف ہے۔جب اس سے کم قیمت کے نل میں کام چل سکتا تھا تو اتنا زیادہ خرچ کرنا ہی فضول خرچی ہے۔

دوسرا موقع: کھانے پینے میں اسراف

شرعی دائرے میں رہتے ہوئے کھانے پر اسلام نے کوئی روک ٹوک نہیں کی، ہمہ وقت اسی فکر میں رہنا یہ پسندیدہ نہیں ہے اور ہماری تخلیق کے مقصد کے بھی خلاف ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

حدیث شریف میں ایک صحابی کا واقعہ ملتا ہے۔ان کا نام حضرت وہب ابن عبداللہ

رضی اللہ عنہ تھا اور ان کا شمار چھوٹی عمر والے ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بالغ نہیں ہوئے تھے، خود ان کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے گوشت کا ثرید کھایا، اور ڈکاریں لیتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا کررہے ہو؟ اپنی ڈکاروں کو روکو۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں پیٹ بھر رہے ہیں وہی قیامت میں سب سے زیادہ بھوکے ہوں گے۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۴۲)

منقول ہے کہ حضرت وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ ممانعت کے بعد تا زندگی کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ اگر رات میں کھا لیتے تو دن میں نہیں کھاتے اور جب دن میں کھا لیتے تو رات میں نہیں کھاتے۔

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی آدمی نے کوئی برتن اپنے پیٹ سے زیادہ برا نہیں بھرا، آدمی کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں اور اگر زیادہ ہی کھانا ضروری ہو تو پیٹ کا ایک تہائی حصہ اپنے کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے باقی رکھے۔ (ترمذی: ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی کراہیۃ کثرۃ الاکل / رقم الحدیث: ۲۳۸۰)

ان دونوں روایتوں سے پتہ چل گیا کہ اسلام نے کھانے پینے کے سلسلے میں فضول خرچی سے کس انداز سے روکا ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ہونے والی فضول خرچی کو روکنے کے لیے اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ گرا ہوا لقمہ صاف کر کے کھا لیا جائے اور برتن کو چاٹ لیا جائے اور ہاتھوں کو بھی چاٹ لیا جائے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مشہور صحابی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فتح قادسیہ کے بعد جب ساتھیوں سمیت مدائن میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوئے تو کفار کی ایک سپر طاقت کے شاہی دربار میں کھانا کھاتے ہوئے ان کے ہاتھ سے جب لقمہ گرا تو آپ نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور تعلیم کے مطابق اٹھا کر صاف کیا اور کھالیا۔اس پر قریب بیٹھے ہوئے کسی شخص نے تنبیہ کی کہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانا دربار شاہی کے آداب طعام کے منافی ہے اور اس عمل سے یہ لوگ مسلمانوں کے حرص و افلاس پر بھی استدلال کر سکتے ہیں تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ ایمان افروز جملہ ارشاد فرمایا:

أأترک سنة حبیبی لهؤ لاء الحمقاء

کیا ہم اپنے نبی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ان احمقوں کی تہذیب کی خاطر ترک کر دیں۔(آج کا سبق:۱۲۹)

یہ تھا راہ حق کا وہ قافلہ جو اسلام کی ایک ایک تعلیم اور پیغمبر اسلام کی ایک ایک سنت کو پورے یقین اور بھر پور اعتماد کے ساتھ لے کر اٹھا اور دنیا کی کسی بھی طاقت سے ڈرنے والا نہیں تھا۔

ام عاصم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہمارے پاس حضرت نبیشہ الخیر رضی اللہ عنہا آئی، ہم لوگ ایک پیالے میں کھانا کھا رہے تھے، تو انھوں نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پیالے میں کھائے پھر اسے چاٹے تو پیالہ اس کے لیے استغفار کرتا ہے۔(ترمذی:

ابواب الاطعمة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی اللقمة تسقط/رقم الحدیث:۱۸۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے تو ہاتھ چاٹنے یا کسی کو چٹانے سے پہلے ہاتھ نہ پونچھے۔ (بخاری: کتاب الاطعمة/باب لعق الاصابع و مصبا قبل ان تمسح بالمنديل/رقم الحديث: ۵۴۵۶)

تیسرا موقع: وضو میں اسراف

شریعت اسلامیہ نے فضول خرچی سے اتنی شدت سے روکا ہے کہ وضو میں بھی اسراف اور فضول خرچی کو پسند نہیں کیا، بلکہ اس کو ظلم قرار دیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تنبیہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ وضو کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیسا اسراف ہے؟ انھوں نے کہا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں چاہے تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ بیٹھے ہو۔ (ابن ماجه: كتاب الطهارة وسننها/باب ماجاء فی القصد فی الوضوء و كراہية التعدی فيه/رقم الحديث: ۴۲۵)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تین مرتبہ سے زائد دھونا فضول خرچی میں شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو شخص وضو میں تین مرتبہ سے زائد پانی استعمال کرے گا تو مجھے اس کے گنہگار ہونے کا اندیشہ ہے۔ (ترمذی: ابواب الطهارة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی الوضوء ثلاثا ثلاثا/رقم الحديث: ۴۴)

چوتھا موقع: زیب و زینت میں اسراف

شریعت اسلامیہ نے جائز درجہ میں زیب و زینت کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رتی برابر بھی غرور اور گھمنڈ ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا، ایک شخص نے عرض کیا کہ ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے عمدہ ہوں اور اس کا جوتا بھی اچھا ہو، تو کیا یہ غرور اور گھمنڈ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے، غرور اور گھمنڈ یہ ہے کہ انسان حق بات کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ (مسلم: کتاب الایمان / باب تحریم الکبر و بیانہ / رقم الحدیث: ۹۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر زیارت کی نیت سے تشریف لائے، تو آپ نے پراگندہ بال والے ایک آدمی کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ کیا اسے اپنے بال درست کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملتی؟ پھر آپ نے ایک دوسرے آدمی کو دیکھا جو گندے کپڑے پہنا ہوا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ کیا اسے پانی نہیں ملتا کہ اس سے اپنے کپڑے دھولے؟ (ابوداود: کتاب اللباس / باب فی غسل الثوب وفی الخلقان / رقم الحدیث: ۴۰۶۲)

ترمذی شریف کی ایک روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو قبول کرتے ہیں، صاف ستھرے ہیں اور نظافت کو پسند کرتے ہیں۔ (ترمذی: ابواب الادب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی النظافۃ / رقم الحدیث: ۲۷۹۹)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے لباس و پوشاک میں زیب و زینت کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ اس کو پسند کیا ہے۔

ہاں! زیب وزینت میں حد سے تجاوز کرنا اور فضول خرچی کرنا یہ ناپسندیدہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو کچھ ہدایتیں کی تھیں، ان میں سے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ تم بتکلف ناز ونعم میں پڑنے سے بچنا، اللہ کے بندے نعمتوں میں تکلفات کرنے والے نہیں ہوتے۔ اسی لیے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام لوگوں کو مالداروں کے ساتھ زیادہ اٹھنے بیٹھنے سے منع فرمایا، کیوں کہ ان کی عیش وعشرت کو دیکھ کر ان میں حرص کا جذبہ پیدا ہوگا، اور زندگی کا سکون ختم ہو جائے گا۔ (مسند احمد: مسند الانصار/حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۲۱۱۸)

حضرت عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں مالداروں کے ساتھ رہا تو اپنے سے زیادہ کسی کو غمزدہ نہیں دیکھا، کیونکہ میں اپنے سے بہتر سواری اور اپنے سے بہتر کپڑا دیکھتا تھا اور جب میں غریبوں کے ساتھ رہا تو میں نے راحت محسوس کی، کیوں کہ اب میری سواری اور میرا کپڑا دوسروں سے اچھا تھا۔ (ترمذی: ابواب اللباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی ترقیع الثوب/رقم الحدیث: ۱۷۸۰)

پانچواں موقع: تقریبات میں اسراف

شادی ایک مقدس فریضہ ہے، مگر ہم نے فضول رسومات کو اس مقدس فریضے میں شامل کرلیا ہے۔ ہماری محفلوں کو جن انداز سے منعقد کیا جاتا ہے تو کوئی اسے دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب سے بچھڑی قوم کی محفل ہے۔ فضول رسومات کی وجہ سے ہم نے ایک آسان عمل کو مشکل بنا دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے برکت والا نکاح وہ ہے

جس میں کم سے کم تکلفات ہوں۔(مشکوۃ المصابیح ؍ص:۲۶۸)

نکاح اتنا آسان ہے کہ لڑکا اورلڑکی دو گواہوں کی موجودگی میں ایک کہہ دے کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا اور دوسرا کہے مجھے منظور ہے تو نکاح ہو گیا،لیکن ہمارا عمل تو اس کے خلاف ہوتا جارہا ہے۔ایک آسان عمل کو ہم نے کتنا مشکل کیا ہے،اسے ہم سمجھیں۔

منگنی کی محفل اوراس میں اسراف

شادی بیاہ میں رسومات اور فضول خرچی کی شروعات سب سے پہلے منگنی سے ہوتی ہے، جب کہ شریعت میں منگنی نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارہ نکاح ہوئے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کے نکاح ہوئے،صحابہ کے نکاح ہوئے مگر کسی کے یہاں منگنی کی محفل سجی ہو اس کا ثبوت نہیں ملتا۔اورآج کے دور میں ایک منگنی کے پیچھے اتنی رقم برباد کی جاتی ہے جس میں کئی مسلمان غریب لڑکیوں کی شادی کرواکے انھیں غیر مسلموں کے قبضے میں جانے سے بچایا جاسکتا ہے۔

لڑکی والوں کے یہاں غیر ضروری محفل

شادی بیاہ کے موقع فضول خرچی کی دوسری جگہ ہے لڑکی والوں کے یہاں بڑی بڑی محفلیں سجانا، جب کہ شریعت نے لڑکی والوں پرکوئی بوجھ رکھا ہی نہیں، بلکہ نکاح کے چھوہاروں تک کا بوجھ بھی لڑکی والوں پر نہیں ہے۔ارے!لڑکی کے باپ نے اپنی لخت جگر تمھیں دے دی اب کیا چاہتے ہو اس سے؟لیکن بڑی بارات لانا، پھر ان کی آؤ بھگت کرنا،ان کے لیے عارضی طور پر قیام کا شاندار انتظام کرنا،طرح طرح کے پکوان بنانا،لڑکی کا باپ بیچارہ مجبوراً ان سب کا بوجھ اٹھاتا ہے اور زندگی بھر کی جمع کی ہوئی پونجی لگا دیتا ہے۔اوراگر باراتیوں کے

مطالبات وفرمائشوں کو پورا نہ کیا جائے تو رشتہ توڑ دینے کی دھمکی دی جاتی ہے،لڑکی والوں کے ساتھ نہایت بے شرمی کا معاملہ کیا جاتا ہے۔کیا یہ اسلامی تعلیم ہے؟مدنی آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے؟ہرگز نہیں۔

جہیز کی لعنت

شادی بیاہ کے موقع پر فضول خرچی کا تیسرا موقع ہے جہیز کی لعنت۔جہیز موجودہ دور کا ایک موذی مرض ہے کینسر کی طرح۔اس کی وجہ سے لاکھوں لڑکیوں کی زندگی ضائع ہوگئی ہے۔جہیز کی اس لعنت کی وجہ سے ہزاروں لڑکیاں موت کی وادی میں دھکیلی جارہی ہے۔جس ماں باپ نے اپنی نورِنظر کو لختِ جگر کو پلکوں پر بیٹھا کر بڑا کیا اور اس کی اچھی تربیت کی،لیکن جب اس کی شادی کا وقت آیا اور سسرال والوں نے جہیز کے مطالبہ کیے تو اس وقت وہ لڑکی ماں باپ کے لیے ایک بوجھ سی بن جاتی ہے۔

جہیز کے نقصانات

جہیز کی اس لعنت کے بہت سے نقصانات ہیں۔

(۱) نکاح مشکل اور زنا آسان ہوگیا۔

(۲) غریب مسلمان لڑکیاں اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لیے فحاشی کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

(۳) مسلمان لڑکیاں غیر مسلموں کی آفس ودکانوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں،تاکہ اپنی شادی کا انتظام کرسکے۔مگر اس کے بھیانک نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔

(۴) لڑکی کا باپ جہیز کے لیے لون لینے پر،صدقہ وخیرات طلب کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

افسوس صد افسوس! ڈوب مرنا چاہیے ایسے لڑکے کو اور اس کے ماں باپ کو جو لڑکی والوں سے ایسے ناجائز مطالبات کرتے ہیں اور لڑکی کا باپ اس کا انتظام صدقات وخیرات کی رقم سے کرتا ہے۔

ایک شامی عالم کا واقعہ

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ملک شام کے مشہور عالم اور اپنے استاذ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کیا ہے وہ ایک مرتبہ وہ یہاں آئے ہوئے تو ایک مقامی دوست سے بھی ملنے آ گئے۔ انھوں نے عرب بزرگ کو دیکھا تو کہ دعا کیجیے میری دو بیٹیاں ہیں ان کی شادی ہو جائے۔ شیخ نے پوچھا کہ کیا مناسب رشتہ نہیں ملتا؟ انھوں نے کہا رشتہ تو ہو گیا ہے، لیکن میرے پاس اتنے مالی وسائل نہیں کہ میں شادی کر سکوں۔ شیخ نے فرمایا بھائی! تمھاری لڑکیاں ہیں یا لڑکے؟ کہنے لگے لڑکیاں ہیں۔ شیخ نے کہا پھر مالی وسائل کی کیا ضرورت؟ انھوں نے کہا کہ میرے پاس جہیز دینے کے لیے مال نہیں ہے۔ شیخ نے پوچھا بھائی جہیز کیا ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا ہمارے علاقے میں رواج ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکی کا باپ لڑکی کو زیورات، کپڑے، سامان وغیرہ دیتا ہے اس کو جہیز کہتے ہیں۔ جہیز دینا باپ کی ذمے داری سمجھی جاتی ہے۔ شیخ نے یہ سنا تو سر پکڑ لیا اور کہا کیا لڑکی کی شادی کرنا کوئی جرم ہے جس کی یہ سزا باپ کو دی جائے؟ پھر شیخ نے کہا کہ ہمارے ملکوں میں ایسی کوئی رسم نہیں، بلکہ یہ تو لڑکے والوں کی ذمے داری سمجھی جاتی ہے کہ گھر میں دلہن لانے سے پہلے ضروری سامان لے آئیں۔

(انوار نبوت رص:۸۰۷)

ہمارے معاشرے کا حال

عرب معاشرے کا حال تو آپ کو بتا دیا، اب ہمارے معاشرہ کا حال بھی سنیں کہ کیا ہوتا ہے۔

(۱) جہیز کو شادی کے لیے لازم سمجھ لیا کہ اس کے بغیر تو شادی ہو ہی نہیں سکتی۔

(۲) جہیز کی مقدار اور چیزوں کی فہرست بنا کر لڑکے والوں کی طرف سے دی جاتی ہے کہ فلاں فلاں چیزیں ہمیں چاہیے۔

(۳) بات صرف اتنی نہیں کہ لڑکی کا باپ لڑکی کا رشتہ بچانے کے لیے چپ چاپ کچھ دے دیں، بلکہ جہیز کو محلوں میں رکھ کر اس کی نمائش کی جاتی ہے۔ اب ظاہری بات ہے کہ سامان کم ہوگا تو لڑکی کا باپ اپنی بے عزتی سمجھے گا، اس لیے وہ الٹی سلٹی چیزوں کا سہارا لیتا ہے۔

(۴) لڑکی کے سسرال والے بھی جہیز پر خوب کڑی نظر رکھتے ہیں، مطالبے کرتے ہیں، اور اگر پورے نہ ہو تو لڑکی والوں کو طعنے دئے جاتے ہیں کے ناک میں دم کر دیا جاتا ہے۔ (مستفاد از انوار نبوت رص: ۱۰۷)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی دو صاحبزادیوں کا نکاح

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ ان کی بڑی صاحبزادی کا رشتہ حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا تھا اور دوسری بیٹی کا رشتہ حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا تھا۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ چچا جان نور اللہ مرقدہ ہر سال مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں شنبہ کی شام کو تشریف لایا کرتے تھے۔ معمول کے مطابق ۲ رمحرم ۱۳۵۴ھ مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاح کا دستور پڑ گیا ہے، کل

کے جلسے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے یوسف وانعام کا نکاح پڑھوا دوں؟ میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوا دیجیے، مجھ سے کیا پوچھنا۔ عشا کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا کہ چچا جان کا ارادہ ہے یہ ہے کہ کل کے جلسہ میں دونوں بچیوں کا نکاح پڑھوا دیں۔ میری اہلیہ مرحومہ نے اس کے لفظ مجھے خوب یاد ہے یہ کہا کہ تم دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک جوڑا تو ان کے لیے سلوا دیتی۔ مجھے اپنا جواب بھی خوب یاد ہے اور میرے جواب پر مرحومہ کا سکوت بھی، اچھا! مجھے خبر نہیں تھی، یہ ننگی پھر رہی ہیں، میں تو سمجھ رہا تھا کہ یہ کپڑے پہنے پھرتی ہیں۔ (آپ بیتی: ۱/۲۴۵)

شادی کارڈ

شادی بیاہ میں فضول خرچی کی ایک صورت ہے عالی شان شادی کارڈ بنوانا۔ اس کے پیچھے بھی اتنی رقم برباد کی جاتی ہے کہ اس میں کئی غریب لڑکیوں کے نکاح ہو سکتے ہیں۔ شادی کارڈ کا مطلب صرف اطلاع دینا ہے جو زبانی بھی ہو سکتی ہے اور سادہ کاغز پر بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن آج کل عجیب وغریب ڈیزائن کے نہایت مہنگے وقیمتی شادی کارڈ تیار کروائے جاتے ہیں اور اس پر بے تحاشا روپیہ برباد کیا جاتا ہے، جب کل قیامت میں اس کا بھی حساب دینا ہوگا۔

ڈیکوریشن میں اسراف

شادی بیاہ کے موقع پر فضول خرچی کی ایک صورت ہے محفل میں ڈیکوریشن اور سجاوٹ۔ صرف اور صرف اپنی بڑائی جتلانے کے لیے اور نمائش کے لیے لاکھوں روپیہ اس پر برباد کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سجاوٹ وقتی دل لگی اور عارضی تماشے کے علاوہ کچھ نہیں۔ بندہ تو کہتا ہے کہ اس ڈیکوریشن اور سجاوٹ کی رقم سے میاں بیوی کو حج کروادو، ایک فریضہ سر سے اتر

جائے گا۔

ولیمے کی تقریب میں اسراف

میاں بیوی کی ملاقات کے بعد کی جانے والی دعوت کو ولیمہ کہا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے لڑکے والوں پر حیثیت کے مطابق دعوت کرنے کو پسند کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر نکاح کی خوشبو دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تھا کہ تم نے شادی کی ہے؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں! آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبارک باد دی اور فرمایا ولیمہ کرنا اگرچہ ایک بکری ہو۔(بخاری: کتاب النکاح/باب الولیمۃ ولو بشاۃ/رقم الحدیث:۵۱۶۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولیمے

بخاری شریف کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا جو دو سیر جو کے ساتھ تھا۔(بخاری: کتاب النکاح/باب من اولم باقل من شاۃ/رقم الحدیث: ۵۱۷۲)

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ تو عجیب شان کے ساتھ ہوا۔ چمڑے کا ایک عجیب دسترخوان بچھایا گیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اعلان کر دو جس کے پاس جو کچھ ہو وہ لے کر آ جائے۔ جب کچھ سامان جمع ہوا تو سب نے مل کر کھا لیا جس میں گوشت تھا نہ روٹی۔(سیرت مصطفیٰ: ۳/ ۳۲۳)

ازواج مطہرات میں سب سے شاندار ولیمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ہوا۔ نکاح کے دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولیمے کی دعوت رکھی۔ ایک بکری ذبح فرما کر ولیمہ کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

جو ولیمہ کیا اس سے بہتر ولیمہ کسی اور بیوی سے شادی کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بکری ذبح فرمائی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بھی اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حریرہ (عرب کا مشہور حلوہ) بنا کر ایک برتن میں بھیج دیا اور تقریباً تین سو افراد نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۳/۳۰۰)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ فلاں فلاں کو اور ان کے علاوہ جو تم کو ملے ولیمے کے لیے بلا کر لاؤ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولیمے میں آنے کی دعوت دی۔ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر لوگوں سے بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ دس دس کا حلقہ بنالو اور ہر شخص اپنی طرف سے کھائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس کھانے میں رکھا اور برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد اس میں اتنی برکت ہوئی اتنی برکت ہوئی کہ سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھالیا کھانا تب بھی ختم نہ ہوا۔ جب سب لوگ کھا چکے تو مجھے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے انس! اس کھانے کو اٹھالو! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اسے اٹھایا تو میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ جب یہ کھانا میں نے لوگوں کے سامنے کھانے کے لیے رکھا تھا اُس وقت زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے۔؟ اس میں اتنی برکت ہوئی کہ سینکڑوں آدمیوں کے کھا لینے پر بھی بچ گیا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۳۲۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف نکاحوں میں دعوتِ ولیمہ بھی مختلف انداز کی رہی، تاکہ

امتیوں کے لیے جس میں آسانی ہو اسے اختیار کر لے۔

ہمارے ولیموں کا حال

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے ولیموں کی محفلیں ایسی شاندار کرتے ہیں اور اس میں نمائش اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، مقابلہ آرائی ہوتی ہے، فخر اور نام ونمود کے طور ایک سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کیا جاتا ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ برا کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقرا کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے دعوت کو کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔(بخاری: کتاب النکاح / باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ / رقم الحدیث: ۵۱۷۷)

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مقابلہ آرائی کرنے والوں کی نہ دعوت قبول کی جائے اور نہ ان کا کھانا کھایا جائے۔(مشکوۃ المصابیح / ص: ۲۷۹)

پھر ہماری دعوتوں میں بفے سسٹم کا رواج چل پڑا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ کر اس سسٹم کو اپنانا باعثِ عزت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس میں کھانے کا خوب نقصان ہوتا ہے، نعمتوں کی ناقدری ہوتی ہے، جس نبی نے ہمیں کھانے کے بعد انگلیاں تک چاٹنے کا حکم دیا اسی نبی کی امت آج دعوتوں میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو ضائع کرتی ہے۔ لاکھوں روپیہ ایسی دعوتوں میں اڑا ادیا جاتا ہے۔

فضول خرچی کے نقصانات

(۱) فضول خرچی کا پہلا نقصان یہ ہے کہ یہ اللہ کی ناراضی کا سبب ہے۔ قرآن کی واضح آیات اس پر موجود ہیں۔

(۲) اگر مال خرچ کرنے کے معاملے میں احتیاط نہ کی جائے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ مالدار آدمی بھی فقیر ہو جائے گا۔

(۳) فضول خرچی حقیقت میں کسی مستحق شخص کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کے برابر ہے۔ اگر حد سے زیادہ صرف کو قابو کیا جائے تو اس رقم کو کسی مستحق کی مدد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۴) فضول خرچی کا ایک اور نقصان یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی میدان میں خرچہ زیادہ کر دیتا ہے تو دوسرا بھی اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے اس مد میں اتنا ہی خرچہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مڈل کلاس کا فرد شادی کی تقریب میں دس لاکھ روپے خرچ کرتا ہے تو اس کلاس کے دوسرے افراد کے لیے بھی یہ کرنا ایک طرح کی مجبوری بن جاتی ہے۔ اس طرح ایک فرد کا اسراف دوسرے کے لیے مشکل کا سبب بنتا چلا جاتا ہے۔

(۵) فضول خرچی اور دکھاوے اور ناک اونچی رکھنے کے عمل کے دوران عام طور پر لوگ جائز اور ناجائز کی تمیز بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چنانچہ لوگ اسٹیٹس برقرار رکھنے کے چکر میں حرام کمانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

اللہ رب العزت ہمیں اس کی نعمتوں کی قدردانی نصیب فرمائیں اور فضول خرچی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ذکر اللہ کے انوارات و برکات سے مالا مال فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم

مضمون: (۱۳)

تربیت

اولاد

تعارف

۱۳/ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۵/ اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: اتوار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ۝﴾ [طٰہٰ: ١٣٢]

تمہید

یہ سورۂ طٰہٰ کی ۱۳۲ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور کو دبھی اس پر جمے رہیے، ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے، رزق تو ہم آپ کو دیتے ہیں، اور بہترین انجام اہل تقویٰ کے لیے ہے۔ اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کی تربیت کا نرالے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ آپ اپنے آپ کو ٹھیک کرلو، اولاد خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔

اولاد انمول تحفہ

اولاد والدین کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ بعض مرتبہ اولاد کی خواہش میں انسان زندگی بھر دعائیں کرتا ہے مگر مشیتِ الٰہی سے اس اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار اس نعمت کے حصول میں بندے کو لمبی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہے۔ جب یہ نعمت مل جاتی ہے تو پورے گھرانے میں مسرت وخوشی کا اظہار ہوتا ہے، مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہے، ماں باپ اپنی اولاد کے لاڈ پیار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

لیکن یاد رکھیں کہ اولاد کے دنیا میں آجانے کے بعد شریعت نے اب ماں باپ پر

بہت بھاری ذمے داری رکھ دی ہے اور وہ ہے اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت۔

بچوں کا ذہن کم عمری میں سادہ تختی کی طرح ہوتا ہے، اس تختی پر جو کچھ لکھا جائے بچے اس کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ ایک عرب عالم بچوں کی تربیت کے متعلق اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ معصوم بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے تو سفید کاغذ کی طرح ہوتا ہے اور گوندھے ہوئے نرم آٹے کی طرح ہوتا ہے، جس سے کوئی بھی شکل بنائی جا سکتی ہے اور ہر طرح سے اس کو سجایا جا سکتا ہے۔ (رہنمائے معلمین و منتظمین ص:۷۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ اولاد کی تربیت پر زور دیا ہے۔

(۱) ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ والد کا اپنی اولاد کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں کہ اس کو اچھے آداب سکھائے۔ (ترمذی: ابواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم/ باب ماجاء فی ادب الولد/ رقم الحديث: ۱۹۵۲)

(۲) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه (بخاری: کتاب الجنائز/ باب ما قیل فی اولاد المشرکین/ رقم الحدیث: ۱۳۸۵۔ مسلم: کتاب القدر/ باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ/ رقم الحدیث: ۴۷۱۴)

ہر بچہ فطرت پر جنم لیتا ہے مگر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

(۳)مسلم شریف کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة : إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له(مسلم: کتاب الوصیایا/مایلحق للانسان من الثواب بعد وفاته/رقم الحدیث: ۱۶۳۱)

جب انسان کا انتقال ہوجاتا ہے تو عمل کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ نفع اٹھائے اور نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرے۔

ان تمام ارشادات سے اولاد کی تربیت، انھیں نیک بنانے کی فکر اور ان کی دینی فطرت کو بچانے کی فکر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کے انداز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح اپنے ارشادات کی روشنی میں اولاد کی تربیت کی اہمیت کو بتلایا اسی طرح عملی طور پر بھی اس کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔ چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

اسے تھوک دو

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بچے تھے، گھر میں صدقے کی کھجوریں رکھی ہوئی تھیں، بچہ کیا جانے کہ صدقہ کیا ہوتا ہے انھوں نے کھانے کی چیز سمجھ کر اٹھا کر منہ میں رکھ لی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ پڑی، آپ نے فرمایا :کخ کخ ارم بها (بخاری: کتاب الزکوۃ/باب ما یذکر فی الصدقة للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/رقم الحدیث: ۱۴۹۱)

کخ کخ کے معنی اردو میں تھو تھو یعنی تم اسے تھوک دو، تمھیں معلوم نہیں کہ یہ

صدقے کی کھجوریں ہیں، اور صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے، آپ ﷺ نے وہ کھجور تھکوا دی، کھانے نہیں دی۔

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کی تربیت

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا ہے، تو یہ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے سوتیلے صاحبزادے ہیں۔ ایک مرتبہ کھانے کے لیے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہیں، ابھی وہ بچے تھے، اور بچہ کیا جانے؟ والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ کھانے کا طریقہ سکھائیں۔ تو حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ادھر ادھر سے لقمہ لے رہے تھے، ہاتھ کبھی اس طرف کبھی اس طرف۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ سم اللہ وکل مما یلیک وکل بیمینک تین ادب آپ ﷺ نے بتلائیں۔ کہ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ یہ ایک ادب ہے۔ دوسرا اپنے سامنے سے کھاؤ۔ تیسرا دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ (بخاری: کتاب الاطعمۃ / باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین / رقم الحدیث: ۵۳۷۶)

ایک جھوٹ لکھا جاتا

سرکار دو عالم ﷺ نے ایک صحابیہ کو دیکھا کہ اس نے اپنی مٹھی بند کی ہے اور بچے کو بلا رہی ہے: تعال اعطیک یہاں آ میرے پاس، میں کچھ دوں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ آخر تم کیا دینا چاہتی ہو؟ کیوں بلاتی ہو؟ عرض کیا میری مٹھی میں کھجور ہے، میں وہ دینا چاہتی ہوں۔ فرمایا کہ اگر تمھاری مٹھی میں کھجور نہ ہوتی، اور تم محض بلانے کے لیے کہتی کہ یہاں آ، میں کچھ دوں تو تمھارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (ابوداود: کتاب الادب /

باب فی التشدید فی الکذب/رقم الحدیث: ۴۹۹۱)

دس جامع نصیحتیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی۔(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا چاہے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے (۲) والدین کی نافرمانی مت کرنا چاہے وہ بیوی کو چھوڑنے یا سارا مال خرچ کرنے کا حکم دے (۳) فرض نماز مت چھوڑنا اس سے اللہ کا ذمہ بری ہوجاتا ہے (۴) شراب نہ پینا اس لیے کہ یہ ہر برائی کی جڑ ہے (۵) اللہ کی نافرمانی مت کرنا اس سے اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے (٦) لڑائی میں مت بھاگنا چاہے سب ساتھی مرجائے (۷) اگر کسی جگہ وبا پھیلی ہو تو وہاں سے مت بھاگنا (۸) اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا (۹) تنبیہ کے واسطے سے لکڑی نہ ہٹانا (۱۰) اللہ کے عذاب سے انھیں ڈراتے رہنا۔(مسند امام احمد: مسند الانصار/حدیث معاذ بن جبل/رقم الحدیث: ۲۲۰۷۵)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ نے اولاد کی دینی وایمانی تربیت پر کتنا زور دیا ہے۔اسی لیے کسی نے خوب کہا ہے ؎

لیس الیتیم الذی قد مات والدہ	ان الیتیم یتیم العلم و الادب

یتیم وہ نہیں کہ جس کے باپ کا انتقال ہوگیا ہو، بلکہ یتیم وہ ہے جو علم وادب سے کورا ہو۔

تربیت کی فکر

حضرت ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے علما کی ایک جماعت

کو جب قید خانے سے رہا کیا تو پوچھا قید خانہ میں تمھارے لیے سب سے زیادہ ناقابل برداشت چیز کیا تھی؟ سب نے یہی کہا کہ خلیفہ نے ہمیں اچانک زنجیر کی نظر کر دیا اور ہمیں اتنی مہلت نہ ملی کہ ہم اپنی اولاد کے لیے کسی لائق استاذ کا انتخاب کر سکیں، اتنے عرصے تک ہمارے بچے تعلیم و تربیت سے محروم رہیں یہ تکلیف ہمارے لیے ناقابل برداشت تھی۔ قید خانے میں جو تکلیفیں اٹھائی وہ کوئی خاص قابل توجہ نہیں، کیوں کہ ہم قید خانے سے باہر اس سے زیادہ تکلیف اٹھانے کے عادی تھے۔ (رہنمائے معلمین و منتظمین ص:۳۵)

تربیت اولاد کے اصول

اولاد کی تربیت کا دائرہ بہت وسیع ہے، لیکن تربیت کے چند اہم اصول کو پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا اصول

بچوں کی تربیت کا پہلا اور بنیادی اصول ہے ایمانی تربیت کرنا۔ بچہ بولنا سیکھے تو سب سے پہلے لفظ اللہ بلوانا، بچوں کو صحیح عقائد سکھانا، بنیادی اسلامی تعلیمات سے واقف کرانا، سات سال کا ہونے پر نماز کی تعلیم دینا، روزہ رکھنے کے قابل ہو تو روزے رکھوانا وغیرہ؛ یہ ساری چیزیں ایمانی تربیت میں شامل ہے۔

دوسرا اصول

بچوں کی تربیت کا دوسرا اصول ہے ان کی اخلاقی تربیت کرنا۔ بچوں کو ابتدائی عمر سے ہی اعلیٰ اخلاق کا عادی بنانے کی کوشش کی جائے، کیونکہ بچپن کی عادتیں بڑے ہونے پر پختہ ہوتی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ بچپن ہی سے انھیں سچائی، امانت داری، بہادری، احسان،

بزرگوں کی عزت، پڑوسیوں سے بہتر سلوک، دوستوں کے حقوق کی پاسداری اور مستحق لوگوں کی مدد جیسے اعلیٰ اخلاق اوصاف کا حامل بنایا جائے۔ جیسے بڑوں کو سلام کرنے کی عادت ڈالنا، کوئی کچھ پیش کرے تو جزاک اللہ کہنا سیکھانا وغیرہ۔

اسی طرح بچوں کو برے اخلاق مثلاً جھوٹ، چوری، گالی گلوچ اور بے راہ روی سے سختی سے بچایا جائے اوائل عمر سے ہی محنت و مشقت کا عادی بنایا جائے اور عیش کوشی و آرام پسندی سے دور رکھا جائے۔

ایک واقعہ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ سناتے تھے کہ جب یہاں پر انگریزوں کا دور تھا، یہاں سخت قانون تھے، ایک چور نے چوری کے دوران دکان مالک کو مار ڈالا تھا، اسے قید کیا گیا، اور اخیر میں پھانسی کی سزا کا فیصلہ کیا گیا۔ انگریزوں کا دستور تھا کہ جب کسی کو پھانسی دی جاتی تو اُسے پوچھتے کہ تجھے کسی سے ملنا ہے؟ تیری آخری کوئی تمنا ہے؟ اس چور سے بھی یہی سوال کیا گیا کہ تیرا کوئی رشتے دار ہے؟ اس سے ملنا ہے؟ گفتگو کرنی ہے؟ اس نے کہا میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے، البتہ بوڑھی ماں ہے، اس سے ملاقات کرنی ہے، میں اسے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس کی ماں کو خبر کی گئی کہ تمھارے بیٹے کو کل پھانسی دی جانے والی ہے، اور وہ تم سے آخری ملاقات اور گفتگو کرنا چاہتا ہے، تو ماں ملاقات کے لیے پہونچ گئی۔ بیٹے نے قریب بلایا کہ مجھے تو کان میں کچھ کہنا ہے۔ ماں آگے بڑھی، اور اپنا کان قریب کیا، بیٹے نے ماں کے کان کو کاٹ لیا۔ لوگوں نے سخت مخالفت کی کہ مرتے مرتے بھی یہ گناہ کہ اپنی ماں کے کان کو کاٹ دیا۔ اس نے کہا کہ میری ماں نے مجھ کو غلط تربیت دی کہ میں بچپن میں چوری کرتا تھا، ایک

دو روپیہ چوری کر کے ماں کو لا کر دیتا تھا، ماں نے کبھی روکا نہیں اور بجائے تنبیہ کے وہ مجھے شاباشی دیتی۔ رفتہ رفتہ میری ہمت بڑھتی چلی گئی، میں ایک معمولی چور تھا، اب میں ایک بڑا چور بن گیا، آج اسی کی سزا میں مجھے پھانسی ہو رہی ہے۔ اگر میری ماں نے بچپن میں مجھ کو روکا ہوتا تو میں کیوں چور بنتا؟ (فیضان عارف: ۱/ ۱۵۳)

تیسرا اصول

بچوں کی تربیت کا تیسرا اصول ہے بچوں کی جسمانی تربیت کرنا۔ والدین کی طرف سے بچوں کی جسمانی نشو ونما، غذا اور آرام کا خیال رکھا جائے اور انھیں ورزش کا عادی بنایا جائے۔ جسمانی بیماریوں اور جائز ضروریات کو پورا کرنے کی جہاں تک ممکن ہو کوشش کی جائے۔ شرعی دائرے میں رہ کر ورزش سے شریعت منع نہیں کرتی آخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھوڑ سواری بھی ثابت ہے اور شجاعت بھی آپ کا خاص وصف تھا۔

میرے استاذ محترم کا واقعہ

میرے استاذ محترم حضرت مفتی عبد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب کراٹے سیکھنا شروع کیا تو ان کے والد نے سوچا کہ یہ عبد الرحمن خواہ مخواہ دینی مشغلہ کے بجائے ایسی فضول چیزوں میں پڑ گیا ہے، یہ سوچ کر آپ کو حضرت اقدس مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے تا کہ وہ کچھ نصیحت کریں کہ یہ ورزش کے مشغلہ سے باز آجائے۔ جا کر حضرت مفتی لاجپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت! یہ عبد الرحمن کو آپ سمجھائیں کہ یہ چیزیں ترک کردے۔ مگر حضرت مفتی لاجپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اگر چہ اس وقت صاحب فراش تھے لیکن اس بات سے اتنا خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں کب سے سوچ رہا

تھا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝﴾

[الانفال:٦٠]

اس آیت پرعمل کرنے والا کوئی نہیں، آج تو ملا ہے، بیٹا! خوب محنت سے یہ سیکھ لے۔ پھر مفتی لاجپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ورزش کے کچھ سبق بتلائیں کیونکہ خود مفتی لاجپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ورزش کیا کرتے تھے۔ حضرت الاستاذ کے والدمحترم فرماتے ہیں کہ میں تو اس لیے لے گیا تھا کہ شاید حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ نصیحت کریں تو وہ باز آجائے مگر حضرت نے مزید حوصلہ افزائی فرمائی۔ (وہ جو تھا سچا عاشق قرآں رص:۷۵)

چوتھا اصول

بچوں کی تربیت کا چوتھا اصول ہے بچوں کو اعتدال کا عادی بنایا جائے۔ بچوں کو سخت کوشی اور محنت کا عادی بنانے کے لیے انھیں ایک درمیانے معیار کی زندگی کا عادی بنایا جائے تاکہ وہ ایک عام انسان جیسی پُر مشقت زندگی کا تجربہ حاصل کر سکیں۔ صحابہ کرام کا یہی حال تھا۔ جو غربت میں پلے لیکن فتوحات کے دروازے کھلے تو بھی ان کے طرزِ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا اور جو اتنے ناز ونعم میں پلے کہ ان کے ناک صاف کرنے کے رومال ریشم کے ہوا کرتے تھے، مگر جب غربت کا دور آیا تو بھی کوئی فرق نہیں آیا۔

ایک نواب زادے کا واقعہ

فرمایا حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جب یہاں ہندوستان پر انگریز غالب آ گئے تو حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے انگریزوں سے جہاد کے لیے، فوج میں مسلمان نوجوانوں کو بھرتی کر رہے تھے، لکھنؤ پہونچے، وہاں تقریریں کی، لوگوں کو آمادہ کیا۔ لکھنؤ کا ایک شہزادہ اس نے کہا میرا نام بھی لکھو۔ ایک تو وہ نواب زادہ اوپر سے لکھنؤ کا۔ کریلا اور نیم چڑھا۔ کیسے کیسے نخروں میں رہا ہوگا؟ شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ قتال کرنا ہے، وہاں نزاکت سے کام نہیں چلے گا، اور یہ تو لکھنؤ کا ہے، اس کی تربیت ہونی چاہیے۔ اس کو بلایا اور کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کھانا کھایا کرے، آپ کو الگ سے کھانا نہیں ملے گا۔ خادم سے بھی کہہ دیا کہ یہ ہمارے ساتھ کھائے گا۔ وہ نواب ذرا خوش ہوا کہ حضرت کا تبرک حاصل ہوگا، کھانے کے لیے بیٹھ گئے، پہلے حضرت نے لقمہ لیا، پھر اس نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت نے زور سے کھنکھار کر بلغم نکالا۔ ایسی گھناونی حرکت اس نے کبھی زندگی میں نہیں دیکھی تھی وہ فورا کھڑا ہو گیا۔ شام کا وقت ہوا تو پھر حضرت نے ایسا ہی کیا بلغم نکالا۔ پھر وہ نواب زادہ کھڑا ہو گیا۔ اگلے دن دوپہر کا وقت ہے، تیسرا وقت ہو رہا ہے، پھر آمنے سامنے کھانے کے لیے دونوں بیٹھے ہیں، پھر حضرت نے ایسا ہی کیا۔ وہ کہنے لگا تیسرا وقت ہے، شدت کی بھوک ہے کہ اب میں میں اٹھنے والا نہیں ہوں، آپ باہر نہیں بلکہ تھالی ہی میں بلغم نکالے اب میں جانے والا نہیں ہوں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بس میں یہی درس دینا چاہتا ہوں کہ جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں مشقت ہی مشقت ہے، اس کی پہلے سے عادت ہونی چاہیے۔ (فیضان عارف: ۱/۳۵۹)

پانچواں اصول

بچوں کی تربیت کا پانچواں اصول ہے کہ اولاً بچوں کو جیب خرچ دینے سے بچا جائے اور بچوں کی ایسی ضروریات کو خود پورا کیا جائے اور اگر بچوں کو جیب خرچ دیا جائے تو پھر اسے ڈسپلن کا پابند بنایا جائے۔ بچوں سے اس رقم کا حساب بھی پوچھا جائے۔ اس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک یہ کہ ان میں بچپن ہی سے کفایت شعاری، بچت اور غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کی عادت پروان چڑھے گی اور دوسرا یہ کہ جواب دہی کا احساس پیدا ہوگا۔

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

میرے والد مرحوم کی عادت تو یہ تھی کہ جیب خرچ کافی بڑے ہونے کے بعد شروع کیا۔ پھر جیب خرچ پر ان کی نظر بھی رہتی تھی کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ ہماری عادت تھی کہ جیب خرچ کی رقم جب ایک مقدار کو پہونچتی تو کتابیں لے آتے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ میں نے وہ رقم کتابوں کے لیے نہیں دی تھی، کتابوں کے لیے وہ بلا جھجک بڑی رقم عطا فرماتے تھے۔ اور پھر کتابوں پر نظر رکھتے تھے، رات میں ڈیڑھ دو بجے کے قریب چپکے سے اٹھتے اور کتابوں کے اوراق کو نیچے سے دیکھتے تھے کہ میلے ہوئے یا نہیں؟ میلے ہونا علامت ہے کہ کتابیں پڑھتے بھی ہیں، صرف جمع کرنے کا شوق نہیں ہے۔

چھٹا اصول

بچوں کی تربیت چھٹا اصول یہ ہے کہ بچوں کی مصروفیات اور ان کے دوستوں کو جاننا ضروری ہے۔ جرائم کا ارتکاب اور نشہ آور چیزوں کا استعمال غلط صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لیے بچے کے دوستوں پر گہری نظر رکھنا والدین کی لازمی ذمے داری ہے۔

ساتواں اصول

بچوں کی تربیت کا ساتواں اصول یہ ہے کہ گھر میں ایک بہتر ماحول قائم کیا جائے۔ ماں باپ کو چاہیے کہ وہ بالخصوص بچوں کے سامنے غصے اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کریں۔ خاندان کے بڑوں میں باہم میل جول، ایک دوسرے کی قدر و منزلت اور احترام بچوں پر خوش گوار اثر ڈالتا ہے۔

آٹھواں اصول

بچوں کی تربیت کا آٹھواں اصول یہ ہے کہ اپنے گھروں میں ایسی چیزیں نکال دی جائیں جو گھر والوں کے خصوصاً بچوں کے بگاڑ کا سبب ہو، ان کے دینی مزاج کو برباد کرنے والی ہوں۔ مثلاً اپنے گھروں میں ٹی وی مختلف قسم کی گیم وغیرہ نہ لایا جائے اور ان چیزوں سے اور موبائل سے بچوں کو دور رکھا جائے۔ آج کل بچے مختلف قسم کے کارٹنوں کو دیکھنے میں وقت ضائع کرتے ہیں حالانکہ ان چیزوں کا بچوں کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو بچوں میں نافرمانی پیدا کرتی ہیں اور بچوں کے عقائد کے لیے زہر قاتل ہوتی ہیں۔ اپنے گھر کی خادمہ اور نوکرانی بھی ایسی نہ ہو جو بچے کے ذہن کو اور عقائد کو بگاڑنے والی ہو۔

نواں اصول

بچوں کی تربیت کا نواں اصول یہ ہے کہ آپسی اختلافات کا ذکر بچوں کے سامنے نہ کیا جائے۔ بعض مرتبہ گھروں میں چچا، چچی، ماموں، ممانی، خالہ، خالو، پھوپھی، پھوپھا وغیرہ سے نوک جھونک ہو جاتی ہے، مگر یہ اختلافی باتیں ہرگز بچوں کے سامنے نہ کی جائے ورنہ بچے ان کی عظمت اور مقام و مرتبت کا لحاظ نہیں رکھیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمارا بچہ بڑوں کے سامنے بے ادبی کرنے والا بنے گا۔

دسواں اصول

بچوں کی تربیت کا دسواں اصول یہ ہے کہ بچوں کے سامنے دینی کتاب کی تعلیم دی جائے ،خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ،صحابہ اور صحابیات کے احوال کی ،مرنے کے بعد کیا ہوگا وغیرہ کتابوں کی تعلیم کی جائے ،تاکہ ایمان واخلاص سے لبریز حضرات کے احوال ہمارے کانوں میں پڑتے رہیں اور ہمارے لیے مشعل راہ کا کام انجام دیتے رہیں۔

گیارہوں اصول

بچے جو کچھ سیکھتے ہیں وہ اپنے بڑوں سے اور خصوصاً والدین سے سیکھتے ہیں،لہٰذا ماں باپ کا اور گھر کے بڑوں کا طرزِ عمل ایسا ہو جو بچوں کی شخصیت کو بنانے والا ہو نہ ہ بگاڑنے والا۔ لہٰذا بڑوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول وفعل کو درست کرلیں بچوں کا قول وفعل خودبخو د درست ہو جائے گا۔

بارہواں اصول

والدین عموماً اپنے بچوں سے اونچی توقعات وابستہ کرتے ہیں،مگر جب وہ اس معیار پر پورے نہیں اترتے تو والدین مایوس ہوجاتے ہیں اور بچوں سے ناراض ہوکر جھنجلاہٹ کا اظہار کرتے ہیں۔اس طرح والدین اور بچے دونوں احساسِ کمتری اور چڑ چڑے پن کا شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ نامناسب رویہ ہے۔ بچوں کو ملنے والی کامیابی پر انھیں حوصلہ دینا اور مناسب انعام سے نوازنا چاہیے اور بچوں کی ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس سلسلے میں علمائے کرام سے مشورہ کرنا چاہیے۔

چار کاموں سے پرہیز

بچوں کے سامنے چار کام ہرگز نہیں کرنے چاہییے، ورنہ وہ ماں باپ کے ادب و احترام کو برقرار نہیں رکھیں گے۔

(۱) حد درجہ لاڈ پیار: لاڈ پیار: بچوں کی ہر خواہش کو پورا کرنا، غیر ضروری لاڈ پیار بچوں کو ضدی اور خودسر بناتا ہے۔اس میں اعتدال ضروری ہے۔

(۲) حد درجہ سختی: بچوں کو غلط حرکت پر بالکل سزا نہ دینا اور بہت زیادہ سزا دینا، یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بچوں کے ساتھ محبت وشفقت اور نرمی کا برتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور معقول حد تک سرزنش کا بھی ایک مقام ہے۔ان دونوں رویوں میں اعتدال لازم ہے۔

(۳) تحقیر آمیز کلمات: بچوں کی اصلاح وتربیت میں عجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے صبر واستقامت کے ساتھ کام کیا جائے۔ بچوں کی اہانت یا تحقیر کرنے سے پرہیز کیا جائے۔اسی لیے بچوں کی غلط حرکت پر نہ بد دعا دی جائے اور نہ بچوں کو غلط نام سے پکارا جائے۔ ماں باپ کی دعا بھی لگتی ہے اور بد دعا بھی۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

بچپن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بصارت جاتی رہی تھی۔ والدہ ماجدہ کے لیے اپنی بیوگی ہی کا صدمہ کم نہ تھا کہ اچانک یہ سانحہ پیش آیا۔اطبا علاج سے عاجز آ گئے۔والدہ ماجدہ اپنے یتیم بچے کی اس حالت پر رات دن روتی اور دعا کرتی۔آخر ایک رات بعد عشا مصلی ہی پر روتے اور دعا کرتے ہوئے آپ کو نیند آ گئی۔خواب میں خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور بشارت دی کہ تمہارے رونے اور دعا کرنے سے اللہ پاک نے تمھارے بچے کی بینائی درست کر دی ہے۔صبح ہوئی تو فی الواقع آپ کی آنکھیں درست تھیں۔ بعد میں اللہ پاک

نے آپ کو اس قدر روشنی عطا فرمائی کہ تاریخ کبیر کا پورا مسودہ آپ نے چاندنی راتوں میں تحریر فرمایا۔ (ماں کی عظمت رص: ۲۷۴)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ولی کیسے بنے؟

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ معرفت کے اتنے اعلیٰ مقام پر کیسے پہنچ گئے؟ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید اپنی طویل ریاضت اورمجاہدات کا احوال بیان کریں گے مگر آپ نے فرمایا کہ ایک رات والدہ نے پانی مانگا میں گلاس بھر کر لایا تو اُن کی آنکھ لگ چکی تھی۔ اُنھیں بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا مگر پوری رات چار پائی کے پاس گلاس لیے کھڑا رہا کہ ایک آواز پر پانی پیش کرسکوں۔ جب والدہ کی آنکھ کھلی تو میرے اس عمل کو دیکھ کر دل سے دعا نکل گئی۔ اسی دعا نے مجھے ولایت کے اعلیٰ مقام پر پہونچایا۔ (ماں کی عظمت رص:۲۸۱)

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کو ماں کی بد دعا

تاریخ ابن خلکان میں مذکور ہے کہ مشہور مفسر اور قرآنی اور عربی علوم کے ماہر علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ مقطوع الرجل تھے یعنی ان کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی تھی۔ لوگوں نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ میری والدہ کی بد دعا کا نتیجہ ہے۔ میں نے بچپن میں ایک چڑیا پکڑی اور اس کی ٹانگ میں ایک ڈورا باندھ دیا۔ اتفاقاً وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اڑتے اڑتے ایک دیوار کے شگاف میں گھس گئی۔ میں نے ڈورا پکڑ کر (جو شگاف کے باہر لٹکا ہوا تھا، کافی لمبا ہونے کی وجہ سے) زور سے کھینچا تو اس شگاف سے نکل آئی، مگر ڈورے سے اس کی ٹانگ کٹ گئی۔ والدہ کو اس کا بڑا صدمہ ہوا اور مجھے یہ کہہ کر بد دعا دی کہ جس طرح تو نے اس کی ٹانگ کاٹ دی خدا تیری بھی ٹانگ ایسے ہی توڑ دے۔ چنانچہ جب میں طالب علمی

کی عمر کو پہنچا اور تحصیل علوم کی غرض سے بخارا کے لیے چلا تو دوران سفر سواری سے گر پڑا۔ بخارا جا کر میں نے بہت علاج کرایا مگر ٹانگ کٹائے بغیر بات نہ بنی اور انجام کار ٹانگ کٹوانی پڑی۔(ماں کی عظمت/ص:۳۹۵)

(۴) بچوں کو ایک دوسرے پر ترجیح دینا: ایک ہی گھر میں دو بچوں یا لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ایک کو دوسرے پر فوقیت دینا غیر اسلامی رویہ ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بطور بخشش دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا ایسا ہی غلام اپنے دوسرے لڑکوں کو بھی دیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ پھر (ان سے بھی) واپس لے لے۔(بخاری: کتاب الہبۃ و فضلہا و التحریض علیہا/باب الہبۃ للولد/رقم الحدیث:۲۵۸۶)

حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے تین قیمتی ملفوظ

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تین ملفوظ بڑے قیمتی ہیں جو یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی بچہ اغوا کرلیا جائے تو پوری بستی میں شور ہوتا ہے خصوصاً وہ اگر دوسری برادری کا ہوں تو دنگے اور فساد کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ فرمایا کہ آج مسلمان ماں اور باپ کے گود سے ہمارے بچے بڑی آسانی سے چھینے جارہے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہے۔(تکبیر مسلسل:۳۸۳)

(۲) ایک موقع پر حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کی اگر بچہ بیمار ہوجائے تو

اس کا اچھے سے اچھا علاج کرانے سے بہتر اس کو عید کے نئے کپڑے دلانے سے بہتر اس کو پڑھا لکھا کر نوکری کے قابل بنانے سے بہتر یہ ہے کہ اس کو سچا پکا دیندار مسلمان بنایا جائے۔ (تکبیر مسلسل:۲۵۲)

(۳) ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ بچے کا بچپن میں مرجانا بہتر ہے اس سے کہ بڑا ہو اور دینی تعلیم سے کورا ہو خود بھی جہنم میں جائے اور ماں باپ کو بھی جہنم میں لے جانے کا سبب بنے۔ (گلدستۂ احادیث:۱۹۱/۳)

مدارس اور مکاتب کی اہمیت

بچوں کی صحیح تربیت کے اصول ہمارے سامنے آ گئے۔ ان تمام پر عمل کی بہترین شکل ہے جگہ جگہ مدرسے اور مکتب قائم کرنا اور اس کے نظام کو مضبوط بنانا، ان سے اپنا رشتہ جوڑنا، اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے انھیں مدرسے بھیجنا، نہ کہ گھر پر ٹیوشن پڑھانے کے لیے استاذ کو بلانا (یہ تو بے ادبی ہے، اس سے علم نہیں آتا) بہت ضروری ہے۔ مکاتب کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ مکتب کے پاس سے گزرتے تو فرماتے تھے کہ یہی بچے ہمارے بعد لوگوں کی پیاس بجھائیں گے۔ (طبقات ابن سعد مترجم:۱۳۸/۵)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک مکتب کے پاس سے گزرے تو بچوں کے قرآن شریف پڑھنے کی آواز سن کر دھوپ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بچوں کی آواز میں قرآن شریف سن کر دل کو سرور حاصل ہو رہا ہے۔ (رہنمائے معلمین و منتظمین/ص:۲۹)

شیخ ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصے تک لوگوں کو قرآن کریم سکھاتے رہے۔ وہ مسجد ابن جردہ کے امام تھے اور نابیناؤں کو قرآن کریم سکھایا کرتے تھے۔ وہ ان کے لیے لوگوں سے چندہ مانگ کر ان کے اخراجات کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ستر نابیناؤں کو قرآن کریم سکھایا۔ وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو انھوں نے فرمایا کہ بچوں کو سورۂ فاتحہ سکھانے کی بدولت میری مغفرت ہوگئی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۹/۲۲۲)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے کسی عمل پر اعتماد نہیں، البتہ میں نے پورے ہندوستان میں مکاتب کی جو داغ بیل ڈالی ہے، حق تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کو میری نجات کا ذریعہ بنادے گا۔ غور کیجیے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے کارنامے انجام دئے ہوں گے، آخر کوئی تو وجہ ہوگی کہ آپ نے تمام حیرت انگیز کارناموں کو چھوڑ کر نجات کا ذریعہ صرف مکاتب کو بتلایا؟ (رہنمائے معلمین و منتظمین/ص: ۲۸)

اللہ رب العزت ہمیں اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۱۴)

حلال کی

اہمیت وفوائد

تعارف

۱۴/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۶/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: پیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿ یٰۤاَیُّہَا الرُّسُلُ کُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ۞﴾ [المومنون: ۵۱]

تمہید

یہ سورۂ مومنون کی ۵۱ نمبر کی آیت ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسولوں کی جماعت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پاکیزہ مال کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ یہاں دو باتیں فرمائی گئی ہیں۔ایک پاکیزہ کھانا اور دوسرا نیک عمل کرنا۔

علما نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے۔ جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔

حلال کی طلب عبادت ہے

ہم میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ خوش رہے، کسی پر بوجھ نہ بنے، اپنی اور اہل وعیال کی ضرورتیں پوری کرے، بلکہ دوسروں کی کفالت کرے تو ظاہری بات ہے کہ اسے دنیا میں کچھ کرنا ہوگا، اسی کرنے کا نام ہے کمائی۔اب یہ کمائی جائز اور حلال بھی ہوسکتی ہے اور نا جائز وحرام بھی ہوسکتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری دنیا و آخرت کی آسانی

کے لیے ہمیں صرف جائز طریقوں سے کمائی کی اجازت دی اور ناجائز طریقوں سے روک دیا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی دس قسمیں لکھی ہیں (۱) نماز (۲) زکوٰۃ (۳) روزہ (۴) حج (۵) تلاوت قرآن (۶) ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا (۷) حلال روزی کے لیے کوشش کرنا (۸) پڑوسی اور ساتھی کے حقوق ادا کرنا (۹) لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرنا (۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا۔ (معارف القرآن: ۱/۸۷)

حلال روزی طلب کرنا نہ صرف عبادت ہے بلکہ حدیث شریف میں اس کو عبادات میں فرائض کے بعد کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کمائی ہوئی روزی سے بہتر کوئی روزی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے۔ (بخاری: کتاب البیوع/باب کسب الرجل وعملہ بیدہ/رقم الحدیث: ۲۰۷۲)

انبیائے کرام علیہم السلام کے تجارتی پیشے

انبیائے کرام علیہم السلام اور نیک بندوں نے جائز وحلال کمائی کے مختلف طریقے اپنائے ہیں۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کھیتی کیا کرتے تھے۔

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام سلائی کیا کرتے تھے۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے زرہ بنا کر فروخت کرتے تھے۔

معارف القرآن میں حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام اپنا بھیس بدل کر رات میں شہر کا گشت کیا کرتے تھے اور لوگوں سے حالات دریافت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نکلے ہوئے تھے کہ حق تعالیٰ نے ایک فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجا جس کو حضرت داؤد علیہ السلام پہچان نہیں پائے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ اس نے کہا کہ ہے تو بہت اچھے آدمی مگر ایک بات ہے کہ وہ بیت المال سے اپنا وظیفہ لیتے ہیں، حالانکہ بات یہ ہے کہ خلیفہ وقت کے لیے بقدر ضرورت بیت المال سے وظیفہ لینا درست ہے، مگر چونکہ آپ تو اللہ کے نبی ہیں اس لیے وظیفہ نہ لینا بہتر تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ مجھے کوئی ہنر سکھا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے ہاتھوں میں موم کردیا جس کے ذریعے وہ زرہ بنا کر فروخت کرتے تھے اور اپنا گزر بسر کرتے تھے۔ (معارف القرآن: ۷/ ۲۶۲)

اسلاف کے تجارتی پیشے

(۱) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ریشم فروش تھے۔ بڑا کارخانہ تھا اور ہزاروں لوگ اس میں کام کیا کرتے تھے۔ آپ کی تجارت بڑے پیمانہ پر پھیلی ہوئی تھی۔

(۲) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی کپڑوں کے تاجر تھے۔

(۳) حضرت امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ ہانڈی بیچتے تھے۔

(۴) حضرت امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ چونہ فروش تھے۔

(۵) حضرت امام بزار رحمۃ اللہ علیہ غلہ فروش تھے۔ (امام ابوحنیفہ سوانح وافکار/ص: ۶۴، ائمہ اربعہ قدم بقدم/ص: ۸۱، ظفر المحصلین/ص: ۱۵۱)

ایک صحابی کا واقعہ

ایک صحابیٔ رسول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگنے آئے۔ آپ نے پوچھا گھر میں کچھ ہے؟ کہا ایک ٹاٹ ہے، آدھا بچھاتے ہیں اور آدھے کو اوڑھ لیتے ہیں، اور ایک لکڑی کا پیالہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں لے آؤ، چنانچہ وہ دونوں چیزیں لاکر پیش کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں ان دونوں کو ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے زائد میں کون خریدتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیلام فرما رہے ہیں۔ ایک اور صحابی کھڑے ہوئے انھوں نے عرض کیا کہ میں دو درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ دونوں چیزیں ان کو دے دی اور دو درہم لے لیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سائل سے فرمایا کہ ایک درہم کا اناج لے کر گھر میں پہونچا دو، اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر لاؤ۔ انھوں نے ایسا ہی کیا کہ ایک درہم کا اناج خرید کر اپنے گھر پہونچایا، اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لاکر پیش کردی۔ اس کلہاڑی میں خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے دستہ لگایا، اور فرمایا کہ جنگل جاؤ، لکڑیاں کاٹ کر شہر میں لاکر فروخت کرو، اور دیکھو پندرہ دن سے پہلے میرے پاس مت آنا، یعنی اس کام میں محنت سے لگ جاؤ۔ وہ مصروف ہو گئے، جنگل جاتے ہیں، لکڑیاں کاٹتے ہیں، شہر میں لاکر فروخت کرتے ہیں، پندرہ دن میں انھوں نے دس درہم کمائے۔ کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا اناج۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بہتر ہے یا وہ سوال کہ قیامت کے روز تمھارا چہرہ زخمی ہوتا۔ (ابو داود: کتاب الزکوۃ/باب ماتجوز فیہ المسألۃ/رقم الحدیث: ۱۶۴۱)

حلال کی فکر کرو

ہمارے اسلاف نے بھی حلال کی فکر پر بڑا زور دیا ہے۔

(۱) حضرت جندب رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی کہ قبر میں سب سے پہلے انسان کا پیٹ سڑے گا، اس لیے جس کو بھی قدرت ہو وہ سوائے پاکیزہ روزی کے کچھ استعمال نہ کریں۔ (اللہ سے شرم کیجئے / ص: ۱۱۴)

(۲) حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں میں ہیں۔ (۱) پاکیزہ غذا (۲) کامل پرہیزگاری (۳) سیدھا راستہ۔ (اللہ سے شرم کیجئے / ص: ۱۱۴)

حلال روزی کے فوائد

حلال روزی کے بہت سے فائدے ہیں اِن میں سے چند فائدے آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلا فائدہ: دعاؤں کا قبول ہونا

حلال روزی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ دعا کیجیے کہ میں مستجاب الدعوات بن جاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے سعد! تم اپنی کمائی پاکیزہ کرلو تم مستجاب الدعوات ہو جاؤں گے۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے، بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے

بنا ہو اس کے لائق تو جہنم کی آگ ہی ہے۔(الترغیب و الترھیب: ۳۴۵/۲)

آج ہم جو شکایتیں کرتے ہیں دعائیں قبول نہ ہونے کی تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنی خوراک حرام بنالی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمام کمی اور عیوب سے پاک ہیں اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی صدقات و اعمال مقبول ہوتے ہیں جو شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے پاک ہوں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مؤمنوں کو بھی دیا ہے چناچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ﴾ [المومنون: ۵۱]

اے رسولوں کی جماعت! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہیں:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾[البقرۃ: ۱۷۲]

اے مؤمنو! تم صرف وہی پاک وحلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ مثال ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طویل سفر اختیار کرتا ہے پراگندہ بال اور غبار آلودہ ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! یعنی وہ اپنے مقاصد کے لیے دعا مانگتا ہے حالانکہ کھانا اس کا حرام لباس اس کا حرام شروع سے اب تک پرورش اس کی حرام ہی غذاؤں سے ہوئی پھر کیونکر اس کی دعا قبول

کی جائے۔(مسلم: کتاب الزکوۃ/باب قبول الصدقۃ من کسب الطیب و تربیتہا/رقم الحدیث: ۱۰۱۵)

دوسرا فائدہ: جنت کا داخلہ

حلال روزی کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے جنت کا داخلہ آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حلال کھایا، میری سنتوں پر عمل کیا اور لوگ اس کی شرارتوں سے محفوظ رہے تو جنت میں داخل ہوگا۔(یہ سن کر) ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ایسے لوگ تو آج بہت ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد بھی ہوں گے۔(ترمذی: ابواب صفۃ یوم القیامۃ و الرقائق و الورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم/رقم الحدیث: ۲۵۲۰)

کتنا آسان نسخہ ہے کہ صرف تین کام کرنے پر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنت کی بشارت سنا دی۔

تیسرا فائدہ: دین کی سمجھ پیدا ہونا

حلال روزی کا تیسرا فائدہ یہ کہ اس کی برکت سے دینی سمجھ پیدا ہوتی ہے۔ شریعت کے احکام و مسائل جاننے اور سمجھنے کی طرف دل لگتا ہے۔

جب حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان بنے

ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ بہت عرصہ ہوا آپ تشریف نہیں لائے، آپ سے ملاقات کا جی چاہتا ہے۔ یہاں یہ ذکر کرتا چلوں کہ امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ استاذ ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ شاگرد۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام مصر میں تھا اس لیے وہاں شوافع زیادہ ہیں۔ جواب میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اپنا پروگرام لکھ کر بھیج دیا کہ فلاں دن آپ کی خدمت میں مصر میں حاضر ہو رہا ہوں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر والوں کو، اپنے ملنے جلنے والوں کو، دوست احباب اور دوسرے علما کو ان کے آنے کی اطلاع دی۔ پھر ان کی دعوت اور استقبال کا خصوصی اہتمام کیا اور لوگوں کو بتایا کہ اگرچہ وہ میرے شاگرد ہیں مگر وہ ایک بڑے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

چنانچہ جس دن ان کو پہنچنا تھا اس دن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں اور دوسرے علما کو لے کر استقبال کے لیے شہر سے باہر چلے آئے۔ اس وقت مصر کا جو بادشاہ تھا وہ بھی حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد تھا وہ بھی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استقبال کے لیے چلے آئے اور ان کے ساتھ ارکان دولت، وزرا اور امرا بھی آ گئے۔ وقت مقررہ پر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا بڑا شاندار استقبال کیا اور پھر عزت واحترام سے ان کو گھر لے آئے اور ان کے لیے بہترین کھانے کا انتظام کیا۔

اس زمانے میں عام طور پر اولیاء اللہ اور بزرگوں کی شان یہ تھی کہ وہ کھانا کم کھاتے تھے اور رات بھر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کھانا کھانے بیٹھے تو دیر تک اس طرح کھاتے رہے کہ کئی روز کے بھوکے ہیں، باقی لوگ کھانا کھا کر اٹھ گئے مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ پھر بھی کھاتے رہے۔ لوگ بہت متعجب ہوئے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان کی تعریف کی تھی کہ یہ بڑے اللہ والے اور بزرگ انسان ہیں مگر یہ تو

خوب پیٹ بھر کر کھا رہے ہیں۔لوگوں اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں میں ان کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، لیکن کوئی کچھ نہیں بولا۔

پھر جس کمرے میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے لیے رات کے وقت آرام کرنے کا انتظام کیا گیا تھا اس کمرے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بچیوں نے ایک مصلیٰ بچھا دیا، مسواک رکھ دی، استنجا کا سامان اور پانی اور وضو کے لیے لوٹا رکھ دیا تاکہ جب وہ رات کو تہجد کے لیے اٹھے تو انھیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو، کیونکہ اس زمانے میں تہجد کے لیے اٹھنا عام معمول تھا۔حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے رات کو اس کمرے میں آرام کیا اور صبح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھنے چلے گئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لیے نکلے تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بچیاں کمرے میں آ گئیں تو وہاں دیکھا کہ پانی کا لوٹا جوں کا توں پانی سے بھرا ہوا ہے، نہ استنجا کا سامان اور مسواک استعمال ہوئی ہے، سب کچھ جیسا تھا ویسا ہی رکھا ہوا ہے، اب ان کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید رات کو چونکہ زیادہ کھا لیا تھا اس لیے تہجد کے لیے آنکھ نہیں کھلی۔

جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فجر کی نماز پڑھ کر واپس تشریف لائے تو گھر والوں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ وہ تو بڑے اللہ والے اور بزرگ ہیں مگر رات کو انھوں نے کھانا بھی خوب کھایا اور جو ہم نے استنجا کا سامان اور پانی رکھا تھا وہ بھی استعمال نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ رات کو تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی۔اب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تشویش ہوئی، لہٰذا انھوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور تنہائی میں لے جا کر ان سے پوچھا کہ اس طرح کی باتیں سننے میں آ رہی ہیں کہ آپ نے کھانا بھی غیر معمولی طور پر زیادہ کھایا اور جس کمرے میں آپ کے سونے کا انتظام کیا گیا تھا اس کمرے میں

آخری شب میں استعمال کے لیے جو چیزیں رکھی گئی تھیں وہ بھی استعمال میں نہیں آئیں، کیا بات ہوئی؟ آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت! میرے بارے میں جو باتیں ہو رہی ہیں وہ درست نہیں ہیں بلکہ بات کچھ اور ہے۔

بات دراصل کچھ یوں ہے کہ جس وقت کھانا کھانے آپ کے دستر خوان پر پہنچا اور جس وقت میں اس کمرے میں قدم رکھا تو میں نے دیکھا کہ اس کھانے کے حلال اور طیب ہونے کی وجہ سے وہ کمرہ نور سے چکا چوند ہو رہا ہے اور یہ دیکھا کہ آسمان سے لے کر اس دستر خوان تک انوار کی بارش ہو رہی ہے، جب میں نے یہ صورتحال دیکھی تو میں نے سوچا کہ شاید اس سے حلال اور طیب کھانا مجھے زندگی میں نہیں ملے گا لہٰذا جتنا زیادہ ہوا سے کھالیا جائے کیونکہ اس کا ذرہ ذرہ ایمان اور دل کو روشن کرنے والا ہے، اس لیے مجھ سے جتنا زیادہ کھایا جاسکا کھالیا، میں نے یہ نہیں دیکھا کہ کون کتنا کھا رہا ہے اور میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے جہاں تک مجھ میں کھانے کی سکت تھی کھاتا گیا۔

الحمدللہ! میں نے اس کا اثر محسوس کیا کھانا کھانے کے بعد نہ تو مجھے بدہضمی ہوئی اور نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی۔ پھر کھانا کھانے کے بعد عشا کی نماز سے فارغ ہو کر جب میں اس کمرے میں آیا جہاں آپ نے میرے آرام کا انتظام کیا تھا وہاں جا کر تو میری حالت ہی بدلی ہوئی تھی سونے اور آرام کرنے کو طبیعت ہی نہیں ہو رہی تھی، اگرچہ میں لمبا سفر کر کے آیا تھا مگر اس کھانے میں اتنی غذائیت اور توانائی تھی کہ میری تھکان اور سُستی بھی جاتی رہی۔ اور جب میں سونے کے لیے لیٹا تو مجھے نیند نہ آئی لہذا میں لیٹے لیٹے قرآن وحدیث میں غور کرتا رہا حتیٰ کہ پوری رات غور وفکر کرتے ہوئے گزار دی اور اس رات میں نے قرآن وحدیث سے ایک سو

مسائل مستنبط کر لیے اور وہ مسائل ایسے تھے جو اس سے پہلے کبھی میرے ذہن میں آئے بھی نہیں تھے اور نہ کبھی ان کی طرف خیال گیا تھا لیکن جب آج کی رات میں نے غور کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ قرآن وحدیث کے علوم اور اسرار میرے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ تمام مسائل کی تفصیل اور جوابات میرے ذہن میں آتے چلے گئے اور صبح تک میں مسائل کا استنباط کرتا رہا اور اسی حالت میں صبح ہوگئی یہ سب آپ کے کھانے کا اثر تھا جو رات بھر میں نے محسوس کیا اس لیے تہجد کے وقت نہ تو لوٹا استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور نہ مسواک کی ضرورت پیش آئی اور وہی عشا کا وضو فجر میں میرے کام آیا۔

یہ سن کر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر والوں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا، اور جو لوگ ان کے بارے میں غلط قسم کی باتیں کر رہے تھے ان سے کہا کہ تم نے ان کی شان میں گستاخی کی ہیں، لہٰذا ان سے معافی مانگو ان کا حال تو یہ ہے۔ (مجالس حکیم الاسلام/ص: ۵۲۱ تا ۵۲۵)

چوتھا فائدہ: نیکوں کا جذبہ پیدا ہونا

حلال روزی کا چوتھا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے دل میں نیکیوں کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

شاہ جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت

دیوبند میں ایک بزرگ تھے شاہ جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ بہت ہی متقی، درویش، نیک اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے گزر بسر کے لیے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر سیدھے جنگل جاتے اور وہاں سے قدرتی گھاس کاٹ کر، اس کی ایک گٹھری بنا

کر اپنے سر پر رکھ کر منڈی میں جاتے تا کہ اس کو بیچ کر حلال روزی حاصل کریں۔ چونکہ صاحب نسبت بزرگ اور خدا کے نیک بندے تھے اس لیے جو لوگ گھاس خریدنے والے ہوتے تھے، وہ شاہ جی کے انتظار میں رہتے کہ کب شاہ جی گھاس لائے اور ہم ان سے گھاس خرید لیں۔ شاہ جی ایک خاص مقدار کی گھاس لاتے اور اس کو چار آنے میں بیچتے۔ چونکہ خریدار زیادہ ہوتے تھے، اس لیے جیسے ہی وہ شاہ جی کو آتا دیکھتے، فوراً ان سے خریدنے کے لیے دوڑ لگاتے اور شاہ جی کا اصول یہ تھا کہ جو شخص سب سے پہلے اس گٹھڑی پر ہاتھ لگا دیتا، وہ گٹھڑی اس کو بیچ دیتے اور اس سے چھ پیسے وصول کر لیتے، نہ چھ پیسے سے کم لیتے اور نہ زیادہ۔

ان چھ پیسوں کو خرچ کرنے میں ان کا حسن انتظام یہ تھا کہ دو پیسے غربا، فقرا اور مساکین پر صدقہ کر دیتے، دو پیسے اپنی ضرورت کے لیے رکھ لیتے اور دو پیسے دار العلوم دیوبند کے اکابرین اور بزرگوں کی دعوت کے لیے جمع کر لیتے۔ اس طرح ان چھ پیسوں میں ان کے سارے کام ہو جاتے۔ دنیا کا گزر بسر بھی ہو رہا ہے، خدا کے راستے میں صدقہ بھی ہو رہا ہے، علمائے کرام اور بزرگان دین کی خدمت بھی ہو رہی ہے۔ ان کی دعوت کے لیے بھی پیسے جمع کر رہے ہیں، یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا۔

حضرت شاہ جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی آمدنی میں سے جو دو پیسے علما کی دعوت کے لیے رکھتے، جب وہ ایک مقدار کو پہونچ جاتے تو اس وقت کے علما یعنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرتت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں کی دعوت کرتے۔ کبھی تو اپنے یہاں کھانا پکا کر ان

سب کو بلا کر کھلاتے اور کبھی دار العلوم میں جا کر وہ رقم ان حضرات کو دے دیتے اور ان سے عرض کرتے کہ مجھے اچھا پکانا نہیں آتا اور پکانے کی فرصت بھی نہیں ہے۔ آپ حضرات اس رقم سے اپنی پسند کا کھانا پکا کر کھالیں، بس یہ میری طرف سے دعوت ہے۔

ان اکابر میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر فن مولیٰ تھے۔ کھانا پکانا بھی جانتے تھے، سینا پرونا بھی جانتے تھے اور بہت سے کام کر لیتے تھے۔ چنانچہ دوسرے حضرات، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کرتے کہ آپ کھانا پکائیں۔ چنانچہ آپ پہلے غسل کرتے، دھلا ہوا لباس پہنتے، پھر بازار جا کر ان پیسوں سے سامان لا کر کھانا پکاتے، جب کھانا پک کر تیار ہو جاتا تو باقی حضرات بھی غسل و وضو کا اہتمام کرتے، پھر شاہ جی کی دعوت تناول فرماتے۔

یہ حضرات اکابر فرماتے تھے کہ شاہ جی کی اس دعوت کا ہمارے اوپر یہ اثر ہوتا کہ ایک ایک مہینے تک ہمارا دل روشن ہو جاتا اور ہمارے دل میں آخرت کی تیاری کے جذبات ابھر آتے اور راتوں کو ہم مصلے پر کھڑے ہو کر خدا کی یاد میں گزارتے اور دل کی کیفیت بدل جاتی، قلب منور ہو جاتا اور ذکر الٰہی کرنے کو جی چاہتا۔ کھانے سے پہلے کی کیفیت اور کھانے کے بعد کی کیفیت میں نمایاں طور پر فرق محسوس ہوتا اور ایک دن کی دعوت کا ایک مہینے تک اثر رہتا۔ (مجالس حکیم الاسلام/ص ۲۵)

پانچواں فائدہ: قیمتی دولت

حلال روزی کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ یہ دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے بڑھ کر دولت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم میں پائی جائیں تو دنیا کے فوت ہونے نہ ہونے کا تمھیں کوئی غم نہیں ہونا چاہیے۔(۱) امانت کی حفاظت کرنا (۲) سچی بات کہنا (۳) اخلاق کا اچھا ہونا (۴) لقمے کی پاکیزگی۔(مشکوۃ رص:۵۲۵)

چھٹا فائدہ: گناہوں کا مٹنا

حلال روزی کا چھٹا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے گناہ مٹتے ہیں۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا کفارہ نہ نماز سے ہوتا ہے، نہ روزے سے، نہ حج سے، نہ عمرہ سے۔صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر ان گناہوں کا کفارہ کس چیز سے ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال روزی حاصل کرنے میں جو تکلیف اور رنج پہونچتے ہیں ان سے کفارہ ہوگا۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۷۵)

ساتواں فائدہ: دل میں نورانیت آنا

حلال روزی کا ساتواں فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔

ایک بار حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کسی گاؤں کی ویران مسجد میں ٹھہرے۔ وہاں مغرب کے بعد ایک غریب آدمی آیا اور جلدی جلدی مغرب کی نماز پڑھی۔نماز کے بعد دیکھا کہ کوئی پردیسی ہے تو گھر گیا اور آپ کو تین روٹیاں لا کر دی۔آپ نے ان کو تناول فرمایا اور سو گئے۔رات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور عجیب وغریب

انوار و برکات ظاہر ہوئے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اس کی پاکیزہ کمائی کی برکت ہے۔ اس لیے دن بھر وہیں ٹھہر گئے۔ دن بھر کوئی نہیں آیا۔ بعد مغرب وہی شخص آیا اور آپ کو بیٹھا دیکھ کر گھر گیا اور دو روٹیاں بغیر سالن کے لا کر دی۔ آپ نے تناول کی۔ چنانچہ یہ رات بھی پہلی رات کی طرح گزری۔ عجیب و غریب انوارات محسوس ہوئے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بھی ہوئی۔ چنانچہ آپ اگلے دن پھر وہیں ٹھہرے رہے۔ بعد مغرب پھر وہی شخص آیا اور آپ کو دیکھ کر گھر گیا اور گھر سے ایک روٹی لایا اور کہنے لگا بھائی! اب جاؤ کل کو یہاں مت ٹھہرنا۔ آپ نے اسے کہا کہ میں تمھاری روٹی میں عجیب لذت و حلاوت محسوس کرتا ہوں اور عجیب و غریب انوار و برکات کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ میں بہت غریب آدمی ہوں، دن بھر جو محنت کر کے پیسے کماتا ہوں اس کا تھوڑا سا آٹا لے آتا ہوں، جس میں تین روٹی پکتی ہیں۔ ایک میری، دوسری بیوی کی اور تیسری بچے کی۔ پہلے دن ہم تینوں نے فاقہ کیا اور تینوں روٹیاں تمھیں لا کر پیش کر دی۔ دوسرے دن بچے کی حالت نہیں دیکھی گئی اس لیے ایک روٹی اس کو دے دی اور دو تمھیں دے دی۔ آج بھوک کی وجہ سے بیوی بے تاب ہوگئی تو اس کے حصے کی روٹی اسے دے دی اور اپنے حصے کی لے آیا۔ اب کل کو مجھ میں بھی فاقے کی طاقت نہیں، اس لئے مجبوراً تمھیں کہنا پڑا۔ حضرت مولانا مظفر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سچ ہے، یہی حلال کی برکت ہے۔

پھر اللہ اس حلال کی برکت پر کیسا نوازتا ہے کہ بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ یہی حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نواسی تھی۔ گویا حلال کی برکت سے اللہ تعالیٰ نسلوں میں دین جاری فرما دیتے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: برکت کا ظہور

حلال روزی کا آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے برکتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ تجربہ کرکے دیکھ لیں جن کی کمائی حلال ہے ان کی آمدنی میں بھی برکت ہے چاہے آمدنی تھوڑی ہو اور ان کے سامان میں بھی برکت ہوتی ہے۔

اورنگ زیب کی چونّی

شیخ مُلا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے استاذ تھے۔ اورنگزیب اپنے استاذ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور استاذ بھی اپنے شاگرد پر فخر کرتے تھے۔ جب اورنگزیب ہندوستان کے بادشاہ بنے تو انھوں نے اپنے غلام کے ذریعے استاذ کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی دن دہلی تشریف لائیں اور خدمت کا موقع دیں۔ اتفاق سے وہ رمضان کا مہینہ تھا اور مدرسے کے طالب علموں کو بھی چھٹیاں تھیں۔ چنانچہ انھوں نے دہلی کا رُخ کیا۔ استاذ اور شاگرد کی ملاقات عصر کی نماز کے بعد دہلی کی جامع مسجد میں ہوئی۔ استاذ کو اپنے ساتھ لے کر اورنگزیب شاہی قلعے کی طرف چل پڑے۔ رمضان کا سارا مہینہ اورنگزیب اور استاذ نے اکھٹے گزارا۔ عید کی نماز اکھٹے ادا کرنے کے بعد مُلا جیون نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ بادشاہ نے جیب سے ایک چونّی نکال کر اپنے استاد کو پیش کی۔ استاذ نے بڑی خوشی سے نذرانہ قبول کیا اور گھر کی طرف چل پڑے۔

اس کے بعد اورنگزیب دکن کی لڑائیوں میں اتنے مصروف ہوئے کہ چودہ سال تک دہلی آنا نصیب نہ ہوا۔ جب وہ واپس آئے تو وزیر اعظم نے بتایا کہ مُلا احمد جیون ایک بہت بڑے زمیندار بن چکے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو اُن سے لگان وصول کیا جائے۔ یہ سن کر

اورنگزیب حیران رہ گئے۔ کہ ایک غریب استاذ کس طرح زمیندار بن سکتا ہے۔انھوں نے استاذ کو ایک خط لکھا اور ملنے کی خواہش ظاہر کی۔مُلا احمد جیون پہلے کی طرح رمضان کے مہینے میں تشریف لائے۔اورنگزیب نے بڑی عزت کے ساتھ انھیں اپنے پاس ٹھرایا۔مُلا احمد کا لباس، بات چیت اور طور طریقے پہلے کی طرح سادہ تھے۔اس لیے بادشاہ کو ان سے بڑا زمیندار بننے کے بارے میں پوچھنے کچھ حوصلہ نہ ہوسکا۔

ایک دن مُلا صاحب خود کہنے لگے کہ آپ نے جو چوّنی دے تھی وہ بڑی بابرکت تھی۔ میں نے اس سے کپاس کی کاشت کی، خدا نے اس میں اتنی برکت دی کہ چند سالوں میں سینکڑوں سے لاکھوں ہوگئے۔اورنگزیب یہ سن کر خوش ہوئے اور مُسکرانے لگے اور فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو چوّنی کی کہانی سناؤں۔ملا صاحب نے کہا ضرور سنائیں۔اورنگزیب نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ چاندنی چوک کے سیٹھ ''اتم چند'' کو فلاں تاریخ کے کھاتے کے ساتھ پیش کرو۔سیٹھ اتم چند ایک معمولی بنیا تھا۔اسے اورنگزیب کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔اورنگزیب نے نرمی سے کہا کہ آگے آجاؤ اور بغیر کسی گھبراہت کے کھاتا کھول کے خرچ کی تفصیل بیان کرو۔سیٹھ اتم چند نے اپنا کھاتا کھولا اور تاریخ اور خرچ کی تفصیل سنانے لگا۔مُلا احمد جیون اور اورنگزیب خاموشی سے سنتے رہے ایک جگہ آ کے سیٹھ رُک گیا۔یہاں خرچ کے طور پر ایک چوّنی درج تھی لیکن اس کے سامنے لینے والے کا نام نہیں تھا۔ اورنگزیب نے نرمی سے پوچھا کہ ہاں بتاؤ یہ چونی کہاں گئی؟ اتم چند نے کھاتا بند کیا اور کہنے لگا: اگر اجازت ہو تو درد بھری داستان عرض کروں؟ بادشاہ نے کہا کہ اجازت ہے۔

اس نے کہا کہ اے بادشاہِ وقت! ایک رات موسلا دھار بارش ہوئی میرا مکان ٹپکنے

لگا۔مکان نیا نیا بنا تھا۔اور تمام کھاتے کی تفصیل بھی اسی مکان میں تھی۔میں نے بڑی کوشش کی ،لیکن چھت ٹپکتا رہا۔میں نے باہر جھانکا تو ایک آدمی لالٹین لے کر نیچے کھڑا نظر آیا۔میں نے مزدور خیال کرتے ہوئے پوچھا،اے بھائی مزدوری کروگے؟ وہ بولا کیوں نہیں۔وہ آدمی کام پر لگ گیا۔اس نے تقریباً تین چار گھنٹے کام کیا، جب مکان ٹپکنا بند ہوگیا تو اس نے اندر آکر تمام سامان درست کیا۔اتنے میں صبح کی آذان شروع ہوگئی۔وہ کہنے لگا کہ سیٹھ صاحب! آپ کا کام مکمل ہوگیا مجھے اجازت دیجیے، میں نے اسے مزدوری دینے کی غرض سے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک چونّی نکلی۔میں نے اس سے کہا کہ اے بھائی! ابھی میرے پاس یہی چونّی ہے یہ لے،اور صبح دکان پر آنا تمھیں مزدوری مل جائے گی۔وہ کہنے لگا یہی چونّی کافی ہے میں پھر حاضر نہیں ہوسکتا۔میں نے اور میری بیوی نے اس کی بہت منتیں کیں۔لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا دیتے ہو تو یہ چونّی دے دو ورنہ رہنے دو۔میں نے مجبور ہو کر چونّی اس کو دے دی اور وہ لے کر چلا گیا۔اور اس کے بعد سے آج تک نہ مل سکا۔آج اس بات کو پندرہ برس ہوگئے۔میرے دل نے مجھے بہت ملامت کی کہ اسے روپیہ نہ سہی اٹھنی دے دیتا۔اس کے بعد اتم چند نے بادشاہ سے اجازت چاہی اور چلا گیا۔

بادشاہ نے مُلا صاحب سے کہا کہ یہ وہی چونّی ہے۔کیونکہ میں اس رات بھیس بدل کر گیا تھا تا کہ رعایا کا حال معلوم کرسکوں اور وہاں میں نے مزدور کے طور پر کام کیا۔مُلا صاحب خوش ہو کر کہنے لگے۔مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ چونّی میرے ہونہار شاگرد نے اپنے ہاتھ سے کمائی ہوگی۔اورنگزیب نے کہا کہ ہاں واقعی اصل بات یہی ہے کہ میں نے شاہی خزانے سے اپنے لیے کبھی ایک پائی بھی نہیں لی۔ہفتے میں دو دن ٹوپیاں بناتا ہوں۔دو دن مزدوری کرتا

ہوں۔ میں خوش ہوں کہ میری وجہ سے کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوئی یہ سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

حلال کی برکات

بہرحال! حلال مال کے بہت سے فائدے ہیں، مثلاً

(۱) نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔

(۲) اعمال کی درستی ہوتی ہے۔

(۳) عبادات میں دل لگتا ہے۔

(۴) قلب میں نور اور معرفت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔

(۵) دعا قبول ہوتی ہے۔

(۶) گناہوں سے دل گھبراتا ہے۔

(۷) کمائی میں برکت ہوتی ہے۔

(۸) اولاد نیک و صالح بنتی ہیں۔

(۹) اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

(۱۰) جنت کا داخلہ ملتا ہے اور جہنم سے نجات ملتی ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں حلال کمائی اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور حلال روزی کے انوارات و برکات سے مالا مال فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون:(۱۵)

اجازت اور سلام

تعارف

۱۵/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۷/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: منگل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ ﴾ [النور:۲۷]

تمہید

یہ سورۂ نور کی ۲۷ نمبر کی آیت ہے۔اس آیت میں گھر میں داخل ہونے کے دو ادب بتلائے گئے ہیں۔ایک ادب ہے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا اور دوسرا ادب ہے سلام کرنا۔

اسلام کی خوبی

اسلام ایک جامع ترین مذہب ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ جس نے ہر موڑ پر، ہر قدم پر، ہر شعبہ میں ہماری رہبری کی ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی حصہ اسلامی تعلیمات سے خالی نہیں ہے۔مشفق و مہربان ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ساری چیزیں سکھائی ہیں۔

پھر اسلام پانچ شعبوں کا مجموعہ ہے۔عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ان تمام شعبوں میں ایک اہم شعبہ معاشرت کا بھی ہے۔معاشرے میں حسن اور خوبی پیدا کرنے کے دو اہم اصول اس آیت میں بتلائے گئے ہیں یعنی گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا اور سلام کرنا۔واقعی یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ہم اس کو کامل طور پر اپنا

لیں تو ہمارا معاشرہ نبوی و مدنی معاشرے کی جھلک بن جائے۔

پہلی چیز ہے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا۔

استیذان کی مصلحتیں

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر شریعت اسلامیہ نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کی تعلیم کیوں دی؟ اس میں کیا حکمتیں ہیں؟ مفسرین کرام نے اس سلسلے میں چند حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) اجازت لینے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ لوگوں کی آزادی میں خلل پیدا نہ ہو۔ اگر یہ حکم نہ ہو اور جو چاہے، جب چاہے کسی کے مکان میں آسکتا ہو تو لوگوں کی آزادی میں خلل پیدا ہوگا۔

(۲) اگر انسان پہلے ہی سے کسی سے اجازت لے کر اس کے مکان میں جائے گا تو سامنے والے کو بھی اس سے انسیت ہوگی، اور جس کام کو لے کر گیا ہے اس کے پورا کرنے پر بھی غور کرے گا۔ اس کے برخلاف اگر بغیر اجازت کے گیا تو سامنے والے کو اس سے وحشت ہوگی اور ملاقات کرنے والے کے تقاضے کو پورا کرنا تو دور رہا بلکہ اس کو بھگا دے گا۔

(۳) اجازت لینے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ غیر محرم و اجنبی عورتوں پر نظر نہ پڑے۔

(۴) بعض مرتبہ انسان اپنے مکان میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس پر واقف ہو۔ اب اگر اجازت لینے کا حکم نہ ہو اور بغیر اجازت کے ہی کوئی کسی کے مکان میں داخل ہو گیا تو کسی کے مخفی و پوشیدہ راز کو معلوم کرنے کا جرم آئے گا۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے مکان میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کا حکم دیا ہے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۳۸۶، ۳۸۷)

تین فائدے

اس آیت پاک سے ہمیں تین فائدے حاصل ہوئیں۔

(۱) اس آیت میں اگرچہ خطاب مردوں کو ہے مگر عورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔یعنی اجازت لینے کا حکم جس طرح مردوں کو ہے اسی طرح عورتوں کو بھی ہے۔لہٰذا اگر کوئی عورت کسی دوسری عورت کی ملاقات کے لیے جائے تو اجازت لینی چاہیے۔حضرت ام ایاس رضی اللہ عنہا کہتی ہے کہ ہم چار پانچ عورتیں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت جاتی تھیں، اگر ہم کو اجازت ملتی تو ہم گھر میں داخل ہوتی تھیں ورنہ واپس چلی آتی تھیں۔

(۲) جس طرح کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت کا حکم ہے اسی طرح خود اپنے مکان میں داخل ہونے سے پہلے بھی اجازت لے لینی چاہیے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''موطا'' میں روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی والدہ کے پاس جانے کے لیے اجازت لینے کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! اجازت لو۔انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تو اپنی والدہ کے ساتھ ہی رہتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تب بھی اجازت لو۔انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تو اپنی والدہ کی خدمت کرتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تب بھی اجازت لو۔کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھو، ممکن ہو کسی عذر کی وجہ سے تمھاری غیر موجودگی میں انھوں نے اپنا ستر کھولا ہو اور تم ایسے ہی پہونچ جاؤ۔

(۳) اگر آدمی اپنی بیوی کے ساتھ مکان میں رہتا ہو تو اس کو اجازت لینا ضروری نہیں، مگر بہتر ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کبھی باہر

سے گھر آتے تو دروازہ پر کھنکھار کر اپنے آنے کی خبر دیتے تھے تاکہ وہ ایسی حالت میں نہ دیکھے جس حالت میں دیکھنا ناپسند ہو۔ (معارف القرآن: ۳/ ۳۸۷، ۳۸۸)

استیذان کا طریقہ

ہم جس آیت کی تفسیر سمجھ رہے ہیں اس آیت میں دو باتیں بتلائی گئی ہیں۔ اجازت لینا اور سلام کرنا۔ سوال یہ ہے کہ پہلے اجازت لیں یا پہلے سلام کریں؟

اس سلسلے میں حضرات مفسرین نے تین قول بیان فرمائے ہیں۔

(۱) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ پہلے اجازت لیں پھر سلام کریں۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں بھی پہلے اجازت کا حکم ہے پھر سلام کا۔

(۲) بعض علما کی رائے یہ ہے کہ اگر اجازت لینے سے پہلے گھر میں کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کریں پھر اجازت لے، ورنہ پہلے عام حالت میں پہلے اجازت ہو پھر سلام۔

(۳) عام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ پہلے سلام ہو پھر اجازت ہو۔

ان تینوں اقوال میں سے تیسرا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیوں زیادہ صحیح ہے؟ اس کی کچھ وجوہات ہیں۔

* حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے اجازت طلب کرے اسے اجازت مت دو، اس لیے کہ اس نے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا ہے۔

* شعب الایمان میں روایت ہے کہ جو شخص پہلے سلام نہ کرے اسے اندر آنے مت دو۔

* قبیلہ بنی عامر کے ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر اس طرح اجازت لی

أألجأ کیا میں گھس جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ آدمی اجازت کا طریقہ نہیں جانتا، باہر جا کر اس کو بتلاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم أأدخل خادم ابھی باہر نہیں گیا تھا کہ اس نے یہ باتیں سن لی اور اسی طرح اجازت طلب کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ اس روایت سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ پہلے سلام کرنا چاہیے اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اُس آنے والے نے جو نامناسب الفاظ اجازت کے وقت استعمال کیے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اصلاح فرمادی۔

* ترمذی شریف کی ایک روایت ہے السلام قبل الکلام کہ کلام سے پہلے سلام ہونا چاہیے۔

ان تمام روایات سے پتہ چلا کہ پہلے سلام ہو پھر اجازت۔ (معارف القرآن: ۳/ ۳۸۸، ۳۸۹)

اجازت کے آداب

اجازت کے کچھ آداب ہیں۔

(ا) اجازت لینے والا اپنا نام بتلائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ الفاظ کہے:

السلام علی رسول اللہ أ یدخل عمر

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو سلام ہو، کیا عمر آ سکتا ہے؟

مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے آئے تو اس طرح جازت طلب کی:

السلام علیکم ھذا ابو موسیٰ ھذا الاشعری

یعنی نام بھی بتایا اور وضاحت بھی کی یہ ابوموسیٰ ہے، یہ اشعری ہے۔(مسلم: کتاب الادب/باب الاستیذان/رقم الحدیث: ۲۱۵۴)

(۲) اجازت کے وقت نام بتلانے کے بجائے ''انا'' کہنا (یعنی یہ کہنا کہ میں ہوں) یہ غلط اور برا طریقہ ہے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ علی بن عاصم واسطی رحمۃ اللہ علیہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے گئے تو دروازے پر دستک دی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کون؟ انھوں نے کہا '' انا' کہ میں ہوں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھائی میرے کسی دوست کا نام'' انا ''یعنی میں نہیں ہے۔ پھر باہر آ کر حدیث سنائی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور دروازے پر دستک دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون؟ انھوں نے کہا '' انا '' کہ میں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ'' انا '' کہنے سے کیا حاصل؟ اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔ (معارف القرآن: ۶/ ۳۹۰)

(۳) اس سے بھی برا طریقہ ہے اجازت کے وقت خاموش رہنا۔ صاحب مکان پوچھتا ہے کون؟ اور یہ بندہ خاموش کھڑا ہے۔ یہ غلط طریقہ ہے۔

(۴) اجازت لیتے وقت مکان پر دستک دینا بھی درست ہے۔

(۵) دستک اتنی زور سے نہ ہو کہ صاحب مکان گھبرا جائے اور اتنی آہستہ بھی نہ ہو کہ صاحب مکان کو پتہ بھی نہ چلے، بلکہ درمیانی درجے کی ہو۔ صحابۂ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر اپنی انگلیوں سے دستک دیتے تھے۔

آج کل دستک کی جگہ بیل اور گھنٹی نے لے لی ہے۔اب ادب یہ ہے کہ ایک مرتبہ گھنٹی بجا کر چھوڑ دیں۔اس کو مسلسل بجانا یا اس کی سوئچ پر انگلی دبا کر رکھنا ادب کے خلاف ہے۔

(۶) اگر کسی شخص نے اجازت طلب کی اور صاحب مکان نے کہا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی تو برا نہ مانے، ممکن ہے اسے کوئی عذر ہو، لہٰذا اس کا عذر قبول کرنا چاہیے۔

ہمارے بعض اسلاف کے متعلق منقول ہے کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ کسی کے مکان پر جا کر اجازت طلب کریں اور وہ کہے کہ لوٹ جاؤ تو مجھے قرآن کی ایک آیت پر عمل کرنے کا ثواب مل جائے، مگر زندگی بھر یہ نعمت نصیب نہیں ہوئی۔

(۷) شریعت اسلامیہ درمیانی شریعت ہے۔اس نے ہر ایک کا لحاظ کیا ہے۔جس طرح اجازت طلب کرنے والے کو یہ ادب بتلایا کہ اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ اسی طرح صاحب مکان کو بھی ادب بتلایا کہ اس کو اجازت دو، اس کی بات سنو، شاید وہ کوئی مجبوری لے کر آیا ہو۔ اور تم کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم تسلی کی کچھ باتیں کہہ دو، جس سے اس کا غم ہلکا ہو جائے۔حدیث شریف میں بھی یہ تعلیم دی گئی:

و ان لزورک علیک حقا

کہ تمھاری ملاقات کرنے والوں کا بھی تم پر حق ہے۔

(۸) ایک مرتبہ اجازت طلب کرنے پر اگر جواب نہ ملے تو دوبارہ اجازت طلب کریں، پھر بھی جواب نہ ملے تو تیسری بار اجازت طلب کریں۔پھر بھی اگر جواب نہ ملے تو لوٹ جائے، ممکن ہے صاحب مکان نے آپ کی آواز نہ سنی ہو، یا سنی ہو مگر وہ کسی کام میں مصروف ہو، مثلاً نماز

میں ہو، غسل میں ہو، نیت الخلا میں ہو یا پھر وہ اس وقت میں ملنا نہیں چاہتا ہو۔ (معارف القرآن:۶/ ۳۹۶)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور کوئی جواب نہ آوے تو اس کو لوٹ جانا چاہیے۔ (معارف القرآن:۶/ ۳۹۳)

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور سنت کے مطابق باہر سے اجازت طلب کرنے کے لیے سلام کیا السلام علیکم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب تو دیا مگر آہستہ کہ حضور نہ سنیں، آپ نے دوبارہ پھر سہ بارہ سلام کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سنتے اور آہستہ جواب دیتے رہے۔ تین مرتبہ ایسا کرنے کے بعد آپ لوٹ گئے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب آواز نہیں آرہی تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور یہ عذر پیش کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا مگر آہستہ دیا تاکہ زبان مبارک سے زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ میرے بارے میں نکلیں وہ میرے لیے موجب برکت ہوگا (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو طریقہ سنت بتلا دیا کہ تین مرتبہ جواب نہ آنے پر لوٹ جانا چاہیے) اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر ساتھ لے گئے انھوں نے کچھ مہمانی کی آپ نے اس کو قبول فرمایا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ عمل غلبہ عشق و محبت کا اثر تھا کہ اس وقت ذہن اس طرف نہ گیا کہ سردار دوعالم دروازے پر تشریف فرما ہیں مجھے فوراً جا کر ان کے قدم چوم لینے چاہیے، بلکہ

ذہن اس طرف متوجہ ہوگیا کہ آپ کی زبان مبارک سے السلام علیکم جتنی مرتبہ زیادہ نکلے گا میرے لیے زیادہ مفید ہوگا۔ (معارف القرآن:۶/ ۳۹۲)

(۹) اگر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملے تو وہاں جم کر بیٹھ جانا خلاف ادب ہے، بلکہ خوشدلی سے واپس لوٹ جانا چاہیے۔

(۱۰) کسی عالم یا بزرگ کے دروازے پر اجازت طلب کیے بغیر اور بغیر ان کو اطلاع دیے ہوئے انتظار میں بیٹھ رہے کہ جب اپنی فرصت کے مطابق باہر تشریف لاویں گے تو ملاقات ہوجائے گی تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ سرور دو عالم ﷺ سے ملاقات کرنے والوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ [الحجرات: ۵]

کہ اگر یہ لوگ صبر کریں یہاں تک آقا ﷺ باہر تشریف لائے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں بعض اوقات کسی انصاری صحابی کے دروازے پر پورے دو پہر انتظار کرتا رہتا ہوں کہ جب وہ باہر تشریف لاویں تو ان سے کسی حدیث کی تحقیق کروں۔ اور اگر میں ان سے ملنے کے لیے اجازت مانگتا تو وہ ضرور مجھے اجازت دیدیتے مگر میں اس کو خلاف ادب سمجھتا تھا اس لیے انتظار کی مشقت گوارا کرتا تھا۔

(۱۱) اگر اجازت طلب کرنے پر صاحب مکان نے اجازت دے دی تو وہاں جم کر نہ بیٹھ جائیں اور دوسری غیر ضروری باتیں شروع نہ کریں، بلکہ اپنے آنے کا جو مقصد ہو وہ بتلائیں۔

(۱۲) جو جگہیں عام ہوں کہ جہاں ٹھہرنے کی ہر ایک کو اجازت ہو، کوئی شرط و پابندی نہ ہو وہاں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے مساجد، بعض باغات، بعض مسافر خانے وغیرہ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اجازت طلبی کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے کی ممانعت ہے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستے میں جابجا ان کے مسافر خانے بنے ہوتے ہیں جن میں دوران سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا تو وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی اجازت کس سے حاصل کی جائے گی۔ اس پر یہ نازل ہوئی:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ﴾ [النور: ۲۹]

ہاں اگر تم کسی ایسے مکان میں جاؤ جس میں کوئی نہ بستا ہو اور اس میں تمھارا اسباب (رکھا) ہو، تم پر کچھ گناہ نہیں۔

(۱۳) جن جگہوں میں جانے کے لیے کچھ شرائط ہوں اور وہاں اجازت لینے کے مخصوص طریقے ہوں تو ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً ریلوے اسٹیشن پر جانے کے لیے اجازت کی شکل میں پلیٹ فارم ٹکٹ لینا ضروری ہے، اگر اس کے بغیر جائے تو جس طرح یہ قانوناً جرم ہے شرعاً بھی جرم ہے۔

اسی طرح ائرپوٹ، مسجد، مدرسہ اور اسپتال کے مخصوص کمرے کہ اس میں داخل

ہونے کے لیے منتظمین کی اجازت ضروری ہو تو وہاں اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں۔

(۱۴) اگر کسی نے قاصد بھیجا کہ فلاں کو بلا لاؤ اور وہ بندہ قاصد کے ساتھ ہی چلا آیا تو اب اجازت کی ضرورت نہیں۔

(۱۵) اجازت طلب کرنے والے کو چاہیے کہ تھوڑا ہٹ کر اجازت طلب کریں، دروازے کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب نہ کریں۔ آج کے دور میں گھنٹی بجا کر تھوڑا ہٹ جائیں تا کہ گھر والوں پر نظر نہ گرے۔

(۱۶) اجازت طلب کرتے وقت گھر میں نہ جھانکیں۔ حدیث شریف میں جھانکنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

(۱۷) اجازت کے یہ تمام آداب عام حالات کے اعتبار سے ہیں۔ اگر کوئی ہنگامی ضرورت پیش آ جائے تو اجازت کی ضرورت نہیں۔ مثلاً کسی کے مکان میں آگ لگ جائے اور آپ ان کی مدد کے لیے جائے تو اجازت کی ضرورت نہیں ہے، بلا اجازت داخل ہو جائیں، کیوں کہ اپنے لیے نہیں بلکہ ان کی مدد کے لیے گئے ہیں۔ (معارف القرآن: ۶/ ۳۹۳ تا ۳۹۵ ملخصاً)

دوسرا کام

دوسری چیز سلام کرنا ہے۔ دنیا کی ہر قوم میں یہ دستور ہے کہ جب بھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کوئی ایسا جملہ کہتے ہیں جو محبت کا اظہار کرتا ہو۔ مثلاً انگریزوں کے یہاں

good evening,good afternoon,good morning

good night

وغیرہ جملے بولے جاتے ہیں۔ عربوں کا قدیم دستور بھی یہی تھا۔ انعم صباحاً،

انعم مساءً کہ تمھاری صبح اچھی ہو یا تمھاری شام اچھی ہو۔لیکن اسلام نے سلام کی شکل میں جو تعلیم ہمیں دی ہے وہ سب سے نرالی ہے اور ساری قومیں اسلام کے دئے ہوئے سلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

اسلام کے سلام اور دیگر قوم کے سلام میں فرق

(۱) اسلام کے سلام میں دونوں طرف والوں کے لیے محبت کا اظہار ہے اور دونوں طرف سے دعویٰ ہے کہ ہماری جانب سے سلامتی پہونچے گی، تکلیف نہیں پہونچے گی۔

(۲) محقق ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنیٰ ہے اللہ رقیب علیکم کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔گویا ہمارے سلام میں امن و سلامتی کا پیغام ہے۔

(۳) سلام کے ذرریعے تعارف کروایا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔

(۴) ہمارا اسلام اتنا جامع ہے کہ موت تک بلکہ موت کے بعد والی زندگی کو بھی شامل ہے۔ السلام علیکم کا مطلب ہے تم پر سلامتی ہو دنیا میں بھی، قبر میں بھی اور آخرت میں بھی۔

(۵) ہمارے سلام میں خوف خدا کی بھی تعلیم ہے کہ سلامتی کا مالک اللہ ہے، اگر اس کے حکم کو پورا کروں گے تو سلامتی ملے گی، ورنہ نہیں۔

(٦) لفظ سلام اللہ کا نام ہے، لہٰذا اس کے کہنے میں ذکر کا بھی ثواب ہے۔

(۷) تمام شریعت وطریقت کا خلاصہ ہے اللہ سے تعلق قائم کرنا۔لفظ سلام دونوں ملنے والوں کو اللہ سے تعلق قائم کرنے کا درس دیتا ہے۔

(۸) ہمارا اسلام اتنا جامع ہے کہ تخلیق کائنات سے لے کر قیامت تک جتنی خیر کی دعائیں ہوسکتی

ہے وہ سب اس مختصر جملے میں آ گئی ہیں۔(مستفاد از معارف القرآن:۶/ ۳۰۱)

سلام کی ابتدا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا، ان کی لمبائی ساٹھ گز کی تھی جب اللہ نے ان کو بنایا تو ان سے فرمایا جاؤ اور اس جماعت کو سلام کرو۔ وہ جماعت فرشتوں کی تھی جو وہاں بیٹھی ہوئی تھی، پھر سنو کہ وہ تمھیں کیا جواب دیتی ہے، وہ جو جواب دے گا وہی تمھارا اور تمھاری اولاد کا جواب ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اس حکم الٰہی کی تعمیل میں فرشتوں کی اس جماعت کے پاس گئے اور کہا کہ السلام علیکم فرشتوں نے جواب دیا۔ السلام علیک و رحمۃ اللہ یعنی تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گویا آدم کے سلام کے جواب میں ورحمۃ اللہ کا لفظ فرشتوں نے زیادہ کیا۔(بخاری: کتاب الاستیذان/ باب بدو السلام/ رقم الحدیث:۶۲۲۷)

سلام کے فضائل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں سلام کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند حدیثیں پیش کی جاتی ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے انور کو دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ چہرہ اقدس کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد جو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ لوگو! سلام کو ظاہر کرو،

بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، رشتے داروں سے حسن سلوک کرو، نیز رات میں اس وقت تہجد کی نماز پڑھو جب کہ لوگ سوتے ہو۔ (اگر یہ کروں گے) تو جنت میں سلامتی کے ساتھ (یعنی بغیر عذاب کے) داخل ہو جاؤں گے۔ (ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع/رقم الحدیث: ۲۴۸۵)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں جو حسن سلوک سے متعلق ہیں۔ (۱) جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرنا۔ (۲) جب کوئی مسلمان کھانے کے لیے یا کسی اور غرض سے بلائے تو اس کو قبول کرنا۔ (۳) جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس پر یرحمک اللہ کہنا۔ (۴) جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا۔ (۵) جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا۔ (۶) مسلمان کے لیے اس چیز کو پسند کرنا جس کو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (مسلم: کتاب السلام/باب من حق المسلم للمسلم رد السلام/رقم الحدیث: ۲۱۶۲)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اہل اسلام کی کونسی خصلت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور ہر شناسا و ناشناسا کو سلام کرنا۔ (بخاری: کتاب الایمان/باب اطعام الطعام من الاسلام/رقم الحدیث: ۱۲)

(۴) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک تر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (ابوداود: کتاب الادب/باب فی فضل من بدء بالسلام/رقم الحدیث: ۵۱۹۷)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جب تک کہ ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہیں ہوسکوں گے، اور تمھارا ایمان اس وقت کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم اللہ کی رضا خوشنودی کے لیے آپس میں تعلق و دوستی قائم نہ کرو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور کیا میں تمھیں ایک ایسا ذریعہ نہ بتادوں جس کو تم اختیار کرو تو آپس میں دوستی کا تعلق قائم ہوجائے اور وہ ذریعہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کا چلن عام کرو یعنی آشناو ناآشنا سب کو سلام کرو۔ (مسلم: کتاب الایمان/باب لا یدخل الجنۃ الا المؤمنون/رقم الحدیث: ۵۴)

(٦) حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دن میں ۲۰ مرتبہ سلام کیا چاہے جماعت کو یا تنہا کو اور اسی روز مر گیا تو جنت اس پر لازم ہے۔ (مجمع الزوائد: ۸/۳۰)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بیٹے جب تم اپنے گھر والوں سے ملو تو سلام کرو، وہ سلام تم پر اور تمھارے گھر والوں پر خیر و برکت کے نزول کا باعث ہوگا۔ (ترمذی: ابواب الاستیذان والادب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی التسلیم اذا دخل بیتہ/رقم الحدیث: ۲۶۹۸)

سلام کے فوائد

سلام کے بہت سے فوائد ہیں، چند پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔

(۲) سلام سے بغض وعداوت اور کینہ دور ہوتا ہے۔

(۳) سلام جنت میں لے جانے کا سبب ہے۔

(۴) سلام نجات کا ذریعہ ہے۔

(۵) سلام کرنے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔

(۶) سلام کرنے سے شیطان فرار ہوتا ہے۔

(۷) سلام کرنے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔

(۸) سلام کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

(۹) سلام میں ابتدا کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے۔

(۱۰) سلام سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۱) سلام کے ذریعے ایمانی حلاوت ومٹھاس نصیب ہوتی ہے۔

(۱۲) سلام کو رواج دینا اسلام کے پھیلنے کا سبب ہے۔

سلام کا طریقہ

سلام کیسے کیا جائے؟ اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص آیا اور کہا: السلام علیکم ۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کے جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لیے دس نیکیاں لکھی گئی ہیں۔ پھر ایک شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمة الله۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور جب وہ بیٹھ گیا تو فرمایا کہ اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی گئی ہیں اس کے بعد ایک شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمته الله وبركاته۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی گئی ہیں۔ (ابوداود: کتاب الادب/باب

کیف السلام/رقم الحدیث: ۵۱۹۵)

اس حدیث سے سلام کا مسنون طریقہ معلوم ہو گیا۔

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دو مرتبہ یہ کہا علیک السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام ہو اے رسول خدا! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر کہا کہ علیک السلام نہ کہو کیونکہ علیک السلام کہنا میت کے لیے دعا ہے، البتہ السلام علیک کہو۔ (ابو داود: کتاب اللباس/باب ماجاء فی اسبال الازار/رقم الحدیث: ۴۰۸۴)

اسلاف کا معمول

ہمارے بڑوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سلام کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے۔

(۱) خود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرنے کی تھی۔ جب آپ گزرتے اور بچے کھیل رہے ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سلام کیا کرتے تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ بازار اس ارادے سے جاتے تھے کہ لوگ زیادہ ملیں گے تو میں ان کو زیادہ سے زیادہ سلام کرکے نیکیاں حاصل کروں گا۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۴۰۰)

(۳) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور تھا کہ سلام کرنے میں کوئی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ایک صاحب ایک مرتبہ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کو آتا دیکھ کر چھپ گئے اور جیسے ہی وہ قریب آئے ان کو سلام کر دیا۔ پھر اپنے اس عمل کو فخر سے بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت شیخ الادب کو سلام کرنے میں آگے بڑھ گیا۔ (حدیث کے اصلاحی

مضامین:۱۰/ ۲۱۶)

سلام کے چند آداب و مسائل

سلام کے کچھ آداب و مسائل بھی ذہن میں رکھیں۔

(۱) سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے، مگر یہاں سنت کا ثواب زیادہ ہے۔

(۲) سلام اس طرح کریں کہ سامنے والا اس کو سن لیں۔

(۳) اگر سلام کے الفاظ نہیں سنے تو جواب دینا واجب نہیں۔

(۴) مکمل سلام کی عادت ڈالیں۔

(۵) سلام میں غیر مسلموں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

(٦) خط میں سلام لکھا ہو تو اس کا جواب دینا واجب ہے چاہے زبانی یا تحریری۔

(۷) اگر کوئی کسی کا سلام پہونچائے تو کہے علیک و علیه السلام۔ تم پر اور ان پر سلامتی ہو۔

(۸) کافر کو سلام نہ کریں، اگر ضرورت ہو تو کہے سلام علی من اتبع الهدیٰ۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کریں۔

(۹) اگر کوئی کافر ہمیں سلام کرے تو جواب میں کہے هداک اللّٰه۔ اللہ تمھیں ہدایت عطا کرے۔

(۱۰) اگر مجمع میں مسلمان و کافر دونوں ہو تو سلام کریں اور دل میں نیت صرف مسلمانوں کو سلام کرنے کی کریں۔

(۱۱) اگر مجمع میں سے کسی ایک نے بھی سلام کا جواب دے دیا تو واجب ادا ہو گیا۔

(۱۲) گھر میں داخل ہوتو سلام کریں چاہے کوئی نہ ہو۔

(۱۳) چھوٹا بڑے کوسلام کریں، سوار پیدل چلنے والے کوسلام کریں، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کوسلام کریں، قلیل جماعت کثیر جماعت کوسلام کریں ۔

(۱۴) تھوڑی دیر کے بعد پھر ملاقات ہوتو پھر سلام کریں۔

(۱۵) مجلس میں آتے جاتے وقت سلام کریں۔(مستفاد از انوار نبوت:۲۹۹،۳۰۰)

کن حالات میں سلام نہ کریں؟

ویسے سلام کی بڑی فضیلت واہمیت ہے،مگر کچھ حالات ایسے ہیں جن میں سلام نہ کیا جائے۔

(۱) نماز پڑھنے والے کوسلام نہ کریں۔

(۲) قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے شخص کوسلام نہ کریں، اگر سلام کیا تو اس پر جواب دینا واجب نہیں۔

(۳) ذکر یا وظیفہ میں مشغول شخص کوسلام نہ کریں۔

(۴) علمی مذاکرے کے وقت سلام نہ کریں۔

(۵) درس کے وقت سلام نہ کریں۔

(۶) جمعہ وعیدین کے خطبہ کے وقت سلام نہ کریں۔

(۷) خطبہ اور حدیث سننے والے کوسلام نہ کریں۔

(۸) اذان دیتے ہوئے شخص کوسلام نہ کرے۔

(۹) اقامت کہتے ہوئے شخص کوسلام نہ کریں۔

(۱۰)استنجا کرتے ہوئے شخص کو سلام نہ کریں۔

قیامت کی نشانی

ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ اپنے جان پہچان والوں کو سلام نہ کریں۔ایک روایت میں ہے کہ قیامت سے پہلے سلام خاص ہو جائے گا۔(مسند احمد: مسند ابن مسعود رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث: ۳۸۷۰)

اللہ رب العزت ہمیں معاشرت کی درستی کے ان دونوں اصولوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۱۶)

حیا کی اہمیت

تعارف

۱۶/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۸/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: بدھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِیۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ ۡ قَالَتۡ اِنَّ اَبِیۡ یَدۡعُوۡكَ لِیَجۡزِیَكَ اَجۡرَ مَا سَقَیۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ ۫ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝﴾ [القصص:۲۵]

تمہید

یہ سورۂ قصص کی ۲۵ نمبر کی آیت ہے۔اس آیت میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہجرت کر کے مدین کے کنویں پر پہونچے تو آپ نے وہاں دو لڑکیوں کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو لیے الگ کھڑی تھیں کہ جب دوسرے لوگ فارغ ہو جائیں تو یہ لڑکیاں اپنی بکریوں کو پلائیں گی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔اور وہ دو لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی تھیں۔جب وہ وقت سے پہلے گھر پہونچیں تو ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے جلدی آنے کا سبب پوچھا۔لڑکیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام والی بات بتلائی۔حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا جاؤ ان کو بلا لاؤ۔ایک لڑکی شرماتے ہوئے بلانے آئی۔اس آیت میں یہی بات بتلائی گئی ہے۔

اس لڑکی نے شرماتے ہوئے کہا کہ میرے والد محترم آپ کو بلاتے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اسکے ساتھ جانے لگے اور کہا میں آگے چلتا ہوں تم پیچھے سے مجھے راستہ بتاؤ۔

اس واقعے میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی حیا کا علم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیا بھی ثابت ہوگئی کہ آپ خود آگے چلے اور لڑکی کو پیچھے چلنے کا حکم دیا۔ (معارف القرآن:۶/ ۶۳۰)

شرم وحیا کی فضیلت

شرم وحیا ایسا وصف ہے جو صرف انسان میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایسا وصف ہے جو جانور اور انسان کے درمیان فرق کی بنیادی علامت ہے۔ اگر لب و لہجے، حرکات وسکنات اور عادات واطوار سے شرم وحیا رخصت ہوجائے تو باقی تمام اچھائیوں پر خود بخود پانی پھر جاتا ہے اور دیگر تمام نیک اوصاف کی موجودگی کے باوجود انسان اپنی وَقعت کھودیتا ہے۔ جب تک انسان شرم وحیا کے حصار (دائرے) میں رہتا ہے ذلت ورسوائی سے بچا رہتا ہے اور جب اس قلعے کو ڈھا دیتا ہے تو پھر گھٹیا و بدترین کام بھی بڑی جرأت کے ساتھ کرتا چلا جاتا ہے۔

حیا کے معنیٰ

لغت میں حیا کے معنیٰ وقار اور سنجیدگی کے آتے ہیں۔ شریعت کی نظر میں حیا کا مطلب امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ''حیا وہ وصف ہے جس کی وجہ سے برا کام کرنے سے نفس میں تنگی محسوس ہوتی ہو''۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حیا وہ عادت ہے جو انسان کو نیکی کرنے پر اور برائی نہ کرنے پر ابھارتی ہے۔ (الرفیق الفصیح:۲/ ۹۳)

حیا کے متعلق چند احادیث

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات کی روشنی میں شرم وحیا پر بڑا زور دیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان کے ستر سے کچھ زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا اقرار کرنا سب سے کمزور شعبہ راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے، اور حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔ (ابو داود: کتاب السنۃ/باب فی رد الارجاء/رقم الحدیث: ۴۶۷۶)

(۲) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیا تمام تر خیر ہے۔ (مسلم: کتاب الایمان/باب بیان عدد شعب الایمان/رقم الحدیث: ۳۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری مرد پر گزرے وہ اپنے بھائی کو سمجھا رہا تھا اتنی شرم کیوں کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا جانے دے کیونکہ حیا تو ایمان میں داخل ہے۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۴۳۲)

(۴) حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں نے سابقہ انبیا علیہم السلام کے کلام میں سے جو حاصل کیا ہے وہ یہ ہے جب تم حیا نہ کرو تو پھر جو چاہو کرو۔ (بخاری: کتاب الادب/باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت/رقم الحدیث: ۶۱۲۰)

(۵) حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں سب پیغمبروں کی سنت ہیں۔ حیا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی: ابواب النکاح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ماجاء فی فضل التزویج و الحث علیہ/رقم الحدیث: ۱۰۸۰)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیا اور ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے، لہٰذا جب کسی کو ان دونوں میں سے کسی ایک سے محروم کیا جاتا تو وہ دوسرے سے بھی محروم رکھا جاتا ہے یعنی جو شخص ایمان سے محروم رہتا ہے وہ

حیا سے محروم رکھا جاتا ہے اور جس میں حیا نہیں ہوتی اس میں ایمان بھی نہیں ہوتا۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۳۲)

(۷) حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک ہر دین کے لیے ایک عادت ہے اور اسلام کی عادت حیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۳۲)

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیا یعنی برے کاموں سے حجاب رکھنا ایمان کا جز ہے، اور ایمان یعنی مؤمن جنت میں جائے گا۔ اور بے حیائی بدی کا جز ہے اور بدی والا دوزخ کی آگ میں جائے گا۔ (ترمذی: ابواب البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی الحیاء / رقم الحدیث: ۲۰۰۹)

(۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے شرم و حیا کو نکال لیتا ہے، پھر جب حیا اٹھ جاتی ہے تو اللہ کے قہر میں گرفتار ہو جاتا ہے، اور اس حالت میں اس کے دل سے امانت بھی چھین لی جاتی ہے، اور جب اس کے دل سے امانت چھین لی جاتی ہے تو وہ چوری اور خیانت شروع کر دیتا ہے، اور جب چوری اور خیانت شروع کر دیتا ہے تو اس کے دل سے رحمت چھین لی جاتی ہے، اور جب اس سے رحمت چھین لی جاتی ہے تو تم اسے ملعون و مردود پاؤں گے، اور جب تم ملعون و مردود دیکھو تو سمجھ لو کہ اسلام کا قلادہ اس کی گردن سے نکل چکا ہے۔ (ابن ماجہ: کتاب الفتن / باب ذھاب الامانۃ / رقم الحدیث: ۴۰۵۴)

حیا کی اقسام

انسان میں حیا تین قسموں پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے حیا: اللہ تعالیٰ سے حیا دین کی قوت اور یقین کی صحت سے حاصل ہوتی ہے۔

(۲) لوگوں سے حیا: لوگوں سے حیا کا مفہوم یہ ہے کہ ان کو تکلیف نہ پہنچائی جائے اور فضول بات پر دشمنی مول نہ لی جائے۔

(۳) اپنے آپ سے حیا: اپنے آپ سے حیا کا مطلب ہے پاکدامن رہنا اور تنہائی میں گناہوں سے بچنا۔ اسی کو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کرو جیسا کہ اس سے شرم وحیا کرنے کا حق ہے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اللہ سے شرم وحیا کرتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیا کا یہ حق نہیں جو تم نے سمجھا ہے، اللہ سے شرم وحیا کرنے کا جو حق ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنے سر اور اس کے ساتھ جتنی چیزیں ہیں ان سب کی حفاظت کرو، اور اپنے پیٹ اور اس کے اندر جو چیزیں ہیں ان کی حفاظت کرو، اور موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو یاد کیا کرو، اور جسے آخرت کی چاہت ہو وہ دنیا کی زیب وزینت کو ترک کردے پس جس نے یہ سب پورا کیا تو حقیقت میں اسی نے اللہ تعالیٰ سے حیا کی جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔ (ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ رقم الحدیث: ۲۴۵۸)

بڑوں کی حیا کی چند جھلکیاں

ہمارے اکابر واسلاف کے اندر حیا کا وصف کیسا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردے میں رہنے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا کرنے والے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی چیز ناپسند ہوتی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے جان لیتے۔ (مسلم: کتاب الفضائل/ باب کثرۃ حیاءہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ رقم الحدیث: ۲۳۲۰)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حیا

خلیفۂ ثالث امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حیا تو مثالی تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ مبارکہ میں آرام فرما تھے اور آپ کی رانوں یا پنڈلیوں سے (قمیص مبارک) ہٹی ہوئی تھی، اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دروازے پر حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی تو انھیں اجازت دے دی گئی اور آپ اسی حالت میں لیٹے رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انھوں نے بھی اجازت طلب کی تو انھیں بھی اجازت دے دی گئی اور آپ اسی حالت میں رہے ان کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو انھیں بھی اجازت دے دی گئی اور اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے بھی درست کر لیے۔ تو جب وہ تشریف لے گئے تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آپ کی بھی عجیب شان ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو آپ نے ان کے لیے کوئی اہتمام نہ فرمایا اور نہ ہی ان کی پرواہ کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو ان کے لیے بھی نہ تو آپ نے حرکت کی اور نہ ہی ان کی کوئی پرواہ کی، مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرما لیا۔ اس

پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں"۔ (مسلم: کتاب فضائل الصحابة/باب فضال عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۲۴۰۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ غسل خانے کے اندر بھی کپڑا باندھ کر غسل فرماتے تھے۔ (ابو نعیم فی الحلیة ألاولیاء: ۱/۵٦)

حضرت ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری امت میں سب سے زیادہ باحیا اور سب سے زیادہ معزز ہیں۔ (ابو نعیم فی الحلیة ألاولیاء: ۱/۵٦)

ایک خاتون جنت کی حیا

بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تمھیں میں ایک جنتی عورت کو نہ دکھادوں؟ میں نے عرض کیا کہ ضرور دکھائیں، کہا کہ ایک سیاہ عورت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا کہ مجھے مرگی آتی ہے اور اس کی وجہ سے میرا ستر کھل جاتا ہے۔ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجیے۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو صبر کر تجھے جنت ملے گی اور اگر چاہے تو میں تیرے لیے اللہ سے اس مرض سے نجات کی دعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا کہ میں صبر کروں گی، پھر اس نے عرض کیا کہ مرگی کے وقت میرا ستر کھل جاتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کر دیں کہ ستر نہ کھلا کرے۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ (بخاری: کتاب المرضی/باب من یصرع من الریح/رقم الحدیث: ۵٦۵۲)

ایک صحابیہ کی حیا

ابوداود شریف میں روایت ہے کہ ایک صحابیہ کا لڑکا ایک جنگ میں شہید ہو گیا تو وہ برقع اوڑھے ہوئے تحقیق کے لیے آئی۔ کسی نے کہا کہ اس حال میں بھی برقع نہیں چھوڑا، اس نے جواب دیا کہ میرا لڑکا فوت ہوا ہے، میری حیا فوت نہیں ہوئی۔ (ابو داود: کتاب الجہاد/ فضل قتال الرومی علی غیرہم من الامم/ رقم الحدیث: ۲۴۸۸)

جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور چہیتی صاحبزادی خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیا تو بڑی مشہور تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ مجھے حیا آتی ہے کہ جب میرا انتقال ہو تو لوگ مردوں کی تخت پر لٹا کر اور ایک کپڑا اوڑھا کر مجھے کندھے پر اٹھا لیں۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ کپڑے کے اوپر سے میرا جسم ظاہر ہو۔ یہی بات انھوں نے ایک دفعہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہی، تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ دکھاؤں جو میں نے ''حبشہ'' میں دیکھی تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، کیوں نہیں ضرور۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کھجور کی تازہ ٹہنیاں منگوائیں، کمان کی شکل میں ان کو موڑ موڑ کر رکھا، اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، یہ تو بڑی اچھی چیز ہے، اس سے مرد و عورت کے جنازہ میں امتیاز ہو جائے گا اور عورت کا جسم بھی چھپ جائے گا۔ دیکھو اسماء! جب میرا انتقال ہو تو میری چارپائی پر اسی طرح چھڑیاں رکھ دینا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے دلہن کے ڈولے کی طرح کی ایک پردہ پوش چارپائی تیار کی، اور کہا

کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے اس کی وصیت کی تھی ۔(سیر صحابیات مع اسوۂ صحابیات رص:۹۸)

بے حیائی کے اسباب

اب اگر سوال کیا جائے کہ حیا کی اتنی اہمیت وفضیلت ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر ہمارے معاشرے میں بے حیائی اتنی تیزی سے کیوں پھیلتی جارہی ہے؟ اس کے اسباب کیا کیا ہیں؟

پہلا سبب: فیشن پرستی

بے حیائی کا ایک سبب فیشن پرستی ہے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں نے مغربی ممالک کی اندھی تقلید شروع کردی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات سے روگردانی کرنے لگے۔ اسلامی تہذیب وتمدن میں کیڑے نظر آنے لگے اور مغربی تہذیب کو سلامی بھرنا شروع کردیا۔ لباس ایسا کہ جو سنت کے خلاف۔ عریانیت کا بازار گرم ہوتا ہی جارہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہم پیش گوئی

تعجب ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حال یہ تھا کہ اپنے جنازے پر بھی قبر پر بھی کپڑا ڈلوایا اور اس نبی کی امت کی عورتوں کا حال یہ ہے لباس کم۔ مسلم شریف میں ایک روایت ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بعد کے زمانے میں ایسی عورتیں پیدا ہوں گی جو کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔(مسلم: کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمہا و اہلہا ؍ باب النار یدخلون الجبارون ؍ رقم الحدیث ۲۱۲۸)

محدثین نے تین مطلب اس کے بیان کئے ہیں۔

(۱) لباس کے باوجود برہنہ ہونے کا ایک مطلب یہ ہے کہ لباس ناقص ہوگا۔ آج یہ بات بالکل

واضح ہے کہ جیسالباس عورتوں نے شروع کردیا کہ کپڑا جسم پر کم۔ پہننا نہ پہننا سب برابر۔ اکثر حصہ کھلا ہوا ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ کپڑا اتنا باریک ہوگا کہ جسم کا اندرونی حصہ نظر آئے گا۔

(۳) تیسرا مطلب یہ ہے کہ کپڑا اتنا تنگ اور چست ہوگا کہ جسم کی ساخت اور بناوٹ نظر آئے گی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی عورتیں راستہ میں مٹک مٹک کر چلیں گی اور اجنبی مرد انھیں نگاہ اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے۔ یہ عورتیں اس طرح چلیں گی ان کے سر اونٹوں کی کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے۔ ایسی عورتیں جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکیں گی اگر چہ جنت کی خوشبو پانچسو (۵۰۰) سال کی مسافت سے آرہی ہوگی۔ (انوار ہدایت رص:۴۵۶)

دوسرا سبب: انٹرنیٹ

بے حیائی کا دوسرا سبب ہے انٹرنیٹ پر آنے والی گندی چیزیں۔ یہودیوں کی پہلے ہی سے یہ فطرت رہی ہے کہ مسلمانوں کو کچھ ایسے معاملات میں الجھایا جائے کہ نہ ان کا دین برابر رہے نہ دنیا۔ اہل حق کو راہ حق سے ہٹانے کی فکر فرق باطلہ کی شروع سے اب تک مسلسل جاری ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے ٹی وی ایجاد کیا جس کے ذریعے انسان نماز سے بھی غافل رہے اور فحاشی اور عریانیت میں بھی مشغول رہے، گانے سننے کے کئی کئی آلات ایجاد کیے، اس طرح ہوتے ہوتے انٹرنیٹ کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس میں آج مسلمانوں کے خلاف ہزاروں ویب سائٹ کام کررہی ہیں۔ جس میں آج کئی کئی گندی اور ناپاک ویب سائٹ ہیں جو نجاست سے بھری ہوئی۔ گندی تصویریں اور ایسی ویڈیو جس کے تصور سے ہی شریف انسان کی عقل

حیران ہوکر رہ جاتی ہے۔اللہ رب العزت مسلمانوں کو ہدایت دیں کہ ان کے جال میں نہ پھنسیں۔

تیسرا سبب: حرام مال

بے حیائی کا تیسرا سبب ہے حرام مال کھانا۔مفسرین کرام نے ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا کے لیے جنت کی ساری چیزوں کو حلال کر کے صرف ایک ہی چیز کو حرام کیا تھا۔شیطان نے پٹی پڑھائی اور دونوں نے وہ شجر ممنوعہ کھالیا تو دونوں سے جنتی لباس اتر گیا اور ایک دوسرے کا ستر ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ دونوں جنتی درخت کے پتوں سے اپنے بدن کو چھپانے لگیں۔

مفسرین کرام یہاں یہ بات بیان کرتے ہیں کہ یہ حرام کا اثر ہے کہ اس کی وجہ سے ستر کھل گیا اور شرمگاہ ظاہر ہوگئی۔

چوتھا سبب: بے پردگی

معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کا چوتھا سبب ہے بے پردگی۔شریعت اسلامیہ نے پردے کو واجب اور ضروری قرار دیا ہے۔سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ○﴾ [الاحزاب:۵۹]

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے فرما دیجیے کہ اپنے اوپر چادر لٹکا لیا کریں۔

آج ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ ہمارے معاشرے میں بے

پردگی کا سیلاب اور طوفان آیا ہوا ہے۔ ہماری مسلمان مائیں اور بہنیں بھی یورپ اور مغرب کی طرح بے پردگی پر زور دے رہی ہیں اور اس کو اپنی آزادی سمجھتی ہیں، حالانکہ یہ آزادی نہیں بلکہ بربادی ہے۔ بے پردگی تو اخلاقی گراوٹ کی جڑ ہے۔ آپ ثابت کردیں کہ اس طرح کی آزادی سے ان کے اخلاق عمدہ ہوگئے ہوں اور ان کی عفت و پاکدامنی سلامت ہو تو ہم اپنی غلطی مان لیں گے، لیکن یہ بات بالکل صاف ہے کہ عورتوں کا بے پردہ رہنا بکریوں کو شیروں کے سامنے ڈالنے کی طرح ہے۔ اسی لیے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردے کی اہمیت پر بڑا زور دیا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بنات مکرمات نے اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہیں۔

(۱) ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المرأة عورة اذا خرجت استشرفها الشيطان۔(ترمذی: ابواب الرضاع / رقم الحدیث: ۱۱۷۳)

عورت چھپانے کی چیز ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے۔

(۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں پردے کا حکم دیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یہ تو نابینا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ نابینا ہے تم تو نابینا نہیں۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۲۶۹)

(۳) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ عورتوں کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد اسے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جواب

سے بہت خوشی ہوئی اور دعائیں دیں۔(فتاوی رحیمیہ:۱۰/۸۸ بحوالہ مسند بزار و دارقطنی)

(۴) خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بالغ ہونے کی خبر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تو آپ نے مجھے ازواج مطہرات کے پاس جانے سے روک دیا۔(فتاوی رحیمیہ:۱۰/۹۱)

ازواج مطہرات کے یہاں پردے کا اہتمام

(۱) جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا اور وہ رخصت ہو کر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولیمے کے لیے کچھ کھانا بنوایا۔حاضرین وہیں جم کر باتیں کرنے لگیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی وہیں تھی۔چونکہ مکان چھوٹا تھا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکان کی دیوار سے منہ لگائے بیٹھی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا اس قدر بیٹھنا ناگوار گزرا۔آپ اپنے مکان سے باہر تشریف لائے اور ازواج سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔جب آپ واپس ہوئے تو اب بھی کچھ لوگ گھر میں موجود تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد انھیں احساس ہوا تو منتشر ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مکان میں تشریف لائے اور کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ آیت حجاب کا نزول ہوا۔(بخاری:کتاب التفسیر/سورۃ الاحزاب وقال مجاہد صیاصیہم:قصورہم/باب قولہ:لا تدخلوا ابیوت النبی الا ان یوذن لکم الی طعام/رقم الحدیث:۴۷۹۱)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ،حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر سخت غم کے آثار تھے۔میں

حجرے کے اندر دروازے کی شق سے یہ ماجرا دیکھ رہی تھی۔ پتہ چلا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت بھی اپنے مکان ہی میں رہی باہر نہیں آئی۔ یہ دلیل ہے کہ عورتوں کو حتی لا مکان مکان ہی میں رہنا چاہیے۔(بخاری: کتاب المغازی/باب غزوۃ موتۃ من ارض الشام/رقم الحدیث: ۴۲۶۳)

(۳) ایک مرتبہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں وہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمروں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس دوران میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے مسواک کرنے اور حلق صاف کرنے کی آواز سنی۔ پتہ چلا کہ آیت حجاب کے بعد ازواج مطہرات کا معمول گھروں میں رہنے ہی کا تھا۔(بخاری: کتاب المغازی/باب عمرۃ القضاء/رقم الحدیث: ۴۲۵۴)

(۴) غزوۂ طائف کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن میں کلی فرمائی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے پی لیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے خیمے کے اندر سے یہ ماجرا دیکھا تو فرمایا دونوں صحابی سے کہ اپنی ماں کا بھی حصہ رکھنا۔(بخاری: کتاب المغازی/باب غزوۃ الطائف فی شوال سنۃ ثمان قالہ موسی بن عقبۃ/رقم الحدیث: ۴۲۳۸)

ان تینوں مثالوں سے پتہ چلا کہ ازواج مطہرات میں پردے کا کتنا اہتمام تھا، حالانکہ اگر وہ باہر بھی آجاتیں تو کیا حرج تھا آخر امت کی مائیں ہیں۔

پانچواں سبب: بدنظری

معاشرے میں پھیلی ہوئی بے حیائی کا ایک اہم سبب ہے بدنظری۔۔ بدنظری زنا کا پیش خیمہ اور مقدمہ ہے۔ احقر نے اپنے نکاح کے موقعہ پر مفکر گجرات حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ زنا کا آغاز آنکھ سے ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا:

نظرۃ فابتسام فسلام فکلام فموعد فلقاء

پہلے نظر پھر مسکراہٹ پھر سلام پھر کلام پھر وعدہ اور اخیر میں ملاقات۔ تو ملاقات کی ابتدا نظر سے ہوئی۔ اسی دوران حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بار بار ائرہوسٹیس کو کیوں بلاتے ہو؟ پتہ چلا کہ تمھارے دل میں چوری ہے۔

بدنظری کے متعلق آیات واحادیث

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث میں اس گناہ سے سختی سے روکا ہے۔ نمونے کے طور پر چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حق تعالیٰ نے اہتمام کے ساتھ مومن مردوں اور عورتوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِم﴾

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِن﴾ [النور: ۳۱،۳۰]

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

العینان تزنیان و زناھما النظر

یعنی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور آنکھوں کا زنا کرنا دیکھنا ہے۔ (مسند احمد / مسند

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ / رقم الحدیث: ۳۹۱۲)

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدنظری شیطان کا زہر آلودہ تیر ہے۔ جو اس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے اللہ تعالی اسے ایسا ایمان عطا فرماتے ہیں جس کی حلاوت اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۲۶۸)

(۴) حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ فوراً اپنی نگاہ ہٹا لو۔ (مسلم: کتاب الادب / باب نظر الفجائۃ / رقم الحدیث: ۲۱۵۹)

(۵) حضور اقدس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی کہ اے علی! نگاہ کے بعد نگاہ نہ ڈالو۔ بلا ارادہ اچانک کی نظر قابل عفو ہے۔ دوسری نظر معاف نہیں۔ (ابوداود: کتاب النکاح / باب ما یوٴمر بہ عن غض البصر / رقم الحدیث: ۲۱۴۹)

بدنظری کے متعلق اقوال سلف

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو نصیحت کی سانپ کے پیچھے چلے جانا مگر عورت کے پیچھے مت جانا۔ (حیا اور پاک دامنی / ص: ۶۴)

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نظر سے شہوت کا بیج پیدا ہوتا ہے اور فتنہ پیدا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱۰ / ۹۲)

(۳) کسی نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ زنا کی شروعات کہاں سے ہوتی ہے؟ فرمایا اجنبی عورت کو دیکھنے سے۔ (حیا اور پاک دامنی / ص: ۶۵)

(۴) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بدنظری سے عبادت کی

حلاوت اور لذت فنا ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ توفیق عمل سلب ہو جاتی ہے۔(حیا اور پاک دامنی/ص: ۴۸)

(۵) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بدنظری قوت حافظہ کے لیے زہر قاتل ہے۔(حیا اور پاک دامنی/ص:۶۵)

(۶) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص کی نظر پر قابو نہیں اس کے دل پر قابو نہیں اور جس کے دل پر قابو نہیں اس کی شرمگاہ قابو میں نہیں رہتی، اور جس کی شرمگاہ قابو میں نہیں اس کا ایمان قابو میں نہیں۔

(۷) آپ بیتی میں ایک مقام پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کتنے ذاکرین ایسے ہیں کہ ذکر کی وجہ سے دل میں نور پیدا ہوا مگر جہاں بدنظری کا شکار ہوئے اس نور سے محروم کر دیے گئے۔(نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت/ص:۴۶)

اس لیے تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ بدنظری کے ہوتے ہوئے اصلاح ممکن نہیں۔

حیا کے فوائد

حیا کے بہت سے فوائد ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) حیا کی وجہ سے محبت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

(۲) حیا انبیائے کرام علیہم السلام کے اوصاف میں سے ایک وصف ہے۔

(۳) حیا ہر اطاعت و بھلائی کی کنجی ہے۔

(۴) حیا انسان کو ظاہری و باطنی اعتبار سے خوبصورت بنا دیتی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حیا جس چیز میں داخل ہوتی ہے اسے خوبصورت بنادیتی ہے۔ (ترمذی: ابواب البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ باب ماجاء فی الفحش والتفحش/ رقم الحدیث: ۱۹۷۴)

(۵) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل حیا باوقار اور بااخلاق ہوتے ہیں۔

(۶) حیا گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اس پر دو واقعے پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

جلیل القدر بزرگ حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے ساتھی کے ساتھ حج کرنے جارہے تھے، انھوں نے ایک جگہ قیام کیا اور ان کے ساتھی بازار سے کچھ لینے چلے گئے۔ آپ چونکہ بہت ہی خوبصورت تھے ایک عورت کا گزر وہاں سے ہوا وہ عورت اپنا حجاب اتار کر آپ کے سامنے آگئی اور اپنی ناجائز خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے میری طرف ابلیس نے بھیجا ہے۔ اور آپ قدموں پر سر رکھ کر زار و قطار رونے لگے جب عورت نے یہ صورتحال دیکھی تو وہ چلی گئی۔ جب آپ کے ساتھی آئے تو دیکھا آنکھیں رو رو کر پھولی ہوئی ہیں اور آواز بھی بند ہوگئی ہے تو پوچھا کیا بات ہے؟ فرمانے لگے ویسے ہی بچے یاد آ گئے تھے۔ ساتھی نے حقیقت بتانے پر اصرار کیا تو آپ نے پورا قصہ سنا دیا یہ سن کر آپ کے ساتھ بھی زار و قطار رونے لگے آپ نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ تو انھوں نے عرض کی کہ آپ تو گناہ سے بچ گئے؟ لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو شاید نہ بچ پاتا؟

پھر دونوں کافی دیر تک روتے رہے؟ جب حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ پہنچے، طواف وسعی کی اور حجر اسود کے پاس آکر بیٹھ گئے اور آپ کی آنکھ لگ گئی؟ خواب میں

دیکھا کہ انتہائی حسین وجمیل شخصیت جن کا بدن خوشبو سے مہک رہا ہے سامنے ہے۔حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟انھوں نے فرمایا کہ میں یوسف ہوں حضرت سلیمان نے پوچھا کہ یوسف صدیق جواب ملا کہ ہاں حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی آپ کا اور بادشاہ مصر کی بیوی زلیخا کا قصہ بڑا عجیب ہے؟حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تمھارا اور ابواء کے مقام پر جو عورت تمہارے پاس آئی تھی اس کا قصہ ہمارے قصے سے بھی عجیب ترین ہے۔(احیاء العلوم مترجم:۱۷۱/۳)

حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مکہ میں ایک حسین وجمیل عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔اس نے ایک دن آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اپنے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا ،ذرا بتائے آپ کی نظر میں کیا کوئی ایسا ہے جو اس حسن و جمال کو دیکھ کر نہ بھکنے پائے؟شوہر نے کہا ہاں کیوں نہیں۔عورت نے پوچھا کون ہے؟شوہر نے جواب دیا عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ۔، عورت نے کہا کہ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں آج اسے بہکا کر دکھاؤں گی۔شوہر نے کہا کہ جاؤ تمھیں اجازت ہے۔

چنانچہ وہ گھر سے نکلی اور مسئلہ پوچھنے کے بہانے حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہونچی۔عورت نے مسئلہ پوچھتے ہوئے ان کے سامنے چاند کی طرح چمکتے ہوئے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دیا اور گناہ کی خواہش پیش کر دی۔حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس عورت سے کہا میں تم سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں،اگر تم نے میری تصدیق کر دی تو میں تمھیں اپنی رائے بتا دوں گا۔وہ بولی جو کچھ تم پوچھوگے میں سچ سچ جواب دوں گی۔حضرت عبید بن عمیر

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ذرا یہ بتاؤ اگر ملک الموت تمھاری روح قبض کرنے کے لیے آئیں تو اس وقت تمہیں اچھا لگے گا کہ میں تمھاری یہ تمنا پوری کردوں؟ وہ بولی بخدا ہرگز نہیں۔ کہا کہ تم نے سچ کہا ہے۔ پوچھا اگر تمھیں تمہاری قبر میں اتار دیا جائے اور سوال کرنے کے لیے بٹھا یا جائے تو اس وقت تمھیں اچھا معلوم ہوگا کہ میں تمھاری یہ تمنا پوری کردوں؟ وہ بولی کہ بالکل نہیں، کہا تم نے سچ جواب دیا۔ پھر پوچھا یہ بتاؤ کہ جب روز قیامت تمام لوگوں کے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیئے جارہے ہوں گے اور تم کو یہ معلوم نہ رہے کہ تمھارا نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں (یعنی نامۂ عمل خراب ہے یا اچھا) اس وقت کیا تم یہ پسند کروگی کہ میں تمھاری یہ حاجت پوری کردوں؟ بولی بالکل نہیں۔ پھر سوال کیا بتاؤ جب سب کو میزان کے اوپر کھڑا کیا جارہا ہوگا اور تمھیں یہ معلوم نہ ہو کہ تمھارا نامۂ عمل وزنی ہے یا ہلکا تو کیا تمھیں اس وقت خوشی ہوگی کہ میں تمھاری یہ تمنا پوری کردوں؟ بولی بالکل نہیں۔ کہا تم نے صحیح جواب دیا۔ پھر پوچھا اگر تمھیں سوال اور جواب کے لیے خدا کے سامنے کھڑا کیا جائے اور میں تمھاری یہ تمنا پوری کردوں تو کیا اس وقت تم کو اچھا لگے گا؟ بولی بخدا نہیں۔ کہا تم نے سچ کہا ہے، تو اس نے کہا کہ اے خدا کی بندی ذرا خدا سے ڈرو، اس نے تم کو یہ نعمت دے کر تمھارے اوپر احسان کیا ہے۔ یہ سن کر وہ اپنے گھر واپس آ گئی شوہر نے پوچھا کہو کیا کر کے آئی ہو؟ وہ بولی تم فضول ہو اور ہم سب کے سب فضول ہیں۔ اور اسکے بعد وہ مستقل نماز، روزہ اور عبادت میں مشغول ہوگئی۔ اس کا شوہر یہ کہتا رہتا تھا کہ بتاؤ عبید بن عمیر سے میری کیا دشمنی تھی؟ جس نے میری بیوی کو برباد کردیا وہ کل تک تو ایک بیوی کی طرح تھی اور اب اس نے اسے راہبہ بنا ڈالا۔ (ایک جامع قرآنی وعظ، ص: ۳۵۸)

حیا کا جذبہ کیسے پیدا ہوگا؟

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ہم پر ہورہی ہیں ان میں غور کرو اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کرو تو ان شاء اللہ حیا پیدا ہوگی۔ (اللہ سے شرم کیجئے/ص:۳۵)

حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے تم اپنے محسن کے احسانات کو دیکھو اور پھر یہ دیکھو کہ ان احسانات پر تم اپنے محسن کے ساتھ کیسی زیادتیاں کرتے ہو، جب تم یہ سوچو گے تو تم میں حیا کی صفت پیدا ہوگی۔ (اللہ سے شرم کیجئے/ص:۳۵)

اللہ رب العزت ہمارے معاشرے کو حیا کے زیور سے آراستہ فرمائیں اور جو بے حیائیاں ہمارے معاشرے میں عام ہوتی جارہی ہیں اس سے ہمارے معاشرے کو پاک و صاف فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۱۷)

اتباع سنت

تعارف

۱۷/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۲۹/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: جمعرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ [الاحزاب:۲۱]

تمہید

دنیا میں ویسے تو ہر مسلمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر اس دعوی میں بندہ کتنا سچا ہے اس کو اتباع سنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ اگر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی اتباع زندگی میں ہے تو بندہ اس دعوے میں سچا ہے، ورنہ اس کا یہ دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے۔

اتباع سنت کے متعلق قرآن پاک کی آیات

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اللہ رب العزت نے اپنے لاڈلے پیغمبر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرمابرداری کا ہمیں حکم دیا ہے۔

(۱) سورہ آل عمران میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○﴾ [آل عمران:۳۱]

اے پیغمبر علیہ السلام! آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنا چاہتے ہوں تو میری اتباع کیجیے، میرے نقش قدم پر چلیے، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے اور تمھارے گناہوں کو بخش دیں گے۔

اتباع کے معنیٰ

اتباع تبیعہ سے مشتق ہے۔تبیعہ کہتے ہیں کسی جانور کے بچہ کا اپنی ماں کے پیچھے بے سوچے سمجھے چلنا۔اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نشان قدم پر قدم رکھ کر چلنا اتباع کہلاتا ہے۔

(۲) سورہ آل عمران میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾ [آل عمران: ۱۳۲]

کہ تم اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۳) سورہ نساء میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ۵۹]

اے ایمان والو تم اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور تم میں سے اولوا الامر کی۔

(۴) سورہ نساء میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ۸۰]

جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۵) سورہ نور میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝﴾ [النور: ۵۲]

کہ جو شخص اطاعت کرے گا اللہ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اللہ سے ڈرے

گا اور تقویٰ اختیار کرے گا یقیناً یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

(۶) سورہ احزاب میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: ۲۱]

کہ تمھارے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین اسوہ اور نمونہ ہے۔

(۷) سورہ حشر میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷]

کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو جو کچھ عطا کرے وہ لے لو اور جس سے تمھیں روکے اس سے رک جاؤ۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کی اور بھی آیات ہیں جن میں حق تعالیٰ نے ہمیں رسول اکرم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور اطاعت و فرمابرداری کا حکم دیا ہے۔

اتباع سنت کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا ہر فرد جنت میں جائے گا علاوہ وہ کہ جو انکار کرے گا۔ صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون ہے جس نے انکار کیا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا۔

(بخاری: کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ/ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ رقم الحدیث: ۷۲۸۰)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ دس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خدمت کا شرف انھیں حاصل رہا ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو ان کی والدہ ام سلیم ان کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ چھوٹا سا انس آپ کی خدمت کے لیے وقف ہے۔ اس وقت سے لے کر وفات تک مسلسل دس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا شرف حضرت انس کو حاصل ہوا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ شفقت و محبت کو حاصل کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو پیار سے فرماتے تھے ''اے میرے پیارے بیٹے''۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پیارے بیٹے! اگر تم قادر ہو اس بات پر کہ تو صبح کرے یا شام کرے اس حالت میں کہ تیرے دل میں کھوٹ نہ ہو، کسی کے بارے میں کینہ نہ ہو تو ایسا کر لیا کر، اس لیے کہ یہ میری سنت ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۳۰)

(۳) ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری سنتوں کو مضبوطی سے تھام لیا ایسے وقت میں جب کہ میری امت میں فتنے اور فساد برپا ہو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۳۰)

(۴) ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دخول جنت کا نہایت سہل اور آسان نسخہ بیان فرمایا ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حلال مال کھائے اور میری سنتوں پر عمل کرے اور لوگ اس کی شرارتوں سے

محفوظ رہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ صحابہؓ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے لوگ تو ہمارے زمانہ میں بہت ہیں۔ (وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہیں۔ ایک طرف آسمان سے وحی کا نزول ہو رہا ہے اور دوسری طرف لوگوں حضور اقدس ﷺ کے ارشادات سے مستفیض ہو رہے ہیں، تو ظاہری بات ہے کہ ہر کوئی ان تین خوبیوں کا جامع تھا) حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب میرے بعد بھی ہوں گے۔ (ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن سرول اللہ ﷺ / رقم الحدیث: ۲۵۲۰)

(۵) ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری سنتوں کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی: ابواب العلم عن رسول اللہ ﷺ / باب الاخذ بالنسۃ واجتناب البدع / رقم الحدیث: ۲۶۷۸)

(٦) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا میں روایت نقل کی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میدان عرفات میں جو خطبہ دیا اس میں فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔ (موطا مالک: کتاب الجامع / النہی عن قول البدع / رقم الحدیث: ۲۶۱۷)

صحابۂ کرام نے ان دونوں کو مضبوطی سے تھام لیا اس لیے جہاں کہیں گئے کامیابی ان کے قدم چومنے لگی۔ اور ہم نے ان دونوں کو پس پشت ڈال لیا ہے، اس لیے ہر طرف سے ذلت وخواری تباہی اور بربادی کے کالے کالے بادل ہم پر چھائے ہوئے ہیں۔

(۷) فتاویٰ رحیمیہ میں حضرت اقدس مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت

نقل کی ہیں کہ جو میری سنتوں کے محافظت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو چار خصلتوں سے نوازیں گے۔ نیک لوگوں کے دلوں میں محبت، بدکاروں کے دلوں میں رعب، رزق میں وسعت اور دین پر ثابت قدمی۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۷۷)

اتباع سنت کے متعلق اقوال سلف

(۱) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

ان السنة مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی مثال حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی کشتی کی مانند ہے کہ جو اس میں سوار ہو گیا اور اس نے نجات پائی اور جو سوار نہ ہوا تو وہ غرق ہو گیا۔ اسی طرح جو اتباع سنت کی کشتی میں سوار ہوگا وہ نجات پائے گا اور جو اتباع سنت کی کشتی میں سوار ہونے سے اعراض کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۴۵۲)

(۲) حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے عبدالرحمن! تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ کے فضل سے کرتا ہوں۔ اس کے بعد پھر میں نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے اسلام پر موت نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وعلى السنة

اسلام کے ساتھ سنت پر موت آنے کی بھی دعا اور تمنا کرو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۴۵۲)

(۳) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی قول، عمل اور نیت درست نہیں جب تک کہ

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے موافق نہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۴۴۰)

(۴) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ تک پہونچنے کے بہت سے راستے ہیں مگر مخلوق پر سارے دروازے بند کر دیے گئے سوائے اتباع سنت کے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۴۵۴)

(۵) حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو عمل بھی اتباع سنت کے بغیر کیے جائے وہ باطل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۴۴۰)

(۶) مشہور صوفی بزرگ شیخ ابو سلیمان دارنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے قلب پر بعض صوفیانہ باریک باتیں وارد ہوتی ہیں، مگر میں دو گواہ (یعنی قرآن وسنت) کے بغیر انھیں قبول نہیں کرتا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۴۴۵)

(۷) محقق ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں داہنے پیر سے مسجد میں داخل ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، پس اگر کوئی سو مرتبہ ہوا میں اڑتا ہوا نظر آئے تو وہ اس شخص کے مقابلے میں کچھ نہیں جس نے ایک سنت پر عمل کیا۔ اس لیے کہ سنت پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اور آدمی اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔ ہوا میں اڑنے سے اللہ کے قرب میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا، چڑیا بھی ہوا میں اڑتی ہے۔ (نایاب موتی: ۱/ ۱۰۳)

(۸) ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ بغیر اتباع سنت کے اگر کوئی راحت محسوس کرے یا کوئی نور چمکے تو یہ شیطانی دھوکا ہے، یہ محض چند روزہ ظاہری چمک ہے۔ (نایاب موتی: ۱/ ۱۰۹)

(۹) حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استحضار کے

ساتھ چند روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرلو اگر صاحب نسبت نہ بن جائے تو مجھے کہنا۔ استحضار کا مطلب ہے کہ بندہ ہر کام کے وقت یہ سوچے اور یہ نیت کرے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ مثلاً کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے تو یہ سوچ لیا کرے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کھانے سے پہلے دھویا کرتے تھے۔ جب داہنے ہاتھ سے کھانا کھائے تو سوچے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی داہنے ہاتھ سے کھانا تناول فرماتے تھے۔ (محمود المواعظ: ۲۶۶/۲)

(۱۰) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہی ہے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیئت یعنی وضع قطع اپناتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہم شکل ہے۔ یہی چیز اللہ تک پہونچنے کا سب سے قریب راستہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴۵۲/۱، ۴۵۳)

(۱۱) صاحب معارف القرآن حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقبولیت کا راستہ اتباع سنت کے علاوہ کچھ نہیں۔ (اہل دل کے انمول اقوال رص: ۱۸۰)

(۱۲) فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا کیا نسخہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تین کام کرنا ہے۔ ہمیشہ باوضو رہنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو اپنانا۔ (مقالات نعمانی رص: ۲۵۸)

(۱۳) حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بہت دنوں سے دیکھ چکا ہوں بلکہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکا ہوں کہ دین اور دنیا کی فلاح کے لیے اتباع سنت کے علاوہ

اور کوئی صورت نہیں ہے۔(اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رص: ۱۶۳)

اتباع سنت پر اسلاف کے نمونے

صاحب فتاویٰ رحیمیہ حضرت اقدس مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب سرہند شریف میں حضرت مجدد الفـــــ ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہوا کرتے تھے۔تو ان کے زمانے کے ایک بزرگ آپ کی ملاقات کے لیے سرہند شریف آئے۔ جب دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی تو آنے والے بزرگ نے ایسی توجہ فرمائی کہ جس کی وجہ سے سرہند شریف کی زمین میں کپکپی پیدا ہوگئی اور زلزلے کی کیفیت پیدا ہوگئی۔حضرت محبدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ یہ آنے والے بزرگ کی کرامت ہے۔آپ نے اپنے خادم سے کہا کے ذرا ہماری مسواک لے آؤ۔خادم مسواک لے کر آیا تو حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسواک کو زمین پر رکھا۔زمین پر مسواک رکھتے ہی زلزلے کی کیفیت بند ہوگئی۔حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دیکھیے آپ کے کرامت یہ ہے کہ آپ کی توجہ سے یہاں زلزلہ آگیا۔ اور میری کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اگر میں دعا کروں تو سرہند شریف کے سارے مردے زندہ ہوجائیں۔مگر میں آپ کی اور میری دونوں کی کرامتوں کے مجموعے کے مقابلے میں وضو سے پہلے مسواک کی سنت کو بدرجہا افضل سمجھتا ہوں۔(فتاویٰ رحیمیہ:۱/ ۴۵۳)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب دعا

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے مقام پر پہونچایا ہے کہ اگر میں اس کو زبان سے ظاہر کروں تو علمائے ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگادیں اور علمـــائے

باطن مجھ زندیق اور بے دین ہونے کا فتویٰ لگا دیں، لیکن میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی مجھے اپنے فضل سے یہ سارے مقامات عطا فرمائے ہیں۔ اب میں ایک دعا کرتا ہوں، اور جو میری اس دعا پر آمین کہے گا مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ اس کی بھی مغفرت فرما دیں گے۔ وہ دعا یہ ہے

اے اللہ! مجھے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرما۔ آمین

اے اللہ! مجھے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر زندہ رکھ۔ آمین

اے اللہ! مجھے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر موت عطا فرما۔ آمین (نایاب موتی: ۱/ ۱۰۱)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباع سنت

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سنتوں کی اتباع کا اتنا اہتمام تھا کہ کبھی بے خبری میں بھی خلاف سنت کام نہیں کیا۔ ایک مرتبہ بیمار تھے اور بے ہوش ہو گئے۔ اسی حالت میں پیشاب ہو گیا۔ خادموں نے ا یک صاف کر کے جب پائجامہ بدلوانا چاہا تو غلطی سے پہلے دائیں پاؤں کا پائجامہ نکالنے کی کوشش کی، حالانکہ سنت یہ ہے کہ نکالتے وقت پہلے بائیں پاؤں کا پائجامہ نکالنا چاہیے۔ خادم کوشش کر رہے تھے اور حضرت نے بے ہوشی کی حالت میں ہی اپنا پاؤں جھٹک دیا۔ (محمود المواعظ: ۲/ ۲۶۳)

اللہ اکبر! جب بے ہوشی کے عالم میں اتباع سنت کا یہ عالم ہے تو ہوش وحواس میں کیا عالم ہوگا!

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباع سنت

ہمارے بزرگوں کے سردار حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع سنت کا ذوق نرالا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے مسجد کے باہر حضرت کے جوتے رکھ دیے تاکہ دیکھے کہ اب حضرت کس طرح عمل کرتے ہیں، کیوں کہ مسجد سے بایاں پاؤں پہلے نکالنا سنت ہے اور جوتے میں دایاں پاؤں پہلے داخل کرنا سنت ہے۔ حضرت جب تشریف لائے تو پہلے بایاں پاؤں سنت کے مطابق مسجد سے باہر نکالا اور اسے بائیں جوتے پر رکھ دیا، پھر دایاں پاؤں باہر نکال کر دائیں پاؤں کا جوتا پہنا، پھر بائیں پاؤں کا جوتا پہنا۔ اس طرح سے ایک ساتھ دو سنتوں کو ادا کیا۔ (محمود المواعظ: ۲/ ۲۵۸)

ایک شخص حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا۔ چار پانچ مہینے کے بعد جب جانے لگا تو کہا کہ حضرت! میں تو اس لیے آیا تھا کہ آپ کی کوئی کرامت دیکھوں، مگر مجھے کوئی کرامت نظر نہیں آئی۔ حضرت نے فرمایا اچھا! یہ بتاؤ کہ اس دوران تم نے میرا کوئی کام خلاف سنت دیکھا؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا اور کیا کرامت چاہتے ہو؟ یعنی سب سے بڑی کرامت ہی یہ ہے کہ آدمی استقامت کے ساتھ سنتوں پر عامل رہے۔ (محمود المواعظ: ۲/ ۲۶۰)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور اتباع سنت

دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وتر کے بعد کی دو رکعتیں بیٹھ کر ادا فرماتے۔ کسی نے کہا کہ بیٹھ کر پڑھنے میں تو آدھا ثواب ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں! میں جانتا ہوں کہ بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے، مگر میں تو اتباع سنت میں بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔ (نایاب موتی: ۱/ ۱۰۲)

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اتباع سنت

بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے۔ آپ نے پیروں میں چمڑے کے موزے پہن رکھے تھے۔ کمزوری اتنی تھی کہ موزے نکالنا بھی دشوار تھا۔ خادموں سے کہا کہ موزے نکال دو۔ خادم موزے نکالنے لگا تو بائیں پاؤں کے بجائے پہلے دائیں پاؤں کا موزہ نکالنے کی کوشش کی۔ حضرت نے اپنا پاؤں کھینچ لیا۔ اب خادم سوچتا ہے کہ ایک طرف موزے نکالنے کا حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف پاؤں کھینچ دیتے ہیں۔ دو تین بار ایسا ہوا۔ اتنے میں حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ خادم نے ان کو بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ تم پہلے دائیں پاؤں کا موزہ نکالتے ہو تو پاؤں کھینچ ہی لیں گے نا! پہلے بائیں پاؤں کا موزہ نکالو۔ (محمود المواعظ: ۲/ ۲۶۳)

قطب بننے کا نسخہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ دوران گفتگو حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بچپن میں مجھے ایک مرتبہ میرے والد محترم حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا یوسف! میں تجھے قطب بننے کا راستہ نہ بتاؤں؟ میں نے کہا ضرور بتائیے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس جگہ اور جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل ہو رہا ہو تو اس وقت اس کے مقابلے میں سنت کو رواج دینے کے لیے محنت کرنا یہ قطب وابدال بننے کا راستہ ہے۔ (محمود المواعظ: ۲/ ۲۶۳)

اتباع سنت کی برکات

(۱) اتباع سنت میں اختلاف اور دین سے دوری کے خلاف بچاؤ ہے۔

(۲) اتباع سنت کرنے سے اس فرقہ بندی سے نجات ملتی ہے جس میں مبتلا ہونے والے کے لیے جہنم کی وعید ہے۔

(۳) اتباع سنت سے بندے کو عمل کرنے سے انسان کو نسبت نبوی نصیب ہوتی ہے اور اسے ترک کرنے سے بندہ اس عظیم نعمت سے محروم ہوجاتا ہے۔

(۴) اتباع سنت سے انسان شیطانی راہوں سے بچا رہتا ہے۔

(۵) اتباع سنت سے ہی شریعت و دین ہے۔ اتباع سنت سے امت پر لگا ذلت و رسوائی کا داغ دور ہوتا ہے۔

(۶) اتباع سنت میں جسمانی و روحانی امراض کا علاج مضمر ہے۔

(۷) اتباع سنت سے اخلاقیات کی تکمیل ہوتی ہے اور اس کو جمال نصیب ہوتا ہیں۔

(۸) اتباع سنت میں فتنوں سے نجات اور دردناک عذاب سے چھٹکارا ہے۔

(۹) اتباع سنت میں ایمان کی ثابت قدمی، دنیا و آخرت میں سعادت مندی اور جہنم کی آگ سے بچاؤ ہے۔

(۱۰) اتباع سنت کی وجہ سے بندہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا احیا کرنے والوں میں سے ہوجاتا ہے۔

سنتوں کی برکت کا عجیب واقعہ

خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ ہے۔ اس وقت اسلامی لشکر ممالک کو فتح کرتا ہوا سیلاب کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایران و عراق سے آگے

نکل کر وسطی ایشیا کے کسی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ وہاں اسلامی لشکر نے ایک شہر اور قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا، لیکن وہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ دشمن قوم اتنی مضبوط اور جنگجو تھی کہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اس قلعے کو فتح کرنے کے جتنے طریقے ہو سکتے تھے، وہ سارے آزمائے گئے۔ لیکن قلعہ فتح ہونے کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ مجبور ہو کر انھوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھ کر بھیجا اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ انھوں نے اس کا جو حل تجویز فرمایا، اس سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے کوئی مادی حل تجویز نہیں کیا بلکہ جوابی خط میں لکھا کہ سب مجاہدین کو جمع کرو اور پھر خود بھی اپنا جائزہ لو اور ان سے بھی کہو کہ وہ اپنا جائزہ لیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سنت تم سب سے چھوٹ رہی ہے۔ جائزہ لو کہ وہ کون سی سنت ہے، جس پر تم سب نے عمل چھوڑ رکھا ہے۔ جب وہ سمجھ میں آ جائے تو سب اس پر عمل کریں اور پھر حق تعالیٰ سے فتح کی دعا کر کے حملہ کر دیں۔ رب تعالیٰ نے چاہا تو فتح ہوگی۔

جب سپہ سالار کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے سب مجاہدین کو جمع کیا اور یہ خط پڑھ کر سنایا۔ سب نے مل کر غور کیا کہ ہم سے کون سی سنت چھوٹ رہی ہے۔ بظاہر ساری سنتوں پر عمل ہو رہا تھا۔ کافی غور کے بعد یہ سامنے آیا کہ ہم سفر کی حالت میں تھے، اس لیے بہت دنوں سے ہم نے مسواک نہیں کی۔ چنانچہ کمانڈر نے سارے لشکر کو حکم دیا کہ جاؤ مسواک لے کر آؤ اور سنت مسواک پر عمل کرو، لشکر کے تمام افراد جنگل میں پھیل گئے، وہاں سے مسواک بنا کر لے آئے اور مسواک کی سنت پر عمل کرنے لگیں۔

مؤرخین نے لکھا ہیں کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا کفار پر اتنا رعب بیٹھا ہوا تھا کہ

عورتیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈراتی تھیں۔ مثلاً جب کوئی بچہ شرارت کرتا تو ماں کہتی دیکھو باز آجاؤ، ورنہ مسلمان کو بلالوں گی اور انھوں نے اس بات کو مشہور کردیا تھا کہ مسلمان، آدمیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔ جب مسلمانوں نے مسواک کرنا شروع کی تو اوپر قلعے پر کھڑے ہوئے کفار حیرت سے دیکھنے لگیں کہ نہ جانے کیا قصہ ہوا کہ کمانڈر کا ایک حکم ملنے پر یہ سب کے سب اپنے دانتوں کو تیز کررہے ہیں۔ پھر خیال آیا کہ ہم نے جو سن رکھا ہے کہ مسلمان لوگوں کو کچا کھا جاتے ہیں تو شاید ہمیں کچا کھانے کی تیاری ہے۔ جمعہ کا دن اور صبح کا وقت تھا۔ مسواک سے فارغ ہونے کے بعد سپہ سالار نے حکم دیا کہ اب حملہ کرو۔ کفار اس خیال سے کہ یہ اب ہمیں کچا کھا جائیں گے، ڈر گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور جمعہ کی نماز سے پہلے قلعہ فتح ہوگیا۔ نیز اسلامی لشکر نے جمعہ کی نماز قلعے کے اندر جا کر پڑھی۔ (مشارع الاشواق الی مصارع العشاق: ۱/ ۵۷۷)

سنتوں کو ہلکا نہ سمجھیں

تفسیر عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہیں کہ جو شخص آداب میں سستی کرتا ہے وہ سنت سے محرومی کی بلا میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ اور جو سنت میں سستی کرتا ہے اور اسے ہلکا سمجھتا ہے وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور جو فرائض میں سستی کرتا ہے اور انکو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۴۵۳)

اس کی بزرگی کا کیا اعتبار؟

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کی شہرت سن کر زیارت کے لیے گئے۔ وہ

بزرگ اتفاق سے گھر سے مسجد آرہے تھے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قبلہ کی جانب تھوکتے دیکھ لیا تو ملاقات کیے بغیر وہیں سے واپس آ گئے کہ جس کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب کا لحاظ نہیں اس کی بزرگی کا کیا اعتبار؟ (نایاب موتی: ۱/ ۹۵)

تارک سنت کا قبر میں انجام

حضرت ابو اسحاق فزاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اکثر ہمارے پاس بیٹھا کرتا اور اپنا آدھا چہرہ ڈھانپ کر رکھتا تھا، ایک دن میں نے اس سے کہا: تم ہمارے پاس کثرت سے بیٹھتے ہو اور اپنا آدھا چہرہ ڈھانپ کر رکھتے ہو، مجھے اس کی وجہ بتاؤ۔ اس نے کہا کہ میں کفن چور تھا، ایک دن ایک عورت کو دفن کیا گیا تو میں اس کی قبر پر آیا، جب میں نے اس کی قبر کھود کر اس کے کفن کو کھینچا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر میرے چہرے پر تھپڑ مار دیا۔ پھر اس شخص نے اپنا چہرہ دکھایا تو اس پر پانچ اُنگلیوں کے نشان تھے۔ میں نے اس سے کہا: اس کے بعد کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ پھر میں نے اس کا کفن چھوڑ دیا اور قبر بند کر کے اس پر مٹی ڈال دی اور میں نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ جب تک زندہ رہوں گا کسی کی قبر نہیں کھودوں گا۔

حضرت ابو اسحاق فزاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر بھیجا تو انھوں نے مجھے لکھا کہ اس سے پوچھو کہ جن مسلمانوں کا انتقال ہوا کیا ان کا چہرہ قبلے کی طرف تھا؟ میں نے اس کے بارے میں اُس کفن چور سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کا چہرہ قبلے سے پھرا ہوا تھا۔ میں نے اس کا جواب حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر بھیجا تو انھوں نے مجھے تحریر بھیجی، جس پر تین مرتبہ انا للہ لکھا ہوا تھا اور ساتھ میں یہ تحریر تھا کہ جن کے چہرے قبلے سے پھرے ہوئے تھے وہ سنتوں پر عمل نہیں

کرتے تھے۔(نایاب موتی:۱/ ۹۷،۹۸)

ایک عبرت ناک واقعہ

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ بصرہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابوسلامہ تھا۔ یہ شخص نہایت بیباک اور بے غیرت تھا۔ اس کے سامنے مسواک کے فضائل کا ذکر آیا تو اس نے غصے میں قسم کھا کر کہا کے میں مسواک کو اپنی سرین میں استعمال کروں گا۔ چنانچہ اس نے مسواک کو اپنی سرین میں گھوما کرر کھنے کی قسم کو پورا کیا۔ اس طرح اس نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی توہین اور بے ادبی کی۔ اس بے حرمتی اور بے ادبی کا انجام یہ ہوا کہ ٹھیک نو مہینے کے بعد اس کے پیٹ میں تکلیف شروع ہوئی اور ایک بدشکل جانور جنگلی چوہے جیسا اس کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ جس کی ایک بالشت چار انگلی کی دم، چار پیر، مچھلی جیسا سر اور چار دانت باہر کی جانب نکلے تھے۔ پیدا ہوتے ہی یہ جانور تین بار چلایا۔ جس پر اس کی بچی آگے بڑھی اور سر کچل کر اس نے جانور کو ہلاک کر دیا تیسرے دن یہ شخص بھی مر گیا۔ بس آدمی کا کہنا تھا کہ اس جانور نے مجھ کو اور میری آنکھوں کو کاٹ دیا ہے۔ اندازہ لگائیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی توہین پر حق تعالیٰ اس دنیا میں ہی کیسی عبرتناک سزا دیتے ہیں۔(بکھرے موتی:۱/ ۱۲۴)

ہم متبع سنت کیسے بنیں؟

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی حضور اقدس سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی اتباع کے زیور سے آراستہ ہو جائے تو ہمیں چند کام کرنے ہوں گے۔

(۱) صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کی مجالس سے اپنی وابستگی کو استوار کریں۔

(۲) ہر قول و فعل میں اغیار کی مشابہت سے مکمل اجتناب کریں۔

(۳) ہم خود بھی سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں اور اپنے گھروں میں سیرت کی کتابوں کی تعلیم کا ماحول بنائیں۔ اس لیے کے ذکر رسول ﷺ حب رسول ﷺ کے لیے اکسیر کیمیا ہے اور حب رسول ﷺ احیائے ایمان کے لیے۔

(۴) صحابۂ کرام اور اسلاف کے کمال اتباع کے واقعات اپنی نظروں کے سامنے رکھیں۔

(۵) ہر خوشی اور غمی کے موقع پر حضور اقدس ﷺ کے طرز و تعلیم کو جانیں اور پھر اس کو اپنی عملی زندگی میں لائیں۔

خلاصۂ کلام

حق بات یہی ہے کہ اتباع سنت میں دارین کی فوز و فلاح کا راز مضمر ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جس سے انسان کے انسانیت کی اور مسلمان کے اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی کامل اتباع زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری کرنے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم

مضمون: (۱۸)

شیطان کے مکروفریب

تعارف

۱۸/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۳۰/اپریل ۲۰۲۱ء

بروز: جمعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡہُ عَدُوًّا﴾ [الفاطر:٦]

تمہید

یہ سورۂ فاطر کی آیت نمبر ٦ ہے، جس میں باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شیطان سے دشمنی رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

دنیا مصیبتوں کا گھر ہے۔ سب سے بڑی مصیبت وہ ہے جو بندے کو اپنے رب سے یعنی مخلوق کو اپنے خالق سے جدا کردے۔ لہٰذا اس مصیبت کے گھر میں کامیاب بندہ وہ ہے جو مصیبت کو پہچانے، اس کا مقابلہ کرے اور یہ جان لے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی ہے؟ بعض مصیبتیں دشمنوں کی طرف سے آتی ہیں۔ اس لیے دوست اور دشمن کے فرق کو سمجھنا دانشمندی کی علامت ہے۔

انسان کے تمام دشمنوں میں کھلا دشمن جو سب سے قدیم دشمن ہے اور جس کی انسان سے دشمنی معروف بھی ہے وہ شیطان ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ کائنات میں پھیلی ہوئی تمام برائیوں کا سرچشمہ وہی ہے، خرابیاں اور برائیاں وہیں سے جنم لیتی ہیں۔ یہ ایسا دشمن ہے جو نہ تھکتا ہے، نہ ہار مانتا ہے، نہ کسی کے ساتھ نرمی کرتا ہے، نہ کسی کے ساتھ مروت بتلاتا ہے، کیوں کہ روزِ اول ہی سے اس نے انسان کو گمراہ کرنے کی ٹھان لی ہے۔ اگر یہ کسی کے ساتھ نرمی یا مروت بتلائے تو اس کے پیچھے بھی اس کا کوئی دجل ومکر پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس لیے

اس مکار ودھوکے باز دشمن کو پرکھنا، اس کی دشمنی اور ہتھکنڈوں کو جاننا ہمارے لیے ضروری ہے، تاکہ بچنا آسان ہو۔

لفظ شیطان کی تحقیق

لفظ شیطان کا مادہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں حضرات مفسرین کے دو قول ہیں۔

(۱) بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ لفظ شیطان شطن سے بنا ہے جس کے معنیٰ دور ہونے کے آتے ہیں۔ چونکہ یہ رحمت خداوندی اور دربار الٰہی سے دور ہوا ہے اس لیے اس کو شیطان کہا گیا۔

(۲) بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ لفظ شیطان شطط سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہے مٹنا، جلنا اور برباد ہونا، کیونکہ ہر نافرمان مٹنے والا، جلنے والا اور برباد ہونے والا ہے، اس لیے اس کو شیطان کہا گیا۔ (تفسیر عرفان القرآن ص:۵، ۶)

شیطان کی عداوت ودشمنی

قرآن کریم کی متعدد آیات، حضور اقدس سرور کائنات ﷺ کی متعدد احادیث اور تاریخ کے واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ انسان کو راہ راست سے یعنی صراط مستقیم سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش میں لگا ہے۔ ذیل میں قرآن کریم کی چند آیات اور حضور اقدس کی چند احادیث کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○﴾ [یوسف:۵]

بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

(۲) سورۂ فاطر میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡہُ عَدُوًّا﴾ [الفاطر:٦]

شیطان تمھارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن سمجھو اور دشمنی رکھو۔

(۳) سورۂ بقرہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ وَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ﴾ [البقرۃ:٢٦٨]

شیطان تمھیں ڈراتا ہے افلاس اور فقر سے اور تمھیں حکم کرتا ہے فحش اور بری باتوں کا۔

(۴) بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان میں خون دوڑنے کی طرح سے گردش کرتا ہے۔ (بخاری: کتاب بدء الخلق/ باب صفۃ ابلیس وجنودہ/ رقم الحدیث: ۳۳۲۱، مسلم: کتاب السلام/ باب استحباب القول ھذہ فلانۃ لیدفع الظن السوء بہ/ رقم الحدیث: ۲۱۷۴)

(۵) مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا ایک ہم نشین شیطان متعین ہے اور دوسرا ہم نشین فرشتہ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ بھی؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی مگر حق تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اس کے مقابلے میں، اب میرا شیطان ایمان لے آیا ہے وہ مجھے بھلی باتوں کی ترغیب دیتا ہے۔ (مسلم: کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار/ باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنۃ الناس/ رقم الحدیث: ۲۸۱۴)

(٦) ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر لگاتا

ہے پھر اپنے لشکر کو روانہ کرتا ہے کہ لوگوں کو ورغلائیں۔ پس اس کے نزدیک زیادہ مقرب وہ بنتا ہے جو فتنہ برپا کرنے میں مقدم ہوتا ہے۔ ایک آتا ہے وہ کہتا ہے میں نے ایسا کیا۔ ابلیس اس کو کچھ کہتا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق پیدا کردی۔ ابلیس اس سے خوش ہو کر اپنے پاس بٹھا لیتا ہے۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ اسے اپنے چھاتی سے چمٹا لیتا ہے۔ (مسلم: کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار / باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنۃ النـــاس / رقـم الحـــدیث: ۲۸۱۳)

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کے دل پر گھٹنے ٹیکے ہوئے کتے کی طرح بیٹھا رہتا ہے۔ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب انسان غفلت کرتا ہے تو وسوسے ڈالنے لگتا ہے، پس اس کے مکروفریب سے کوئی نہیں بچ سکتا سوائے چند مخصوص بندوں کے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک اثر ابن آدم پر شیطان کا ہوتا ہے اور ایک اثر فرشتے کا ہوتا ہے۔ شیطان کا اثر خوف دلانا (مثلاً صدقہ کروں گا تو مفلس ہو جاؤں گا) اور حق کی تکذیب کرنا ہے۔ اور فرشتے کا اثر خیر کا وعدہ یاد دلانا اور حق تعالیٰ کی تصدیق کرنا ہے۔ پس جو شخص اس کو اپنے قلب میں پائے تو اسے اللہ کی جانب سے سمجھے اور شکر ادا کرے۔ (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ومن سورۃ البقرۃ / رقم الحدیث: ۲۹۸۸)

شیطان کے مختلف گروہ

بنی آدم کو بہکانے، ورغلانے اور راہ راست سے ہٹانے پر شیطان کے مختلف گروہ کام کر رہے ہیں، جو اپنی ذمے داری میں کوتاہی نہیں کرتے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کے پانچ لڑکے ہیں جو مختلف کاموں پر متعین ہیں۔

(۱) ثبر: یہ مصائب پر متعین ہے یعنی ہائے ہائے کرنے، واویلا مچانے، گریبان پھاڑنے، رخساروں پر طمانچہ مارنے، جہالت کے کلمے زبان سے نکلوانے پر مامور ہے۔

(۲) اعور: یہ زنا پر متعین ہے یعنی زنا کی ترغیب دیتا ہے اور اسے مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

(۳) بلسوط: یہ جھوٹ بلوانے پر متعین ہے۔

(۴) داسم: لوگوں کے عیوب نکلوانے اور ان کے درمیان بغض وعداوت پیدا کرنے پر متعین ہے۔

(۵) زلنبور: یہ بازاری کاموں پر متعین ہے اسی کے اثرات سے اہل بازار دوسروں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔ (الجواہر الزواہر ص:۵۵۵)

اس کے علاوہ ایک شیطان نماز کا ہے جو بندے کی نماز کو خراب کرنے کے لیے اور خشوع وخضوع میں خلل ڈالنے کے کے لیے متعین ہے اس کو خنزب کہا جاتا ہے۔ نیز ایک شیطان مستقل وضو کے لیے متعین ہے جو بندے کو وضو کے دوران وسوسے ڈالتا ہے، جس کو ولہان کہا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں بندہ شکوک وشبہات کا مریض ہو جاتا ہے، پس تم پانی کے وسوسوں سے بچو۔ (ابن ماجہ: کتاب الطہارۃ وسننہا/باب ماجاء فی القصد فی الوضوء وکراھیۃ التعدی فیہ/رقم الحدیث: ۴۲۱)

شیطان کے ورغلانے کی تفصیل

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرعزیزی میں بڑے اچھے انداز میں شیطانی اثرات اوراس کے وسوسوں کی تفصیل بیان فرمائی ہیں،جس کا خلاصہ درج ذیل امورہیں۔

(۱) شیطان سب سے پہلے انسان کے ایمان کوخراب ہونے کے وسوسے ڈالتا ہے۔مثلاً ذات الٰہی،صفات الٰہی،نبوت کے اسرار،اخروی امورکی تحقیق،قضاوقدرکا مسئلہ اورصحابۂ کرام کی آپس کے اختلاف وغیرہ میں بندے کوالجھا کراس کے ایمان کوبگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

احقر کے داداجان کاایک واقعہ

آگرہ میں کسی جگہ کچھ دیواریں ہیں اس کے متعلق لوگوں میں مشہوریہ تھا کہ اس کے نیچے بزرگوں کے مزارات ہیں۔لوگ وہاں جاکرچراغاں کرتے تھے۔ایک مرتبہ بچپن میں احقر کے تایاابا حافظ عبدالحئی عثمانی صاحب بیمار ہوگئے،مرض شدیدتھا بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ لوگوں نے داداجان حضرت مولانامفتی سلطان حسن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کومشورہ دیا کہ آپ بھی فلاں طاق میں چراغ روشن کیجیے۔داداجان رحمۃ اللہ علیہ نے صاف انکارکردیااورفرمایا کہ میں یہ کام ہرگزکرنے والانہیں ہوں۔رات میں تہجد کے لیے بیدارہوئے اورخوب دعافرمائی کہ اے پروردگار!میرا عقیدہ توصحیح ہے،اگربچہ مرگیاتو تیرے فیصلے پرمیں راضی ہوں،لیکن ان لوگوں کا باطل عقیدہ پختہ ہوگا کہ چراغ نہیں جلایا توبچہ مرگیا۔پروردگار!ان کا عقیدہ پختہ نہ ہواس لیے اپ بچے کومکمل شفاعطافرمادیں۔چناں چہ دعاقبول ہوگئی اوربچہ مکمل شفایاب ہوگیااورطویل عمرپائی۔دسمبر ۲۰۰۶ء میں ۸۴ سال کی عمرمیں وفات پائی۔(حیات عارف رص:۱۸)

(۲) بعض کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرتا ہے کبھی اللہ سے بے خوف ہونا کسی کو چھوٹی نیکی پر بڑے ثواب کی امید دلانا کسی کو حق تعالیٰ کی رحمت اور ثواب سے ناامید کرنا کسی کو بت پرستی پر مائل کرنا وغیرہ راستوں سے دین حق سے گمراہ کرتا ہے۔

عالم کی موت پر شیطان کیوں خوش ہوتا ہے؟

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ایک مرتبہ شیطان کو اس کے چیلوں نے کہا کہ کسی عالم کی موت پر آپ بہت خوش ہوتے ہیں لیکن کسی عابد کی موت پر اتنا خوش نہیں ہوتے ایسا کیوں؟ شیطان نے اپنے چیلوں سے کہا آؤ میں تمھیں سمجھاؤں کہ میں عالم کی موت پر عابد کی موت کے مقابلے میں کیوں زیادہ خوش ہوتا ہوں۔

شیطان اپنے چیلوں کو لے کر ایک عابد کے پاس گیا اور سلام کلام کے بعد کہا کہ بہت دنوں سے میرے دل میں ایک سوال آرہا ہے۔میں نے سوچا کہ وہ سوال آپ سے کرلوں تاکہ اس کا کوئی مناسب حل مل جائے۔عابد نے کہا پوچھئے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔شیطان نے کہا میرے دل میں یہ سوال آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہیں تو کیا ایک انڈے کے اندر ساتوں آسمان، ساتوں زمین، چاند، سورج، ستارے اور تمام کائنات کی مخلوقات کو شامل کرسکتا ہے؟

اب وہ عابد جاہل اور بیوقوف تھا۔شیطان کا یہ سوال سنتے ہی حیرت میں پڑ گیا کہ ساتوں آسمان، ساتوں زمین، سورج، چاند، ستارے، تمام مخلوقاتِ دنیاوی ایک چھوٹے سے انڈے کے اندر کیسے آسکتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں ہوسکتا۔تو شیطان کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں پھر یہ کیسے نہیں ہوسکتا؟ عابد سوچ میں پڑ گیا۔شیطان اپنے چیلوں کو

لے کر وہاں سے اٹھا اوران سے مخاطب ہو کر کہنے لگا میں نے اس عابد کے دل میں شکوک و شبہات کا بیج ڈال دیا ہے اب وہ اس کو کفر تک پہونچا کر رہے گا۔

اس کے بعد شیطان اپنے چیلوں کو لے کر ایک عالم کے پاس پہونچا اور سلام کلام کے بعد کہا کہ بہت دنوں سے میرے دل میں ایک سوال آ رہا ہے میں نے سوچا کہ آپ سے پوچھ لوں تا کہ میرا مسئلہ حل ہو جائے۔ عالم صاحب نے جواب دیا کہ کہئے آپ کیا کہنا چاہتے ہو؟ شیطان نے وہی سوال دہرایا کہ اللہ تعالی تو ہر چیز پر قادر ہیں تو کیا ایک چھوٹے سے انڈے کے اندر ساتوں آسمان، ساتوں زمین، چاند، سورج اور ستارے آ سکتے ہیں؟ عالم نے فوراً جواب دیا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ شیطان اپنے چیلوں کو لے کر اٹھا اور مخاطب ہو کر کہنے لگا کے دیکھ لیا تم نے کہ یہ ہمارے داؤ میں نہیں پھنسا۔ اس لیے ہمیں عالم کی موت پر خوشی ہوتی ہیں عابد کی موت کے مقابلے میں۔

(واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے/ص: ۱۳۵، ۱۳۶)

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ ایک آدمی نے ایک درخت دیکھا کہ لوگ اس کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس آدمی کے دل میں خیال آیا کہ اس درخت کو اکھاڑ پھینک دینا چاہیے جو اللہ کی عبادت میں مانع بن رہا ہے اور اس کے بجائے شرک و بت پرستی میں مبتلا ہونے کا سبب بن رہا ہے۔

چنانچہ وہ شخص ہتھیار لے کر درخت کے پاس پہونچ گیا اور اس کو اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ شیطان اس کے پاس انسانی شکل میں پہونچا اور اس سے پوچھنے لگا کہ کیا کر رہے

ہو؟ یہ شخص کہنے لگا کہ اس درخت کو اکھاڑنا چاہتا ہوں یہ اللہ کی عبادت میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ شرک و بت پرستی کی جانب آ رہے ہیں۔شیطان نے کہا ایسا مت کرو، لوگوں نے اس کو بہت محنت سے بڑا کیا ہے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگ چھاؤں حاصل کرتے ہیں۔مگر یہ آدمی اپنے ارادے پر ڈٹا ہوا تھا۔

شیطان نے دیکھا کہ یہ کسی بھی طرح اپنے ارادے سے باز آنے کو تیار نہیں تو اس سے کہا کہ آپ میری ایک درخواست قبول کرلیں اور اس درخت کو نہ کاٹیں۔اس شخص نے کہا بتائیں آپ کی درخواست کیا ہے؟ شیطان نے کہا میری درخواست یہ ہے کہ اگر تم اس کام کو چھوڑ دوں گے تو اس کے بدلے تمھیں روزانہ دو درہم ملا کریں گے۔

جب اس شخص نے یہ بات سنی تو اس کے دل میں دنیا کی لالچ بیٹھ گئی۔اس نے کہا مجھے روزانہ دو درہم ملیں گے اس کا ذمے دار کون ہوگا؟ شیطان نے کہا جب تم صبح کی نماز سے فارغ ہوں گے تو تمھیں اپنے مصلے کے نیچے سے دو درہم مل جایا کریں گے۔اس شخص نے کہا ٹھیک ہے۔چنانچہ جس ارادے کو لے کر وہ گھر سے چلا تھا درہموں کی وجہ سے وہ ارادہ چھوڑ دیا اور ویسے ہی گھر روانہ ہوگیا۔اس کے ذہن میں ہر وقت درہموں کا خیال گردش کرتا رہا۔

اگلے دن جب فجر کی نماز سے فارغ ہوا تو مصلیٰ اٹھا کر دیکھا تو واقعی وہاں دو درہم پڑے تھے۔اٹھا کر جیب میں رکھ لیے۔کچھ عرصے تک یہ سلسلہ چلتا رہا کہ جب بھی فجر کی نماز سے فارغ ہوتا اور مصلیٰ اٹھا کر دیکھتا تو درہموں کو پالیتا۔کچھ عرصے کے بعد درہم ملنا بند ہو گئے۔جب درہم ملنا بند ہو گئے تو اس نے دوبارہ ہتھیار اٹھائے اور درخت کو کاٹنے کے لیے پہونچ گیا۔جب درخت کاٹنا شروع کیا تو شیطان آ پہونچا اور پوچھنے لگا کیا کر رہے ہو؟ اس شخص

نے جواب دیا کہ درخت کاٹ رہا ہوں تم نے وعدہ کیا تھا کہ تمھیں دو درہم ملا کریں گے اور اب ملنا بند ہو گئے، چنانچہ میں پورا ارادہ کر کے آیا ہوں کہ اس درخت کو اکھیڑ دوں گا۔ شیطان نے کہا اب کچھ فائدہ نہیں، تم لاکھ کوشش کرلو اس درخت کو نہیں اکھیڑ سکتے۔ پہلے جب تم آئے تھے تو اللہ کے لیے کام کرنے کے لیے آئے تھے اس لیے وہاں اخلاص تھا اور اب تم آئے ہو تو درہموں کے لیے آئے ہو یہاں اخلاص نہیں۔ پس وہ شخص چھوٹا سا منہ لے کر روانہ ہو گیا۔ (واقعات پڑھیے اور عبرت لیجیے، ص: ۱۳۳، ۱۳۴)

(۳) جب بندہ ان ذرائع سے گمراہ نہیں ہوتا اور وہ مکمل نماز کی پابندی کرتا ہے تو اب شیطان اس کی نماز کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اولاً اس کو نماز سے غافل کرتا ہے، اگر اس میں کامیاب نہ ہوا تو اب نیت میں ریا کاری کو داخل کرتا ہے، پھر رکعت کی تعداد میں شک پیدا کرتا ہے اور خشوع وخضوع کو پامال کرتا ہے۔

(۴) رمضان کا مہینہ آتا ہے تو مؤمن بندے کو روزے سے غافل کرتا ہے اور اگر روزہ رکھ لیا تو اس کی روح کو خراب کرواتا ہے۔

(۵) جب بندہ صاحب نصاب ہوتا ہے تو زکوۃ نہ دینے کی طرف مائل کرتا ہے فقر سے ڈراتا ہے فضول اور حرام کاموں میں خرچ کرنا دکھاتا ہے اگر بندے نے زکوۃ ادا کردی تو ریا نام ونمود کی طرف مائل کرتا ہے جس کے نتیجے میں بندہ اپنے آپ کو سخی سمجھنے لگتا ہے۔

(۶) بندہ اگر صاحب استطاعت ہو تو فریضہ حج سے غافل کرواتا ہے بے ہودہ خرچے اس کے سامنے پیش کرتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ جس سے فریضے کی تکمیل کر پاتا ہے اور نہ وہ کام پورا ہوتا ہے جو شیطان نے اس کے سامنے مزین کر کے پیش کیا تھا۔

(۷) کسی کو عورتوں کی جانب رغبت ومیلان میں مبتلا کرتا ہے جس کے نتیجے میں بندہ اپنے مدتوں کے مجاہدوں اور ریاضتوں پر پانی پھیر دیتا ہے بلکہ بعض مرتبہ کفر تک پہونچ جاتا ہے۔

(۸) کسی کو بار بار غصہ دلاتا ہے اور اس وقت یہ خیال دل میں ڈالتا ہے کہ اگر تو نے غصے کے تقاضے کو پورا نہیں کیا تو ہمیشہ عاجزی وذلتی کا داغ رہے گا۔

(۹) راہ خدا میں جان ومال کی قربانی کو مشکل بنا کر پیش کرتا ہے۔

(۱۰) کفار کو بتوں کے سامنے مرجانے اور ان کے لیے اپنی اولاد کو قتل کرنے پر ابھارتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سارے شیطانی حملے اور وساوس ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں ان کے ذریعے وہ انسان کو راہ حق سے بہکاتا ہے۔ (تفسیر عزیزی مترجم: ۴/ ۵۸۶، ۵۸۷)

شیطان کے جال

بنی آدم کو ورغلانے، بہکانے اور راہ راست سے ہٹانے کے لیے شیطان نے مختلف قسم کے جال تیار کیے ہیں، جن کے ذریعے وہ انسان کو صراط مستقیم سے گمراہ کرتا ہے۔

غصے کا جال

غصہ ایک خطرناک روگ ہے۔ اس کا اثر شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ شیطان اس کے ذریعے انسان کو مغلوب العقل کر دیتا ہے۔

عجیب واقعہ

حضرت الیسع علیہ السلام جب بوڑھے ہو گئے تو آپ نے قوم کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین بنانا چاہتا ہوں جو میرے بعد ان کاموں کو انجام دے

سکیں۔آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ جو شخص میری تین شرطوں کو قبول کرلے گا میں اس کو اپنا جانشین بناؤں گا۔ایک شرط یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دن میں روزہ رکھنے والا ہو۔دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ہمیشہ رات میں قیام کرنے والا یعنی شب بیدار ہو۔اور تیسری شرط یہ ہے کہ اسے کو کبھی غصہ نہ آئے،غصہ کے بغیر مقدمات میں فیصلہ کرنے والا ہو۔آپ کی ان تینوں شرطوں کو سن کر سوائے ایک شخص کے کوئی نہ اٹھا۔یہ ایسا شخص ہے جس کو عام نظر میں حقیر سمجھا جاتا تھا۔اس نے کہا میں آپ کی تینوں شرطوں کو قبول کرتا ہوں۔حضرت الیسع علیہ السلام نے اس دن اس شخص کی درخواست کو رد کر دیا۔

دوسرے دن پھر آپ نے لوگوں کو جمع کر کے وہی بات دہرائی۔دوسرے دن بھی سوائے وہ شخص کے کوئی نہیں اٹھا تو آپ نے اس شخص کو اپنا جانشین بنا دیا۔

ان صاحب کی عادت تھی کہ ہمیشہ رات میں قیام کرتے اور دن میں روزہ رکھتے اور دوپہر میں تھوڑی دیر قیلولہ کرتے۔ایک دن قیلولہ کے لیے خواب گاہ میں آئے شیطان ایک کمزور بوڑھے آدمی کی صورت میں آیا اور دروازہ پر دستک دی۔آپ نے فرمایا کون ہے؟اس نے کہا میں بوڑھا ستم رسیدہ ہوں۔چنانچہ انھوں نے دروازہ کھول دیا۔اس کے بعد بوڑھے نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی کہ مجھ پر لوگوں نے ظلم کیا ہے اور اپنے ظلم کی اتنی لمبی داستان سنائی کہ قیلولہ کا وقت جاتا رہا۔آپ نے فرمایا اچھا ابھی جاؤ اور شام ہو تو میرے پاس آنا،شام کی مجلس میں ہم تمھارے لیے فیصلہ کریں گے۔

جب شام ہوئی تو آپ نے مجلس میں چاروں طرف نظر دوڑائی تو بوڑھا نظر نہیں آیا۔دوسرے دن صبح کی مجلس میں بھی آپ نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر وہ بوڑھا نظر نہیں آیا۔

جب دوپہر کے وقت قیلولے کے لیے اور بستر پر لیٹے تو پھر دستک ہوئی آپ نے فرمایا کون جواب ملا کہ بوڑھا ستم رسیدہ ہوں آپ نے دروازہ کھول دیا لیکن تم نہیں آئے صبح کی مجلس میں بھی ہم نے تمھارا انتظار کیا مگر تم اس وقت بھی نہیں آئے۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ مجھ پر ظلم کرنے والے لوگ بڑے خبیث ہیں جب ان کو معلوم ہوجاتا ہے کہ میں آپ کے پاس جارہا ہوں، تو کہتے ہیں ہم تجھ کو تیرا حق دے دیں گے اور جب آپ چلے جاتے ہو تو انکار کردیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اس وقت چلے جاؤں شام کے وقت آنا۔ شام کی مجلس میں بھی وہ بوڑھا نہیں آیا اور صبح کی مجلس میں بھی نہیں آیا۔

جب قیلولہ کا وقت ہوا کہ آپ نے اپنے کسی عزیز سے کہا کہ دودن سے قیلولہ نہیں ہوا ہے، آج تیسرا دن ہے کسی کو اجازت نہ دو۔ چنانچہ دروازہ بند کرکے آپ سو گئے۔ شیطان پھر اسی وقت پہونچا۔ گروہ نے اس کو جانے کی اجازت نہ دی تو اس کو گھر میں ایک روشندان نظر آیا، اس سے کود کر مکان میں داخل ہوگیا۔ پس ان کی آنکھ کھل گئی تو دربان سے فرمایا کہ میں نے تجھے کیا حکم دیا تھا؟ یہ بوڑھا یہاں کیسے آگیا؟ اس نے جواب دیا کہ میری طرف سے تو کوئی آپ کے پاس آیا نہیں۔ آپ نے کمرے کا دروازہ دیکھا تو وہ بند ہے تو سمجھ گئے کہ یہ تو شیطان ہے۔ آپ نے فرمایا تو تو دشمن خدا شیطان ہے۔ اس نے جواب دیا جی ہاں! میں آپ سے ہار گیا۔ میں نے جو کچھ کہا آپ کے ساتھ کیا وہ اس لیے کیا تھا کہ تم کو غصہ دلاؤں، مگر اللہ نے تم کو محفوظ رکھا۔ اس واقعے کی مناسبت سے آپ کا نام ہوگیا ذوالکفل یعنی نصیبہ والا۔ (معارف القرآن:۶/ ۲۱۸، ۲۱۹)

حسد اور حرص کا جال

حسد اور حرص دونوں مہلک مرض ہیں۔ یہ دونوں بھی شیطان کے مضبوط جالوں میں سے ہیں۔

ایک واقعہ

علما نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو آپ نے کشتی میں شیطان کو دیکھا تو پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا بدنام زمانہ شیطان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو کیوں آیا ہے؟ کہنے لگا آپ کے ساتھیوں کے دلوں میں اثر ڈالنے آیا ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ کشتی سے نکل جا اے مردود! کہنے لگا کہ مجھے مت نکالو میں پانچ چیزوں کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہوں، اس میں سے تین آپ کو بتلاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے نوح! یہ بڑا مکار ہے، اس کو کہو کہ ہم کو تین کی ضرورت نہیں، وہ دو تو بتادے جو چھپا رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے شیطان سے جب یہ بات کہی تو اس نے کہا وہ دو ایسی ہیں جن میں تم مجھے جھوٹا نہیں کہہ سکتے، جن میں تم مجھے خلاف قرار نہیں دے سکتے۔ ایک حسد ہے اور دوسرا حرص۔ حسد کی وجہ سے مجھ پر لعنت ہوئی اور مجھے رجیم بنایا گیا۔ حرص کی وجہ سے میں نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنی حاجت پوری کی، کیونکہ سوائے ایک درخت کے جنت کی ساری چیزیں ان کے لیے حلال تھیں، مگر وہ صبر نہ کر پائے اور حرص ہی کی وجہ سے ممنوع چیز کا ارتکاب کر بیٹھے۔ (واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے ص: ۱۳۱)

شکم سیری کا جال

شیطان کا ایک مضبوط جال شکم سیری کا ہے۔ انسان کو اس کے ذریعے عبادات میں

سستی اور غفلت کرواتا ہے۔

ایک واقعہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مکاشفۃ القلوب میں بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ دیکھا شیطان کو کہ وہ کچھ اٹھائے ہوئے جارہا ہے تو پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ یہ خواہشات کے پھندے ہیں جن کے ذریعے میں لوگوں کو پھانستا ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ میرے لیے بھی کوئی پھندا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! میں کبھی کبھار آپ کو رات میں زیادہ کھانا کھانے کے لیے ورغلاتا ہوں، جس کے نتیجے میں رات کی نماز میں سستی ہو جاتی ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آج کے بعد کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاؤں گا۔ اس نے کہا آج کے بعد میں کبھی کسی انسان کی خیر خواہی نہیں کروں گا۔ (واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے/ ص:۱۳۶)

طمع اور لالچ کا جال

شیطان کے مختلف جالوں میں ایک بڑا جال طمع اور لالچ کا ہے۔ جب کسی انسان پر اس کا غلبہ ہوتا ہے تو جس شخص کی جو کچھ طمع ہوتی ہے تو شیطان اس کو مستحسن کر کے وہ شخص کے سامنے پیش کرتا ہے اور ہمیشہ اس تدبیر میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح بھی اس کو اس پر راضی کر سکے۔ پھر اس سے اس کی خواہش کو پورا کرا تا ہے چاہے خدا ناراض ہو جائے۔

مال کا جال

جب مال انسان کے پاس حاجت سے زیادہ ہوتا ہے تو شیطان کی قیام گاہ ہوتا ہے۔ جس شخص کے پاس یہ نہیں ہوتا وہ فارغ ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پاس کچھ رقم ہاتھ میں آ گئی تو قلب

میں طرح طرح کے خواہش ابھرے گی کہ اس کو فلاں چیز میں خرچ کیا جائے۔اس طرح خواہشوں کا یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

بخل کا کا جال

شیطان کا ایک بڑا جال بخیلی کا ہے۔ یہ وہ جال ہے جس کے ذریعے صدقہ کرنے اور نیک کاموں میں خرچ کرنے سے روکتا ہے، جوڑنے اور جمع کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

مذہبی تعصب کا جال

یہ وہ جال ہے جس کے ذریعے شیطان نے بڑے بڑے عابدوں اور علما کو ہلاک کیا ہے۔

نامناسب چیزوں میں الجھانے کا جال

یہ وہ جال ہے جس کے ذریعے شیطان عوام کو ایسے لوگوں کو جن کو علم سے مناسبت نہیں، اللہ کی ذات اور صفات اور ایسے نئے پرانے خیالات میں الجھا تا ہے کہ جہاں تک ان کی عقلیں نہیں ہوسکتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ گمراہ ہوتے ہیں، دین میں شکوک شبہات کے مریض ہوجاتے ہیں۔غلط عقیدے قائم کرتے ہیں اور ان پر مسرور ہوتے ہیں۔

عورتوں کا جال

ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

النساء حبائل الشیاطین

عورتیں شیاطین کی رسیاں ہیں۔(مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۴۴)

شیطان کی اللہ تعالٰی سے درخواست

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت بیان کی ہے۔ جب ابلیس لعین کو حق تعالیٰ نے اپنے دربار سے نکالا تو اس نے قسم کھائی کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا۔ اس نے اللہ رب العزت سے یہ درخواست کی کہ مجھے مضبوط جال دیجیے کہ جس سے میں لوگوں کو شکار کرسکوں۔ حق تعالیٰ نے پہلے شیطان کے سامنے سونے چاندی اور گھوڑوں کے ریوڑ کا جال پیش کیا۔ کیونکہ بالطبع انسان ایسی چیزوں کی جانب مائل ہوتا ہے۔ شیطان نے کہا یہ جال اچھا ہے مگر ترنج کی طرح تلخ ہے۔ یہ جال اسے پسند نہیں آیا۔ پھر حق تعالیٰ نے اسے بیش بہا جواہرات کا جال پیش کیا۔ اسے پسند نہیں آیا۔ حق تعالیٰ نے چرب اور شیریں کھانے اور آتشی شراب اور قیمتی ریشمی لباس کا جال پیش کیا۔ اسے پسند نہیں آیا۔ پھر حق تعالیٰ نے شراب اور چنگ ورباب کا جال پیش کیا۔ شیطان قدرے خوش ہوا۔ اخیر میں حق تعالیٰ نے عورتوں کا جال پیش کیا تو وہ ناچنے لگا۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۳/۳۳۰ تا ۳۳۷ ملخصاً)

بنی اسرائیل میں طاعون

بلعم نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زبان سینے پر لٹک پڑی۔ اس نے یہ چال بتائی آنے والوں کے راستے میں تم اپنی حسین لڑکیوں کو مزین کرکے بنی اسرائیل کے راستے میں بھیج دو۔ اور وہ جو کچھ کرنا چاہے کرنے دو۔ یہ مسافر ہیں، ایک عرصے سے اپنے وطن کو ترک کیے ہوئے ہیں، ممکن ہے اس تدبیر سے وہ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بلعم کی یہ شیطانی چال قوم جبارین کو سمجھ میں آگئی۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے روکا۔ مگر ایک آدمی نہ مانا اور اس شیطانی جال میں گرفتار ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں سخت طاعون پھیلا جس کی وجہ سے

ایک روز میں ستر ہزار اسرائیلی مارے گئے۔اس مجرم کو بنی اسرائیل نے قتل کر کے صولی پر ٹانگ دیا تب یہ طاعون دور ہوا۔(معارف القرآن:۴/۱۲۰)

شیطان کے اثرات سے حفاظت کیسے ہو؟

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں کچھ امور بتلائے ہیں جن کو اختیار کر کے شیطانی اثرات سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

(۱) شیطان کے مکروفریب کو سمجھیں۔جب بندہ یہ سمجھتا ہے کہ شیطانی عمل ہے تو اس سے اس کا زور سست پڑ جاتا ہے۔جیسے چور کو جب معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب مکان بیدار ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔

(۲) شیطانی وسوسوں کو معمولی سمجھیں اور اس پر توجہ نہ دیں،جیسے بھونکنے والے کتے پر جب توجہ کروں گے تو وہ اور زیادہ بھونکے گا۔

(۳) اپنے قلب اور زبان دونوں کو ذکر الٰہی میں جاری رکھیں،اس سے شیطانی زور کمزور ہو جاتا ہے۔

(۴) قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کریں،خصوصاً وہ آیات اور وہ صورت جو شیطانی اثرات سے حفاظت کا سبب ہے۔ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تجعلوا بیوتکم مقابر ان الشیطان ینفر من بیت الذی یقرء فیه سورة البقرة

اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے شیطان وہاں سے راہ فرار اختیار کرتا ہے۔(مسلم ۱/۲۶۵ کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا،باب استحباب

صلوۃ النافلۃ فی بیتہ وجوازھا فی المســجد، رقــم الحــدیث: ۷۸۰، تفسیر عزیزی مــترجم: ۴/
(۵۸۸

اللہ رب العزت شیطانی اثرات، وساوس اور اس کے تمام ہتھکنڈوں سے ہم سب کی پوری پوری حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۱۹)

اخلاص کی
اہمیت وفوائد

تعارف

۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۱؍مئی ۲۰۲۱ء

بروز: سنیچر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ﴾ [الزمر: ۱۱]

تمہید

یہ سورۂ زمر کی ۱۱ نمبر کی آیت ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ آپ کہو کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں اللہ کی عبادت کو خالص اسی کے لیے کروں۔

اس آیت پاک سے اخلاص کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

اخلاص کے معنی

اخلاص کے علما نے مختلف مطلب بیان فرمائے ہیں۔

(۱) بعض کہتے ہیں کہ نیت،قول اور عمل کی صفائی کا نام اخلاص ہے۔(الکلیات للکفوی ؍ص: ۶۴)

(۲) امام مُناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ملاوٹ دل کی صفائی کو گدلا کردیتی ہے،اس دل کو صاف رکھنے کو اخلاص کہا جاتا ہے۔پس جس چیز میں ملاوٹ کا خیال آئے اس چیز کو اس ملاوٹ سے پاک کردیا جائے تو اس کو خالص کہا جاتا ہے۔(التوقیف علی مہمات التعاریف للمناوی ؍ص ۴۲)

(۳) بعض علما کی رائے یہ ہے کہ اخلاص ہر اس عمل کے کرنے کو کہتے ہیں جو انسان کی خلاصی

میں مدد دے۔(التوقیف علی مہمات التعاریف للمناوی/ص ۴۲)

(۴) علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ آپ اپنے عمل کے لیے اللہ کے سوا کوئی اور گواہ تلاش نہ کریں۔(التعریفات للجرجانی/ص:۲۸)

اخلاص کی حقیقت

ایک مثال سے اخلاص کی حقیقت سمجھیں۔قرآن کریم نے ایک شاندار مثال بیان کی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○﴾[النحل:۶۶]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک قدرت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ تمھیں جانوروں کے پیٹ سے صاف ستھرا دودھ نکال کر پلاتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جانور جو گھاس کھاتا ہے جب وہ اس کے معدے میں جمع ہو جاتا ہے تو معدہ اس کو پکاتا ہے معدے کے اس عمل سے غذا کا فضلہ نیچے بیٹھ جاتا ہے اوپر دودھ ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر خون پھر قدرت نے یہ کام جگر کے سپرد کیا ہے کہ ان تینوں قسموں کو الگ الگ ان کے مقامات میں تقسیم کر دیتا ہے خون کو الگ کر کے رگوں میں منتقل کر دیتا ہے اور دودھ کو الگ کر کے جانور کے تھنوں میں پہنچا دیتا ہے اور اب معدے میں صرف فضلہ باقی رہ جاتا ہے جو گوبر کی صورت میں نکلتا ہے۔

یہی اخلاص ہے کہ دو دو ناپاکیوں کے بیچ میں دودھ جیسی صاف ستھری چیز کو بنایا،لبن یعنی دودھ،جس میں ناپاکی کا ذرا سا بھی اثر نہیں آیا۔ٹھیک اسی طرح ہم ایسا صاف کام کریں

کہ ریاکاری اور دکھلاوے کی ناپاکی کا اس میں اثر نہ آئے اسی کا نام اخلاص ہے۔ (معارف القرآن: ۵/۵۳۹)

اخلاص کے متعلق چند آیات

قرآن کریم میں اخلاص کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشادات بھرے پڑے ہیں، نمونے کے طور پر چند آیتیں پیش کی جاتی ہے۔

(۱) سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء: ۱۴۶]

مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور درستی اختیار کی اور اللہ پر وثوق رکھا اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کیا یہی لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے، اور عنقریب اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اجر عظیم عطا کرے گا۔

(۲) سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ [الزمر: ۳]

یاد رکھو! عبادت خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔

(۳) سورۂ بینہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [البینہ: ۵]

ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر یہی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کریں کہ خالص اس کے

لیے ہو۔

اخلاص کے متعلق چند احادیث

اب ایک نظر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پر ڈالیں۔

(۱) بخاری شریف کی پہلی ہی روایت ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہی شمار ہوگی، اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہوئی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ (بخاری: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۱)

حدیث مذکور کا شانِ ورود

مشہور عالم دین علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت ام قیس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو ام قیس نے یہ شرط رکھی کہ اگر تم ہجرت کرلو تو تم سے نکاح کرلوں گی۔ چنانچہ انھوں نے نکاح کی خاطر ہجرت کی۔ ان کو مہاجر ام قیس سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطبے میں یہ حدیث سنائی۔ (کشف الباری: ۱/۲۴۹)

(۲) مسلم شریف کی روایت ہے جو حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخیر زندگی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر چند

سوالات کیے تھے۔ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ احسان کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو یہ خیال کرو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ (مسلم: کتاب الایمان / باب بیان الایمان و الاسلام و الاحسان / رقم الحدیث: ۸)

یہ تصوف کیا بلا ہے؟

ہمارے بزرگوں میں ایک صاحب گزرے ہیں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو رئیس الاحرار کہا جاتا تھا۔ یہ جو پنجاب کے موجودہ حبیب الرحمٰن ہیں وہ حبیب الرحمٰن ثانی کہلاتے ہیں۔ احرار تحریک کے وہ قائد تھے، دار العلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی تھی، حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب میرا کبھی دیوبند جانا ہوتا تو میں ان سے یہ کہتا تمھارے لیے دار العلوم کی روٹی حلال نہیں ہے، دار العلوم لیڈری کرنے کے لیے روٹیاں نہیں کھلاتا اور وہ مجھ سے کہتے تھے تمھارے جیسے لوگ زمین پر بوجھ ہیں، یعنی آپس میں چقمق بھی چلتی تھی اور مذاق بھی ہوتا تھا۔

خیر یہ جوانی کی بات ہوئی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی عالم ضرور تھے، لیکن سیاسی لیڈر بھی تھے اور علما سے اور خاص طور سے مشایخ سے عقیدت مندانہ تعلق نہیں تھا اور تصوف اور سلوک کو وہ ایک بے کار سی چیز سمجھتے تھے، لیکن اس کے باوجود شیخ المشایخ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو تعلق تھا۔ رائے پور سہارنپور سے قریب پڑتا ہے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کبھی پنجاب سے آتے اور ان کو رائے پور جانا

ہوتا تو مجبوراً حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رکتے، اور مجبوری یہ تھی کہ جب یہ رائے پور حاضر ہوتے تو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پوچھتے تھے کہ شیخ سے مل کر آئے ہو؟ اگر ہاں میں جواب ملتا تو حضرت اپنے قریب بلاتے خیریت پوچھتے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خیریت پوچھتے، کیوں کہ حضرت سے غایت درجہ کا تعلق تھا اور اگر یہ کہتے کہ نہیں، تو خاص التفات نہیں ہوتا تھا، اس لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ شیخ سے ملاقات کر کے جانا ان کی اپنی ضرورت نہیں تھی۔

دوسری طرف حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اوقات کا انتہا سے زیادہ انضباط تھا۔ جن اوقات میں جن اعمال کا معمول تھا ان میں کوئی خلل برداشت نہیں کرتے تھے مطالعے اور تصنیف وتالیف کے اوقات میں کسی سے بھی ملاقات ان کو انتہائی گراں ہوتی تھی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن کچے مکان میں اپنے مطالعے کے کمرے میں بیٹھے ہوئے کتاب دیکھ رہے تھے یا کوئی تحریر فرما رہے تھے اتنے میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ پہونچ گئے، دندناتے ہوئے زینہ چلتے ہوئے سیدھا اوپر پہونچ گئے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو محسوس ہوا کہ کوئی آرہا ہے تو جلدی سے وہ اپنے حجرے سے باہر نکل آئے کہ کہیں اندر آ کے بیٹھ نہ جائیں، میرا وقت ضائع نہ کریں۔ انھوں نے سلام کیا مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا رائے پور جا رہا ہوں، ایک سوال چھوڑ کے جاتا ہوں غور کر لینا، واپسی پر جواب دینا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرمایئے کیا ہے؟ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سوال یہ ہے کہ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاتھ کے ہاتھ جواب لیتے جاؤ تصوف تصحیح نیت کا نام ہے۔ السلام علیکم کہہ کر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ روانہ ہو گئے اور رائے پور چلے گئے وہاں سے لوٹ کر آئے اور اس کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے وہ ملاقات کا وقت تھا۔

کہنے لگے کہ میں پنجاب سے چلا تھا لدھیانہ سے تو میں اپنے ذہن میں یہ سوال لے کر آیا تھا اور میں نے پورا مناظرہ تیار کر رکھا تھا کہ میں کہوں گا کہ تصوف کیا بلا ہے؟ آپ یہ جواب دیں گے تو میں یوں جواب دوں گا اور پھر آپ یوں کہیں گے تو میں یوں کہوں گا۔ آپ نے تو ایسی بات فرمادی کہ مجھے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں رہا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جی ہاں! میں نے صحیح کہا تصوف تصحیح نیت کا نام ہے اس کی ابتدا

انما الاعمال بالنیات

سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا

أن تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك

پر ہوتی ہے۔ اب جتنی آپ چاہیں اس کی تفسیر کر لیں سب سے پہلا محل یہی ہے کہ آدمی اپنی نیت کو درست کر لیں۔ (آپ بیتی: ۵۶/۱)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ وحدہ لاشریک کے لیے کامل اخلاص پر اور بلاشرک اس کی عبادت پر، نماز قائم کرنے پر اور زکوۃ دینے پر ہمیشہ عمل پیرا رہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگا اس کی موت اس حال میں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا۔ (ابن ماجہ: مقدمہ/باب فی الایمان/رقم الحدیث: ۷۰)

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ اگر کوئی شخص لالچ اور طمع کی خاطر یا ناموری کے لیے جہاد کرے تو اسے کیا ملے گا؟ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسے کوئی ثواب نہیں ملے

گا۔ بعدازاں اس شخص نے یہی سوال تین دفعہ کیا اور حضور نبیٔ اکرم ﷺ نے یہی جواب عنایت فرمایا کہ اسے کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ بعدازاں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو اور اسے کرنے سے محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو۔ (نسائی: کتاب الجہاد/من غزا یلتمس الاجر و الذکر/رقم الحدیث: ۳۱۴۰)

(۵) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا گیا تو انھوں نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دین میں اخلاص پیدا کر، تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔ (الترغیب و الترھیب: ۱/۲۲)

(۶) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اخلاص سے کام کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہے۔ یہ لوگ چراغِ ہدایت ہیں، ان کے ذریعے ہر سیاہ فتنہ چھٹ جاتا ہے۔ (الترغیب و الترھیب: ۱/۲۳)

(۷) ایک روایت میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی کمزوروں سے، ان کی دعا اور اخلاص سے مدد فرمائی ہے۔ (نسائی: کتاب الجہاد/الاستنصار بالضعیف/رقم الحدیث: ۳۱۷۸)

اخلاص کے متعلق اقوالِ سلف

(۱) حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ بندے کی ہر حرکت و سکون اللہ کے لیے ہو۔ (احیاء العلوم مترجم: ۴/۵۷۱)

(۲) حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ کون سی چیز نفس پر گراں ہے؟ تو آپ

نے فرمایا کہ اخلاص، کیونکہ نفس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔(احیاء العلوم مترجم: ۴/۱۷۵)

(۳) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگوں کی خاطر عمل ترک کر دینا ریا ہے، اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھیں۔(احیاء العلوم مترجم: ۴/۱۷۵)

(۴) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین چیزیں اِخلاص کی علامات میں سے ہیں۔ اول: تعریف و مذمت کا برابر ہو جانا (یعنی بندہ تعریف سے نہ پھولے اور نہ مذمت سے پریشان ہو) دوم: اپنے اعمال میں (کثرتِ) اعمال کی طرف دھیان نہ کریں (ورنہ نفس میں رعونت کا خطرہ ہے) سوم: اپنے اعمال کے اجر و ثواب کو (دنیا کی بجائے) آخرت میں چاہے۔(الرسالۃ القشیریۃ: ۱/۱۸۵)

(۵) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اخلاص وہ عمل ہے جو انسان کو دشمن (یعنی نفس یا شیطان) سے بچائے، کہ وہ اسے خراب نہ کر دے۔

(۶) حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے اپنے باطن کو خوفِ خدا اور اخلاص کے ساتھ درست کیا اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور سنت کی پیروی کے ساتھ زینت بخشتا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ للشعرانی: ۱/۶۴)

(۷) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیت صدق ہو۔(احیاء العلوم مترجم: ۴/۱۷۵)

(۸) حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلص وہ ہوتا ہے کہ جو دنیا اور آخرت کسی کی امید نہ رکھیں۔(الرسالۃ القشیریۃ: ۱/۱۸۶)

(۹) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص عمل کو گندگی سے پاک رکھنے کا نام ہے۔

(احیاء العلوم مترجم: ۴/۵۷۱)

(۱۰) حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھار اپنے آپ کو پیٹتے تھے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتے تھے کہ اخلاص کرتا کہ تو نجات پائے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۴/۵۱۵)

(۱۱) شیخ یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تو اپنے عمل میں اخلاص پائے تو سمجھ لے کہ اس اخلاص کو مزید اخلاص کی ضرورت ہے۔ (الرسالة القشيرية: ۱/۱۸۵)

(۱۲) حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا پر ایک مرتبہ وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔۔ ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر نکلی۔ کسی نے کہا خیر تو ہے؟ یہ آگ پانی کا کھیل کیسا؟ فرمایا آگ سے جنت کو جلا دوں گی اور پانی سے جہنم کی آگ کو بجھا دوں گی، نہ جنت رہے نہ جہنم رہے، خدا کی عبادت خدا کے لیے رہے۔

اخلاص کی علامات

علما نے اخلاص کی کچھ علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) عمل میں استقامت۔ جب کوئی بندہ پابندی سے کسی عمل کو انجام دینے لگے تو یہ اخلاص کی علامت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عبادت پہلے ریا ہوتی ہے، پھر عادت ہوتی ہے، پھر عبادت ہوتی ہے۔

(۲) اپنے عمل کو چھپانا۔ اخلاص کی یہ ایک علامت ہے کہ آدمی بڑا کارنامہ انجام دے مگر اس کو ظاہر نہ کرے، بلکہ چھپائے۔

صاحب اصول الشاشی رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاص

مدارس اسلامیہ میں ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے''اصول الشاشی''۔اس کتاب کے مصنف کا اخلاص اتنا اونچا تھا کہ انھوں نے کتاب پر اپنا نام ہی نہیں لکھا۔آج ہم چھوٹا سا کام کرتے ہیں مگر پہلے اپنا نام درج کرتے ہیں۔(ظفرالمحصلین ،ص:۱۷۳)

ایک سبق آموز واقعہ

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ خلیفہ عبدالملک کے بیٹے شہزادہ مسلمہ بن عبدالملک نے جہاد کے دوران دشمنوں کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا۔مسلمانوں کو قلعے کی دیوار میں ایک جگہ اتنا بڑا سوراخ نظر آیا۔جس سے ایک شخص داخل ہوسکتا تھا۔لوگوں نے اس سوراخ کی طرف دیکھا،ایک دوسرے کو توجہ دلائی۔انھیں اندر کے حالات کی کوئی خبر نہیں تھی۔اس سوراخ کے پاس کتنے لوگ موجود ہیں۔آیا اس شخص کو سوراخ سے نکلنے اور لڑنے کا موقع بھی مل پائے گا یا نہیں۔یہ سیدھی سیدھی موت کو گلے لگانے والی بات تھی۔لوگ ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ سب سے پہلے کون اس کے ذریعے قلعے کے اندر جائے۔

اسلامی لشکر میں سے ایک غیر معروف شخص سامنے آیا اور کہا کہ میں جاتا ہوں۔یہ کہہ کر وہ اس سوراخ کے ذریعے قلعے کے اندر چلا گیا اور صورتحال کو سنبھال لیا اور اس کے بعد اور بھی بہت سے لوگ اس کے ذریعے قلعے میں داخل ہوئے اور مسلمانوں نے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔

فتح کے بعد مسلمہ بن عبدالملک نے اعلان کیا کہ''صاحب نقب''یعنی سوراخ کے ذریعے سب سے پہلے اندر جانے والا شخص میرے پاس آئے،لیکن کوئی نہ آیا۔اس نے دوبارہ

سہ بارہ یہ اعلان کروایا اور قسم دی۔ پھر اعلان کرنے والے کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ سپہ سالار سے میرے لیے ملاقات کی اجازت حاصل کرو۔ اعلان کرنے والے نے پوچھا کہ کیا آپ ''صاحب نقب'' ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس کے بارے میں جانتا ہوں۔ اعلان کرنے والے نے مسلمہ کو بتایا۔ مسلمہ نے فوراً اجازت دے دی۔ اس شخص نے مسلمہ سے کہا کہ ''صاحب نقب'' کی اپنے بارے میں کچھ بتانے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ مسلمہ نے کہا کہ اس نے ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ہم اس کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہیں۔ اس نے کہا کہ پہلی شرط یہ ہے کہ خلیفہ کو اس کا نام لکھ کر نہ بھیجا جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اسے کسی انعام کی پیشکش نہ کی جائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے اس کا نام نہ پوچھا جائے اور نہ یہ پوچھا جائے کہ اس کا تعلق کس قبیلے سے ہے۔ مسلمہ نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں ہی وہ شخص ہوں۔ مسلمہ اس واقعے کے بعد جب بھی نماز پڑھتے تو یہ دعا ضرور کرتے یا الٰہی! مجھے آخرت میں ''صاحب نقب'' کا ساتھ نصیب فرما۔ (حکیمانہ اقوال، نصائح و واقعات/ص: ۷۴، ۷۵)

(۳) اخلاص کی ایک علامت یہ ہے مخلوق کے سامنے شکوے سے پرہیز کیا جائے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا ایک شخص کو دیکھا کہ سر پر پٹی باندھی ہے۔ پوچھا یہ کیا؟ کہا کہ سر میں درد ہے۔ فرمایا کہ شکوے کی پٹی باندھ لی، کبھی شکر کی پٹی باندھی؟

(۴) اخلاص کی ایک علامت یہ ہے کہ ثواب کی امید فقط اللہ سے رکھی جائے۔

اخلاص کے فوائد

اخلاص کے بہت سے فوائد ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

(۱) حل مشکلات: یعنی اللہ تعالیٰ مشکلات کو آسان فرما دیتے ہیں۔

ایک واقعہ

حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ ملتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمی چل رہے تھے کہ انھیں بارش نے گھیر لیا۔ انھوں نے پہاڑ میں ایک غار کی طرف پناہ لی، ان کے غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک پتھر آ کر گر گیا، جس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو جو خالص اللہ کی رضا کے لیے کیے ہوں اور اس کے ذریعے اللہ سے دعا مانگو، شاید اللہ تم سے اس مصیبت کو ٹال دیں۔

تو ان میں سے ایک نے عرض کیا اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میری بیوی بھی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ میں (جنگل میں مویشی) چرایا کرتا تھا، جب میں ان کے پاس شام کو واپس آتا تو دودھ نکالتا اور اپنے والدین سے ابتدا کرتا اور انھیں اپنے بچوں سے قبل پلاتا۔ ایک دن جنگل کے دور ہونے کی وجہ سے مجھے تاخیر ہو گئی اور میں رات کو آیا تو میں نے اپنے والدین کو سویا ہوا پایا۔ میں نے پہلے کی طرح دودھ دوہا اور دودھ کا برتن لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ میں انھیں ان کی نیند سے اٹھانا ناپسند کرتا تھا اور مجھے ان سے پہلے اپنے بچوں کو پلانا بھی پسند نہ تھا اور بچے میرے قدموں کے پاس چلا رہے تھے، مگر میں نے انھیں دودھ نہیں دیا اور صبح ہونے تک میرا (اور میرے بچوں اور والدین) کا معاملہ یونہی رہا۔ پس تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا، تو ہمارے لیے کچھ کشادگی فرما دیں جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ پس اللہ نے ان کی لیے اتنی

کشادگی فرمادی کہ انھوں نے آسمان دیکھا۔

دوسرے نے عرض کیا اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی، جس سے میں محبت کرتا تھا جس طرح مردوں کو عورتوں سے سخت محبت ہوتی ہے۔ میں نے اس سے اس کی ذات کو طلب کیا یعنی بدکاری کا اظہار کیا تو اس نے ایک سو دینار لانے تک انکار کر دیا۔ میں نے بڑی محنت کر کے سو دینار جمع کیے اور اس کے پاس لایا۔ پس جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کو اس کے حق (نکاح) کے بغیر نہ کھول۔ میں اس سے کھڑا ہو گیا یا اللہ تجھے یقیناً علم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے، پس ہمارے لیے اس غار سے کچھ کشادگی فرمادیں۔ پس ان کے لیے (ذرا اور) کھول دیا گیا۔

تیسرے نے عرض کیا اے اللہ میں نے ایک مزدور کو فرق چاول مزدوری پر رکھا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو کہا میرا حق مجھے دے دو۔ میں نے اسے فرق دینا چاہا تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا۔ پس میں اس کے پیچھے زراعت کرتا رہا، یہاں تک کہ اس سے گائے اور ان کے چرواہے میرے پاس جمع ہو گئے۔ پس وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا اللہ سے ڈر اور میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کر میں نے کہا وہ گائیں اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔ اس نے کہا اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا، وہ بیل اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔ اس نے انھیں لیا اور چلا گیا۔ اگر تیرے علم میں (اے اللہ!) میرا یہ عمل تیری رضامندی کے لیے تھا تو ہمارے لیے باقی راستہ بھی کھول دیں، تو اللہ نے باقی راستہ بھی کھول دیا۔ (بخاری: کتاب الحرث والمزارعۃ/باب اذا زرع بمال قوم بغیر اذنہم/رقم

الحدیث: ۲۳۳۳)

(۲) رفع درجات: یعنی اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

(۳) فتنوں سے نجات: سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے اپنی جانب مائل کرنے کی پوری کوشش کی مگر حضرت یوسف علیہ السلام اس کے فتنے سے محفوظ رہے۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو بیان کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۝﴾ [یوسف: ۲۴]

کہ وہ تو ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ اخلاص کی وجہ سے فتنوں سے نجات ملتی ہے۔

(۴) گناہوں کی معافی۔ اخلاص کی وجہ سے بندوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے ناوے لوگوں کو قتل کیا تھا، پھر ایک راہب کو قتل کر کے سو کا عدد پورا کیا، پھر اخلاص کے ساتھ توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

اسی طرح کتے کو پانی پلانے پر ایک فاحشہ عورت کی مغفرت کردی گئی، کیوں کہ اس کا وہ عمل اخلاص سے بھرا ہوا تھا۔

(۵) عطا حکمت: یعنی اخلاص کی وجہ سے بندے کو حکمت نصیب ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس روز تک اخلاص کے ساتھ عبادت کرتا ہے تو اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری کردیے جاتے ہیں۔

(٦) اللہ کی محبوبیت: یعنی اخلاص کی وجہ سے بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں تشریف لے

گئےتو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر روتا ہوا پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ (کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی رلا رہی ہے یا کسی آفت ومصیبت کے پیش آجانے کی وجہ سے رو رہے ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سبب نے تمھیں رونے پر مجبور کر دیا ہے؟) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات کی یاد نے رلا دیا ہے جس کو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔ (نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ) جس شخص نے اللہ کے دوست سے دشمنی اختیار کی (یعنی اولیاء اللہ کو اپنے کسی قول وفعل کے ساتھ ناحق تکلیف پہنچائی یا ان کو غصہ دلایا) تو اس نے گویا اللہ سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھ جنگ کی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں، پرہیزگاروں اور گمناموں کو دوست رکھتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں (جن کی ظاہری حالت تو اتنی خستہ اور عام نگاہوں میں اس قدر ناقابل توجہ ہوتی ہے) کہ جب وہ نظروں سے غائب ہوں تو ان کو پوچھا نہ جائیں اور جب موجود ہوں تو ان کو کسی دعوت ومجلس میں بلایا نہ جائیں۔ اور اگر وہ بلائے بھی جائیں تو پاس نہ بٹھائے جائیں۔ (لیکن باطنی وروحانی طور پر ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے) ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں (جن کے نور سے راہ راست پائی جاتی ہے) اور یہ لوگ ہر تاریک زمین سے نکل کر آتے ہیں۔ (ابن ماجہ: کتاب الفتن / باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن / رقم الحدیث: ۳۹۸۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو خفیہ طور پر عمل کرنے والے پسند ہیں، یعنی جن کے عمل میں اخلاص ہو۔

(۷) اعمال پر زیادہ اجر: اخلاص کی وجہ سے بندے کو اعمال پر زیادہ اجر ملتا ہے۔ حضرت ابو

سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو، اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد غلے کے برابر نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔ اس لیے کہ ان کے یہاں اخلاص کامل کے ساتھ عمل پیوستہ ہے۔ (بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / رق الحدیث: ۳۶۷۳)

(۸) اعمال میں وزن: اخلاص کی وجہ سے بندے کا عمل قیامت کے دن وزنی ہوجائے گا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حسن انتخاب

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بخاری شریف کی ابتدا میں نیت والی روایت پیش کی اور اختتام پر وزن والی روایت پیش کی ہے۔ یہ دراصل حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حسن انتخاب ہے کہ اس میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر تم نیت کو درست کرلو گے تو تمھارے اعمال میں خودبخود وزن پیدا ہوجائے گا۔

حضرت داود علیہ السلام بے ہوش ہوگئے

تفسیر بغوی میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ رب العزت درخواست کی کہ مجھے میزان عمل بتائی جائے۔ ان کی درخواست پر اللہ رب العزت نے ان کو جزائے عمل بتائی جس کا پلڑا مشرق ومغرب کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام تو اس منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہوگئے۔ جب افاقہ ہوا تو عرض کیا کہ پروردگار! اس کو کون پر کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جب میں کسی بندے سے راضی ہوجاؤں گا تو ایک کھجور کے ذریعے ہی اس کو پر کر دوں گا۔ معلوم ہوا کہ اخلاص کے ساتھ کیا ہوا عمل ترازو کو بھر دیتا ہے۔ (تفسیر بغوی مترجم: ۴/ص

(۱۰۴:

اخلاص ضائع کرنے والی چیزیں

تین چیزیں اخلاص کو ضائع کر دیتی ہے۔

(۱) دنیا کا نفع چاہنا، مثلاً لوگ مجھے بزرگ سمجھیں۔

(۲) اپنی تعریف چاہنا، مثلاً لوگ کہے کہ کتنی اچھی نماز پڑھتا ہے یا لوگ کہے کہ کتنی اچھی قرأت کرتا ہے۔

(۳) اپنی برتری چاہنا۔ مثلاً یوں سمجھنا کہ مجھ سے اچھا عمل کرنے والا تو کوئی نہیں ہے۔

تین خسارہ پانے والے

عقبہ بن مسلم سے شفیا اصبحی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ مدینہ میں داخل ہوئے، اچانک ایک آدمی کو دیکھا جس کے پاس کچھ لوگ جمع تھے، انھوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواباً عرض کیا کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ شفیا اصبحی کا بیان ہے کہ میں ان کے قریب ہوا یہاں تک کہ ان کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب وہ حدیث بیان کر چکے اور تنہا رہ گئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے اللہ کا بار بار واسطہ دے کر پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھ سے ایسی حدیث بیان کیجیے جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو اور اسے اچھی طرح جانا اور سمجھا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، یقیناً میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جسے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا ہے اور میں نے اسے اچھی طرح جانا اور سمجھا ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے زور کی چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ یقیناً میں تم سے وہ

حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اسی گھر میں بیان کیا تھا جہاں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ پھر دوبارہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے، پھر جب افاقہ ہوا تو اپنے چہرے کو پونچھا اور فرمایا کہ ضرور میں تم سے وہ حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا ہے اور اس گھر میں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے زور کی چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے، اپنے چہرے کو پونچھا اور پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ ضرور میں تم سے وہ حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا ہے اور اس گھر میں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے زور کی چیخ ماری اور بیہوش ہو کر منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ میں نے بڑی دیر تک انھیں اپنا سہارا دیے رکھا۔

پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ قیامت کے دن جب ہر امت گھٹنوں کے بل پڑی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کے لیے نزول فرمائے گا، پھر اس وقت فیصلے کے لیے سب سے پہلے ایسے شخص کو بلایا جائے گا جو قرآن کا حافظ ہوگا، دوسرا شہید ہوگا اور تیسرا مالدار ہوگا، اللہ تعالیٰ حافظ قرآن سے کہے گا کہ کیا میں نے تجھے اپنے رسول پر نازل کردہ کتاب کی تعلیم نہیں دی تھی؟ وہ کہے گا کہ یقیناً اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو علم تجھے سکھایا گیا اس کے مطابق تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں اس قرآن کے ذریعے رات و دن تیری عبادت کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا اور فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تو نے جھوٹ کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ (قرآن سیکھنے سے) تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھے قاری کہے، سو تجھے کہا گیا۔

پھر صاحب مال کو پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا میں نے تجھے ہر چیز کی وسعت نہ دے رکھی تھی، یہاں تک کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھا؟ وہ عرض کرے گا کہ یقیناً میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تجھے جو چیزیں دی تھیں اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقہ وخیرات کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا اور فرشتے بھی اسے جھٹلائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بلکہ تم یہ چاہتے تھے کہ تمھیں سخی کہا جائے، سو تمھیں سخی کہا گیا۔

اس کے بعد شہید کو پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تجھے کس لیے قتل کیا گیا؟ وہ عرض کرے گا کہ مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم دیا گیا چنانچہ میں نے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کہ تو نے جھوٹ کہا، فرشتے بھی اسے جھٹلائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرا مقصد یہ تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے، سو تجھے کہا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے زانو پر اپنا ہاتھ مار کر فرمایا کہ ابوہریرہ! یہی وہ پہلے تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ (ترمذی: ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ / رقم الحدیث: ۲۳۸۲)

اللہ حفاظت فرمائیں، اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ ان تینوں کا عمل اخلاص سے خالی اور ریاکاری پر مبنی تھا، حق تعالیٰ نے انھیں جہنم کا ایندھن بنا دیا۔

اخلاص کیسے پیدا ہوگا؟

اخلاص پیدا کرنے کے لیے تین باتوں کا خیال رکھیں۔

(۱) تصحیح نیت: اخلاص پیدا کرنے کے لیے پہلا کام ہے نیت کو درست کرنا۔ نیت کے اندر بڑی

تاثیر ہے۔نیت پارس پتھر کی طرح ہے۔ پارس ایک پتھر ہوتا ہے جو لوہا یا تانبے پر پھیر دو تو اسے بھی سونا بنادیتا ہے۔اسی طرح نیت بھی پارس پتھر کی طرح ہے جو ہمارے طبعی اور عادات کے کام کو عبادات میں تبدیل کردیتا ہے۔

(۲) صحبت صالحین: اخلاص پیدا کرنے کا دوسرا راستہ ہے اخلاص والوں کی صحبت۔اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔اسی طرح اخلاص والوں کی صحبت میں رہ کر اپنے اندر بھی اخلاص پیدا کیا جاسکتا ہے۔

(۳) اللہ سے مانگنا۔اخلاص پیدا کرنے کا تیسرا راستہ ہے اللہ تعالیٰ سے اخلاص طلب کرنا۔ جب بندہ صدق دل سے اخلاص طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے یہ دولت عطا فرمائے گا۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی اخلاص کامل نصیب فرمائیں اور اس کے ثمرات سے مالا مال فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم

مضمون: (۲۰)

استقامت کی

اہمیت وفوائد

تعارف

۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۲؍مئی ۲۰۲۱ء

بروز: اتوار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ○
نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ○
نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ○﴾ [فصلت: ۳۰،۳۱،۳۲]

تمہید

یہ سورۂ فصلت یعنی سورۂ حم سجدہ کی ۳۰،۳۱ اور ۳۲ نمبر کی تین آیتیں ہیں۔ ان آیتوں میں استقامت کے فائدوں کو بیان کیا گیا ہے۔

استقامت کا مطلب

عربی لغت میں استقامت چال چلن کی درستی اور اخلاق کی عمدگی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ عرب لوگ کسی انسان کے بارے میں جب اس کی چال چلن میں اعتدال آجائے اور اس کے اخلاق عمدہ اور بہترین ہو جائیں تو ''استقام فلان'' کہتے ہیں، یعنی فلاں شخص درست ہو گیا۔

شریعت کی نظر میں عہدِ توبہ پر ثابت قدم، راہِ عدل پر مسلسل گامزن اور توحید کے پرچم تلے صراطِ مستقیم پر رواں دواں رہنے کو استقامت کہا جاتا ہے۔

استقامت کی حقیقت

استقامت کی حقیقت اقرار کے بعد قرار پکڑنا ہے نہ کہ اقرار کے بعد فرار اختیار کرنا ہے۔

استقامت کی تفسیر

استقامت ایک چھوٹا سا لفظ ہے، مگر پوری شریعت کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اسی لیے مختلف حضرات سے اس کی مختلف تفسیریں نقل کی گئی ہیں۔

(۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ ایمان و توحید پر قائم رہے اس کو چھوڑے نہیں۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام، اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو، اس سے اِدھر اُدھر راہ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو۔

(۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے استقامت کی تفسیر اخلاص عمل سے فرمائی ہے۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے استقامت کی تعریف ادائے فرائض سے فرمائی ہیں۔

(۵) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا استقامت یہ ہے کہ تمام اعمال میں اللہ کی اطاعت کرو اور اس کی معصیت سے اجتناب کرو۔

(۶) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے استقامت کی یہ تفسیر بیان کی کہ مرتے دم تک لا الٰہ الا اللہ کی شہادت پر قائم رہا جائے۔

(۷) حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے استقامت کی تفسیر یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت پر قائم

رہے۔(معارف القرآن:۷/۶۵۰۔۶۵۱)

ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ استقامت ایک مختصر اور جامع لفظ ہے۔ یہ سارے اقوال اور مطالب اس مختصر لفظ کے اندر آ گئے۔

دنیا میں سب سے دشوار کام

اس دنیا میں سب سے زیادہ دشوار کام استقامت ہی ہے اسی لیے محققین صوفیا نے فرمایا ہیں کہ استقامت کا مقام کرامت سے بالاتر ہے، یعنی جو شخص دین کے کاموں میں استقامت اختیار کیے ہوئے ہے، اگر چہ عمر بھر اس سے کوئی کرامت صادر نہ ہو، وہ اعلیٰ درجے کا ولی ہے۔

ایک شخص حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا۔ چار پانچ مہینے کے بعد جب جانے لگا تو کہا کہ حضرت! میں تو اس لیے آیا تھا کہ آپ کی کوئی کرامت دیکھوں، مگر مجھے کوئی کرامت نظر نہیں آئی۔ حضرت نے فرمایا اچھا! یہ بتاؤ کہ اس دوران تم نے میرا کوئی کام خلاف سنت دیکھا؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا اور کیا کرامت چاہتے ہو؟ یعنی سب سے بڑی کرامت ہی یہ ہے کہ آدمی استقامت کے ساتھ سنتوں پر عامل رہے۔(محمود المواعظ:۲/۲۶۰)

اسی لیے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتے دم تک استقامت پر قائم رہنا پل صراط پر چلنے سے زیادہ دشوار ہے۔

شرائط استقامت

استقامت کے شرائط اقوال میں غیبت کو چھوڑنا افعال میں بدعت کو چھوڑنا اور احوال

میں شریعت کی حدود سے نکلنے کو چھوڑ نا ہیں۔

اقسامِ استقامت

استقامت کی تین قسمیں ہیں

(۱) عوام کی استقامت۔ عوام کی استقامت ظاہر میں اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب ہے۔ باطن میں ایمان اور تصدیق پر ہمیشہ کاربند رہنا ہے۔

(۲) خواص کی استقامت۔ خواص کی استقامت ظاہر میں دنیوی لذات، شہوات اور تزئینات کا ترک ہے۔ باطن میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق اور معرفت کی تلاش میں جنت کی نعمتوں کا خیال بھی چھوڑ دینا ہے۔

(۳) اخص الخواص کی استقامت۔ اخص الخواص کی استقامت ظاہر میں تمام حقوق، حدود اور احکام کی پاسداری ہے۔ باطن میں فنا کے گھاٹ اتر کر توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی سے مشرف ہونا ہے۔

قرآن کریم کی ایک دشوار آیت

سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ [هود: ۱۱۲]

آپ استقامت اختیار کیجیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پورے قرآن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت اور شاق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اور فرمایا کہ جب صحابہ کرام نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحیہ مبارک میں کچھ سفید بال دیکھ کر

بطور حسرت وافسوس کے عرض کیا کہ اب تیزی سے بڑھاپا آپ کی طرف آرہا ہے تو فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کردیا، سورۂ ہود میں جو پچھلی قوموں پر سخت وشدید عذاب کے واقعات مذکور ہیں وہ بھی اس کا سبب ہو سکتے ہیں مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ہی اس کا سبب ہے۔(معارف القرآن: ۴/ ۶۷۱)

شیخ ابوعلی سری رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

تفسیر قرطبی میں ابوعلی سری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو عرض کیا کہ کیا آپ نے ایسا فرمایا ہے کہ مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا؟ آپ نے فرمایا ہاں! انھوں نے پھر دریافت کیا کہ اس سورت میں جو انبیا علیہم السلام کے واقعات اور ان کی قوموں کے عذاب کا ذکر ہے اس نے آپ کو بوڑھا کیا؟ تو فرمایا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس رشاد نے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ [هود: ۱۱۲]

آپ استقامت اختیار کیجیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا۔(معارف القرآن: ۴/ ۶۷۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت دشوار کیوں ہوئی؟

حضرات مفسرین نے اس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو انسان کامل کی مثالی صورت بن کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور فطری طور پر استقامت آپ کی عادت تھی مگر پھر اس قدر بار یا تو اس لیے محسوس فرمایا کہ آیت میں مطلق استقامت کا حکم نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ امر الٰہی کے مطابق استقامت ہونا چاہیے، انبیا علیہم السلام پر جس قدر خوف وخشیت الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے،

اس خشیت ہی کا یہ اثر تھا کہ باوجود کامل استقامت کے یہ فکر لگ گئی کہ اللہ جل شانہ کو جیسی استقامت مطلوب ہے وہ پوری ہوئی یا نہیں۔

(۲) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو اپنی استقامت کی تو زیادہ فکر نہ تھی کیونکہ وہ بحمداللہ حاصل تھی مگر اس آیت میں پوری امت کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے، امت کا استقامت پر قائم رہنا دشوار دیکھ کر یہ فکر وغم طاری ہوا۔ (معارف القرآن: ۴/ ۶۷۲)

ایک صحابی کو جامع نصیحت

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے معاملے میں کوئی ایسی جامع بات بتلا دیجیے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

قل امنت باللّٰہ ثم استقم

یعنی تم کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر استقامت رکھو۔ (مسند احمد: حدیث سفیان بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۱۵۴۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جامع نصیحت

عثمان بن حاضر ازدی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجیے، آپ نے فرمایا:

علیک بتقوی اللّٰہ والاستقامۃ اتبع ولا تبتدع

یعنی تم تقوی اور خوف خدا کو لازم پکڑو اور استقامت کو بھی، جس کا طریقہ یہ ہے کہ دین کے معاملے میں شریعت کا اتباع کرو، اپنی طرف سے کوئی بدعت ایجاد نہ کرو۔ (دارمی:

مقدمہ/باب من ھاب الفتیا و کرہ التنطع التبدع/رقم الحدیث: ۱۴۱)

استقامت کے مواقع

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ استقامت کہاں کہاں اپنانی چاہیے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے پانچ شعبے ہیں، ان تمام میں اور ان کے علاوہ میں استقامت ہونی چاہیے۔

پہلا موقع

سب سے پہلے اپنے ایمان اور عقائد پر جمنا اور اس پر استقامت رکھنا۔ جب اس کا ذکر کیا آتا ہے تو حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا وغیرہم پر ایمان کی وجہ سے آنے والی آزمائش اور ان پر ان کی استقامت کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے؟ نمونے کے طور پر دو واقعے پیش کرتا ہوں۔

استقامت کا عجیب واقعہ

فرعون کے زمانے میں فرعون کا ایک خادم تھا۔ اس خادم کی بیوی فرعون کی لڑکی کی کنگھی کرنے والی تھی۔ بناؤ سنگھار کرنے والی تھی۔ ایک روز کنگھی کرنے والی (مشاطہ) کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی، یہ مومنہ تھی، ایمان رکھنے والی تھی مگر فرعون کے خوف سے اپنا ایمان مخفی رکھا تھا۔ اس نے وہ کنگھی بسم اللہ پڑھ کر اٹھالی، فرعون کی بیٹی نے کہا کہ میرے باپ کے علاوہ تیرا اور کوئی رب ہے؟ اس نے کہا میرا رب اور تیرے باپ کا رب اور آسمانوں و زمینوں کا رب ایک ہی خدا ہے۔ وہی سب کا مالک و خالق ہے۔

فرعون کی بیٹی کو بڑا تعجب ہوا، وہ روتی ہوئی اپنے باپ کے پاس پہونچی، فرعون نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے پورا واقعہ بیان کیا کہ وہ مشاطہ کہتی ہے کہ میرا رب اور تیرے باپ کا رب اور آسمانوں وزمینوں کا رب ایک ہی خدا ہے۔ فرعون نے اس کو بلایا اور پوچھا تو اس نے صاف صاف بتلا دیا کہ میرا رب اور تیرا رب اور آسمانوں وزمینوں کا رب ایک ہی خدا ہے۔ میں تجھے خدا نہیں مانتی۔ فرعون نے ڈرایا کہ دیکھ تیری دو لڑکیاں ہیں، تیرے سامنے انھیں ذبح کردوں گا۔ اس نے کہا اگر تمام روئے زمین کے انسانوں کو بھی ذبح کر دیا جائے تب بھی میں اپنے ایمان کو چھوڑنے والی نہیں ہوں۔

فرعون نے بڑی لڑکی کو بلایا اور اسے زمین پر چت لٹا دیا اور جلادوں کو حکم دیا تو اسے ذبح کر دیا گیا۔ ماں اپنے سامنے اس منظر کو دیکھ رہی ہے کہ اس کی بڑی لڑکی محض اس بنیاد پر کہ وہ فرعون کو اپنا رب نہیں مانتی اپنے سامنے ہی ذبح کر دی گئی۔ اب چھوٹی لڑکی کا نمبر آیا، اسے بھی لٹا دیا گیا اور جلادوں کو حکم دیا تو اس کا بھی سر بدن سے الگ کر دیا گیا۔ اب تیسرا نمبر خود ماں کا تھا، جب اسے بھی لٹایا گیا تو ماں کچھ گھبرائی، تو وہ چھوٹی لڑکی جس کا سر جدا ہو چکا تھا وہ بول پڑی اے ماں! گھبرانے کی ضرورت نہیں، اے ماں! صبر کرنا اللہ نے مخصوص گھر بنایا ہے جنت میں۔ اس کے کہنے کی وجہ سے ماں کو بھی صبر آ گیا۔ چنانچہ وہ راہ خدا میں شہید کر دی گئی۔

فرعون بڑا خوش تھا، گھر آ کر اپنی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنایا، اب تک انھوں نے بھی اپنا ایمان مخفی رکھا تھا، مگر اس واقعے کے بعد انھوں نے بھی اپنا ایمان ظاہر کر دیا۔ فرعون سے کہا کہ تم نے ناحق ان تینوں کو قتل کر دیا۔ فرعون نے کہا مجھے معلوم ہوتا ہے جو جنون ان پر سوار تھا وہ تجھے بھی ہے۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے کوئی جنون نہیں ہے، میں صحیح کہتی ہوں

میرا رب اور تیرا رب اور آسمانوں وزمینوں کا رب ایک ہی خدا ہے۔فرعون نے ان کو ڈرایا دھمکایا مگر وہ ایمان پر جمی رہی۔فرعون نے چاہا کہ ان کو بھی شہید کر دیا جائے۔چنانچہ زمین پر ان کو بھی چت لٹایا گیا، ہاتھوں اور پیروں میں کیلیں ٹھوک دی گئیں، اور چاہا کہ اوپر سے بڑی چٹان ان کے جسم پر ڈال دی جائے تا کہ ان کا جسم چکنا چور ہو جائے۔اس حالت میں انھوں نے یہ دعا کی:

﴿رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝﴾ [التحریم:۱۱]

پروردگار! میرے لیے جنت میں اپنے پاس گھر بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے اور ظالمین سے نجات عطا فرما۔حق تعالیٰ نے دعا قبول کی اور بڑی آسانی سے ان کی روح قبض کر لی۔اب پتھر گرتا ہے تو خالی جسم پر جس میں روح نہیں ہے، انھیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔اس طرح سے وہ بھی شہید کر دی گئیں۔

جان دے دی مگر ایمان پر ڈٹی رہی، یہی ایمانی استقامت ہے۔(الجواہر الزواہر ص: ۵۹۴)

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو ایک لشکر کے ساتھ رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ان حضرات کو رومیوں نے قید کیا اور ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور بادشاہ سے کہا کہ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا ہے۔یہ بادشاہ عیسائی تھا اس نے

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے کچھ اس طرح گفتگو کی۔

عیسائی بادشاہ: میں تم کو اپنی حکومت اور سلطنت میں شریک کرلوں گا اگر تم عیسائی مذہب قبول کرلو۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ: تیری حکومت تو کچھ بھی نہیں اگر تو اپنی حکومت دے دے اور سارے عرب والے بھی مل کر مجھے اپنا ملک صرف اس شرط پر دینا چاہیں کہ پلک جھپکنے کے برابر جتنا وقت ہوتا ہے صرف اتنی دیر کے لیے بھی دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھر جاؤں تو میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔

عیسائی بادشاہ: اگر تم عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تو میں تمھیں قتل کردوں گا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ: تو چاہے تو قتل کردے میں اپنی بات ایک مرتبہ کہہ چکا ہوں، نہ اس میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے اور نہ سوچنے سے دوسری رائے بدل سکتی ہے بلکہ وہ ایسا حق ہے کہ اس کے خلاف سوچنا بھی مؤمن بندہ کبھی گوارا نہیں کرسکتا۔

یہ سن کر عیسائی بادشاہ نے ان کو صلیب (سولی) پر چڑھوا دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں میں تیر مارو اور یہ سمجھ لو کہ اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ تکلیف دے کر عیسائیت قبول کروانا مقصود ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، اللہ کا یہ بندہ صرف اس بات کا مجرم تھا کہ اللہ کو مانتا تھا اور اس کے بھیجے ہوئے دین حق کو ماننے والا تھا۔ بادشاہ کے آدمیوں نے تیر مارنے شروع کردیے، تیر مارتے جاتے اور کہتے جاتے کہ اب بھی ہمارا مذہب مان لے اور دین محمدی کو چھوڑ، اور وہ اللہ کا بندہ یہی کہتا جاتا تھا کہ جو مجھے کہنا تھا کہہ چکا اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

جب اس ترکیب سے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا ایمان غارت کرنے میں ناکام ہو گئے تو اس عیسائی بادشاہ نے کہا کہ ان کو سولی سے اتارلو اور ایک دیگ میں خوب پانی گرم کرو اور ان کو دیگ کے پاس کھڑا کر کے ان کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو ان کے سامنے اس دیگ میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کا ایک ساتھی دیگ میں ڈالا گیا جس کی جان ان کے سامنے نکلی اور گوشت و پوست جلا اور ہڈیوں کے جوڑ جوڑ علیحدہ ہوئے، اس درمیان میں بھی حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو عیسائیت قبول کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور جان بچانے کا لالچ دلاتے رہے۔

الحاصل جب وہ عیسائیت قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے تو بادشاہ نے ان کو اس جلتی ہوئی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ دیگ کے پاس گئے اور جب ان کو ڈالنے لگے تو وہ رونے لگے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ وہ رو رہے ہیں، بادشاہ نے سمجھا کہ وہ موت سے گھبرا گئے اب تو ضرور عیسائی مذہب قبول کرلیں گے۔ چنانچہ ان کو بلا کر اس نے پھر عیسائی ہونے کی ترغیب دی مگر انھوں نے اب بھی انکار کیا۔

عیسائی بادشاہ: اچھا یہ بتاؤ کہ تم روئے کیوں؟

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ: میں نے کھڑے کھڑے سوچا کہ اب میں اس وقت اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہوں تھوڑی دیر میں جل بھن کر ختم ہو جاؤں گا اور ذرا دیر میں جان جاتی رہے گی۔ افسوس کہ میرے پاس صرف ایک ہی جان ہے کیا اچھا ہوتا کہ آج میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم میں بال ہیں وہ سب اس دیگ میں ڈال کر ختم کر دی جائیں۔ اللہ کی راہ میں ایک جان کی کیا حیثیت ہے۔

عیسائی بادشاہ: میرا ماتھا چوم لوں گے تو تمھارے ساتھ سب ہی کو چھوڑ دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ اپنی جان بچانے کے لیے اس پر بھی تیار نہ تھے کہ اس کا ماتھا چوم لیتے (کیونکہ اس سے کفر کی عزت ہوتی ہے) لیکن اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ میرے اس عمل سے سارے مسلمانوں کی رہائی ہوجائے گی اس کا ماتھا چومنے پر راضی ہو گئے اور قریب جا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ اس نے ان کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو رہا کر دیا۔

جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا قصہ سنا اور پھر فرمایا کہ چونکہ انھوں نے مسلمانوں کی رہائی کے لیے ایک کافر کا ماتھا چوما ہے اس لیے ضروری ہے کہ اب ہر مسلمان ان کا ماتھا چومے، میں سب سے پہلے چومتا ہوں چناچہ سب سے پہلے حضرت عمر نے ان کا ماتھا چوما۔ (تفسیر انوار البیان: ۹/ ۲۷۷)

دوسرا موقع

استقامت کا دوسرا موقع ہے عبادات میں استقامت ہو۔ دو چار مہینے یا صرف رمضان المبارک میں صف اول میں بیٹھ کر عبادت کا اہتمام کر کے اپنے آپ کو استقامت پا لینے والا سمجھنا حماقت ہے۔ استقامت تو یہ کہ مرتے دم تک عبادات پر بھی جما رہے۔

حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے لوگوں میں ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تو انھوں نے پایا ہے مگر کم عمری کی وجہ سے روایت کی نوبت نہیں آئی۔ ان کے متعلق ایک واقعہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار کا نگران بنا رکھا تھا۔ ایک مرتبہ

فجر کی نماز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو موجود نہیں پایا۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر اسی طرف ہوا چاشت کے وقت تو ان کی والدہ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے پوچھا کہ سلیمان کہاں ہے؟ آج نظر نہیں آئے؟ انھوں نے جواب دیا کہ دیر رات تک نماز پڑھتا رہا اور فجر کے وقت آنکھ لگ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں فجر کی نماز جماعت سے پڑھوں یہ بہتر ہے اس سے کہ رات تک نوافل پڑھوں اور فجر کی جماعت فوت ہو جائے۔ (فضائل اعمال / ص: ۲۵۲)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا ہمیشہ باوضو رہنا

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ یہ حاتم طائی مشہور سخی کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے ایک سو اسی (۱۸۰) سال کی عمر پائی۔ یہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب سے میں اسلام میں داخل ہوا ہوں اس وقت سے اب تک کسی نماز کی اقامت نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں اس وقت باوضو تھا۔ (الدر المنضود: ۵ / ۵۲)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور تکبیر اولیٰ کا اہتمام

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے اکابر علمائے دیوبند میں سے ہیں، ایک مرتبہ دار العلوم دیوبند کے جلسے میں تشریف لائے۔ اذان کے بعد نماز کے لیے چلے۔ لوگوں کا ہجوم تھا، اس لیے نماز کے لیے ایسے وقت پہونچے کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی۔

نماز کے بعد کچھ لوگوں نے محسوس کیا کہ حضرت کے چہرے پر غمی اور اداسی چھائی

ہوئی ہے۔کسی خادم نے کہا حضرت! ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ بڑے ہشاش بشاش تھے، آخر کیا بات ہے کہ آپ اتنے غمگین ہیں؟

فرمایا کہ رشید احمد کے لیے اس سے زیادہ غم کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ آج بائیس سال کے بعد اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔(محمود المواعظ:۲/ ۲۶۲)

تیسرا موقع

استقامت کا تیسرا موقع ہے کہ معاملات میں استقامت ہو۔اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے مرتے دم تک اس کو حلال ہی سمجھا جائے اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے مرتے دم تک اس کو حرام ہی سمجھا جائے، اس کو حلال بنانے کی کوشش نہ کرے۔اسی طرح لین دین کے معاملات ان تمام پر مضبوطی سے جمنا بھی استقامت ہے۔

چوتھا موقع

استقامت کا چوتھا موقع ہے کہ معاشرت میں استقامت ہو۔معاشرے کی اصلاح کے جو زریں اصول بتلائے گئے ہیں ان پر بھی مرتے دم تک پابندی ہو۔

پانچواں موقع

استقامت کا پانچواں موقع ہے اخلاق میں استقامت ہو۔ایک مؤمن بندے کے جو اخلاق ہونے چاہیے جن کی تعلیم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہیں وہ تمام اخلاق پر مضبوطی سے عمل ہو۔ایسا نہیں کہ دو چار مرتبہ عمل کرلیا پھر ختم، بلکہ سارے اخلاق ہماری زندگی میں دوام کے ساتھ ہو۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی استقامت

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کون میری ایک بات قبول کرتا ہے؟ اور میں اس کے لیے جنت کا ذمے لیتا ہوں، میں نے عرض کیا کہ میں قبول کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو، چنانچہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جب سواری پر ہوتے اور ان کا کوڑا نیچے گر جاتا تو کسی سے یوں نہ کہتے کہ میرا کوڑا اٹھادو، بلکہ خود اتر کر اٹھاتے تھے۔ (مسند احمد: مسند الانصار/ومن حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث: ۲۲۳۶۶)

چھٹا موقع

استقامت کا چھٹا موقع ہے اپنے معمولات میں استقامت ہو۔ حدیث شریف میں بھی یہی بات فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جو پابندی کے ساتھ ہو چاہے تھوڑا ہو۔ (ابن ماجہ: کتاب الزھد/باب المداومۃ علی العمل/رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

ایک آدمی روزانہ پابندی کے ساتھ دس روپیے صدقہ کرتا ہے اور ایک وہ ہے جس نے ایک ہزار روپیے صدقہ کردئے پھر ختم، ان دونوں میں دس روپیے کا صدقہ کا بہتر ہے، کیوں کہ وہ پابندی کے ساتھ ہے۔

عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک خواب دیکھا تھا جو انھوں نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سنایا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سنایا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے، کاش! رات میں نماز پڑھا کرتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان کے بعد انھوں نے ہمیشہ اپنا یہ معمول بنالیا تھا کہ رات میں بہت کم

سوتے تھے۔(مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم/باب من فضائل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما/رقم الحدیث: ۲۴۷۹)

ستاون سال سے تہجد فوت نہیں ہوئی

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو حسن پور مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کا ایک مرید کلکتہ میں رہتا تھا۔ وہ گھر بنانا چاہتا تھا، جس کی بنیاد ڈالنے کے لیے اس نے آپ کو دعوت دی۔ حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت قبول کر لی۔ چونکہ آپ بوڑھے تھے، اس لیے اپنے ساتھ رفیق سفر کے طور پر حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو لے گئے۔

جب سفر شروع ہوا تو حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا دیکھو مولوی صاحب! آپ عالم بھی ہیں اور جوان بھی ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید بھی ہے کہ سفر میں کسی کو امیر بنا لینا چاہیے، اس لیے میں آپ کو امیر منتخب کرتا ہوں۔ وہ منع نہیں کر سکتے تھے، بلا چوں و چرا مان لیا۔

سفر شروع ہوا اور دونوں حضرات ٹرین کے ذریعے روانہ ہوئے۔ اتفاق کی بات کہ حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دست شروع ہو گئے، اتنے دست آئے کہ بہت زیادہ نقاہت اور کمزوری ہو گئی۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اتنی کمزوری ہے کہ اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہو رہا ہے تو حضرت سے کہا کہ آپ کا بنایا ہوا امیر آپ کو حکم کرتا ہے کہ آپ آج تہجد نہیں پڑھیں گے۔ حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو یہ کہہ کر سو

گیا۔رات کو اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے پیر کا انگوٹھا ہلا رہا ہے۔اٹھ کر دیکھا تو حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ زار وقطار رو رہے ہیں،آنسوان کے رخسار اور داڑھی پر سے بہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں تو تمھیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تہجد پڑھنے کی اجازت دے دیجیے،ستاون سال ہو گئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے،جب سے بیعت ہوا ہوں کبھی تہجد فوت نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو یہ دیکھ کر گھبرا گیا اور کہا آپ پڑھیے تہجد۔(مسلک علماء دیوبند اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص:۹،۱۰)

ساتواں موقع

استقامت کا ساتواں موقع ہے حقوق کی ادائیگی میں استقامت۔شریعت اسلامیہ نے جو حقوق رکھے ہیں مثلاً والدین پر اولاد کے،اولاد پر والدین کے،شوہر پر بیوی کے،بیوی پر شوہر کے وغیرہ ان تمام حقوق کو اپنی ذمے داری سمجھتے ہوئے پابندی کے ساتھ نبھانا۔

آٹھواں موقع

استقامت کا آٹھواں موقع ہے دعوتی کام میں استقامت۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت

کفار مکہ کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اپنا شرف اور اقدار برقرار رکھیں۔باہمی مشاورت سے اشرافِ قریش کی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس آئی انھوں نے شکایت کی کہ اے ابو طالب! آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔اس نے ہمارے باپ دادا کے طریقے پر نکتہ چینی کی ہے،ہمیں عقل وفہم سے عاری قرار دیتا ہے۔محمد

ہمارے باپ دادا کو بھی گمراہ کہتا ہے۔ہم یہ توہین برداشت نہیں کر سکتے۔آپ یا تو اسے روک دیں کہ وہ ان باتوں سے باز آجائیں یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق کا پرچار جاری رکھا اور باطل کی تکذیب کرتے رہے۔اہل مکہ سے صبر نہ ہو سکا وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور سختی سے مطالبہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک دو یا اس کی حمایت سے دستبردار ہو جاؤ۔ورنہ ہم سب تمھارے خلاف جنگ کریں گے۔یہاں تک کہ فریقین میں سے ایک دنیا میں نہ رہے۔ابوطالب کو اپنے یتیم بھتیجے کی فکر لاحق ہوئی اور انھیں بلا کر سمجھانے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے مہربان چچا کے منہ سے تبلیغ حق ترک کر دینے کا مشورہ سنا تو فرمایا کہ خدا کی قسم! وہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں خدا کا حکم اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں، میں ہرگز اس کے لیے آمادہ نہیں ہوں، یہاں تک کہ خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے یا کم از کم میں اس جدوجہد میں اپنی جان دے دوں۔(سیرت مصطفیٰ:۱/۱۶۸)

اگر استقامت نہ ہو

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہمارے دین میں استقامت کی بڑی اہمیت ہے۔ استقامت سارے دین کی بنیاد اور اصل ہے۔اگر استقامت ہی نہ ہو تو کوئی شخص کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک بار حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کہیں جارہے تھے۔سخت گرمی تھی اور وقت بھی

دوپہر کا تھا۔آپ نے سوچا کسی درخت کے نیچے لیٹ کر قیلولہ کیا جائے۔جب آپ سو گئے تو آپکی آنکھ کسی کی آواز سے کھلی آپ نے چاروں طرف دیکھا،لیکن آواز کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کہاں سے آرہی ہے۔کچھ وقت مزید جب غور کیا تو پتہ چلا کہ آواز اس درخت سے آرہی ہے جس کے نیچے آپ لیٹے تھے۔درخت کہہ رہا تھا:

یا سری کن مثلی

اے سری! میری طرح ہوجا" آپ بڑے حیران ہوئے کہ درخت کیسے بول سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

کیف اکون مثلک

میں تیری طرح کیسے بن سکتا ہوں؟ درخت نے کہا:

ان الذین یرموننی بالا حجار فارمیھم بالا ثمار

اے سری! جو لوگ مجھ پہ پتھر پھینکتے ہیں میں انکی طرف اپنے پھل پھینکتا ہوں۔آپ نے بات سنی تو سوچا کہ اگر یہ درخت اتنے ہی اچھے ہیں تو اللہ پاک نے ان کی لکڑی کو دوزخ کی غذا کیوں بنایا ہے؟ درخت نے جب یہ سنا تو کہا اے سری! مجھ میں ہزاروں اچھائیاں ہیں، لیکن مجھ میں ایک بہت بڑی برائی وخامی ہے،جس نے میری تمام اچھائیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کو میری وہ خامی اتنی ناپسند ہے کہ مجھے جہنم کی غذا بنادیا۔میری خامی یہ ہے کہ جدھر ہوا کا رخ ہوتا ہے میں اس طرف موڑ جاتا ہوں مجھ میں استقامت نہیں ہے۔(نایاب موتی:۱/۳٦٦)

استقامت پر انعاماتِ خداوندی

سورۂ حم سجدہ کی ان تین آیتوں میں استقامت کے کچھ انعامات بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) استقامت کرنے والوں کے لیے پہلا انعام یہ ہے کہ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ کب ہوگا؟ اس سلسلے میں تین قول ہیں۔ موت کے وقت، قبروں سے اٹھتے وقت یا آخرت میں۔

(۲) استقامت کرنے والوں کے لیے دوسرا انعام یہ ہے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ حزن۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن کا تعلق ماضی سے ہے۔

(۳) استقامت کرنے والوں کے لیے تیسرا انعام جنت کی بشارت ہے۔

(۴) استقامت کرنے والوں کے لیے چوتھا انعام کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے دوست، ولی اور سرپرست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی۔

(۵) استقامت کرنے والوں کے لیے پانچواں انعام یہ ہے کہ انھیں جنت میں جو دل سے چاہیں گے وہ دیا جائے گا۔

(۶) استقامت کرنے والوں کے لیے چھٹا انعام یہ ہے کہ جو زبان سے طلب کریں گے وہ بھی ملے گا۔

(۷) استقامت پر ساتواں انعام یہ ہے کہ یہ سب کچھ مفت میں ہوگا، رب العالمین کی مہمانی کے طور پر ہوگا۔ (معارف القرآن: ۷/۶، ۶۵۱)

خلاصہ یہ ہے کہ ہم استقامت کا لفظ بارہا سنتے اور پڑھتے ہیں، لیکن اپنی ذات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا ہمیں نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے پر بھی استقامت حاصل ہے؟ وقتی جذبات میں آکر نوافل، تلاوت، ذکر و درود سب شروع کر دیتے ہیں، لیکن چند ہی دنوں میں وہ

جذبات سست اور ٹھنڈے ہوجاتے ہیں اور وہ اعمال غائب ہوجاتے ہیں۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم سستی اور غفلت کو دور کریں اور استقامت کے جوہر سے اپنے آپ کو آراستہ کریں، اسی میں دین و دنیا کی فلاح و بہبودی کا راز مضمر ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں استقامت کی دولت عطا فرمائیں اور اس کے ثمرات وفوائد سے مالا مال فرمائیں۔(آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مضمون:(۲۱)

مشورے کی اہمیت اور اس کے آداب

تعارف

۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۳؍مئی ۲۰۲۱ء

بروز: پیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَالَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّہِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ۪ وَاَمۡرُہُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَہُمۡ ۪ وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۝﴾ [الشوریٰ:۳۸]

تمہید

یہ سورۂ شوریٰ کی ۳۸ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں اور اس سے پہلے کی اور بعد کی کچھ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کی نعمتوں کے حقدار بننے والے بندوں کی سات صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان صفتوں میں سے ایک صفت اس آیت میں بیان کی گئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان کے آپسی کام شوریٰ سے یعنی باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں بیان کیا ہے کہ اس آیت سے مشورے کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

شریعت کی دو تعلیم

انسان کو اپنی زندگی میں بہت سے کام ایسے پیش آتے ہیں جن میں وہ حیران ہو جاتا ہے۔ اسے کیا کرنا ہے؟ کون سا پہلو اختیار کرنا ہے؟ وہ فیصلہ نہیں کر پاتا۔ وہ کشمکش میں رہتا ہے کہ کس جانب رخ اختیار کرے۔ ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ نے بندوں کو دو چیزوں کی تعلیم دی ہے۔

استخارے کی تعلیم

ایک تعلیم شریعت اسلامیہ نے بندوں کو استخارے کی دی ہے۔استخارے کے معنیٰ خیر طلب کرنے کے آتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے کفار مکہ یہ چیز جوئے کے تیروں سے دریافت کرتے تھے۔کسی تیر پر لَا لکھا ہوا ہے کسی پر نَعَم ۔اگر لَا لکھا ہوا تیر نکل آیا تو اس کو نہیں کرتے تھے اور اگر نَعَم والا تیر نکل آیا تو اس کو اچھا سمجھ کر کرتے تھے۔جوئے کے یہ سات تیر بیت اللہ کے خادم کے پاس رہتے تھے۔جب کسی شخص کو اپنے کسی کام کا مفید ہونا یا مضر ہونا معلوم کرنا ہوتا تو خادم کعبہ کے پاس جا کر کچھ ہدیہ بطور نذرانہ کے پیش کر کے قسمت آزمائی کرتے تھے۔اسلام آیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس فال نکالنے سے منع فرمایا اور اس کے عوض صلوۃ استخارہ کی تعلیم فرمائی اور بڑی عجیب دعا تلقین فرمائی جو ایک نبی ہی کی جانب سے ہی ہو سکتی ہے۔

استخارہ صاحب معاملہ کو خود کرنا چاہیے۔آج کل لوگ مولویوں کو پکڑتے ہیں کہ فلاں کام ہے تو آپ استخارہ کاڑ دو۔ارے بھائی! کہاں پھنسا ہے کہ ہم کاڑ دیں، آپ خود کیجیے، ہمیں کرنا نہیں اور اوروں کے حوالے کرنا ہے۔(صلوۃ الاستخارۃ ص:)

مشورے کی تعلیم

دوسری تعلیم مشورے کی ہے۔اگر کوئی شخص کامیاب اور پر امن زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اس کے لیے مشورے کے نظام کو اپنانا بہت ضروری ہے۔مشورہ یقیناً خیر و برکت، عروج و ترقی اور نزولِ رحمت کا ذریعہ ہے۔اسی لیے قرآن کریم میں اور احادیث مبارکہ میں مختلف انداز میں مشورے کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

مشورہ قرآن کی روشنی میں

(۱) قرآن کریم کی پچیسویں پارے کی ایک سورۃ کا نام ہے شوریٰ۔شوریٰ،مشورہ،مشاورت تینوں ایک ہی معنیٰ میں ہیں۔ان کا مطلب ہے کسی قابل غور معاملے میں لوگوں کی رائے حاصل کرنا۔مشورے کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں ایک سورۃ اسی کے نام سے رکھ دی۔

(۲) مشورے کی اہمیت کو اللہ تعالیٰ نے نرالے انداز میں سمجھایا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا رادہ کیا تو فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار کیا۔فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ ایسی مخلوق بنانا چاہتے ہیں جو روئے زمین میں فساد مچائے گی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جو باتیں میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

اس واقعے میں غور کریں تو پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے نہ مشورہ کر رہے ہیں اور نہ اسے مشورے کی ضرورت ہے،مگر یہاں مشورے کی شکل بنائی گئی تا کہ انسانوں میں مشورے کی اہمیت اور سنت جاری ہو سکے۔

(۳) سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ معاملات اور متفرق امور میں صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورے کا حکم

بظاہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورے کی حاجت نہیں تھی، کیوں کہ آپ کے لیے وحی کا

دروازہ کھلا ہوا تھا، آپ چاہتے تو وحی کے ذریعے معلوم ہو سکتا تھا کہ کیا اور کس طرح کرنا چاہیے؟ اسی لیے مفسرین کرام نے یہاں بحث کی ہیں کہ مشورے کے حکم سے کیا مراد ہے؟

اس کی تین وجہیں ہیں۔

(۱) حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ صحابۂ کرام کے اطمینان قلب اور ان کو وقار بخشنے کے لیے یہ حکم دیا گیا تھا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ امت میں مشورے کی سنت جاری ہو سکے اور لوگ یہ سمجھیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکمل فہم وبصیرت ہونے کے باوجود مشورے کا حکم دیا گیا تو پھر ہم اس کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہیں۔

(۳) مفسر قرآن حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ مشورہ کیا کریں، اس لیے کہ مشورے میں خیر و برکت ہے۔ (تفسیر قرطبی مترجم: ۲/ ۷۹۸)

(۴) مشورے کی اہمیت پر سورۂ شوریٰ کی یہی آیت ہے:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ: ۳۸]

ان کے یعنی آخرت کی نعمتوں کا حقدار بننے والے بندوں کے آپسی امور باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔

مشورے کے متعلق احادیث

مشورے کی اہمیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادات بھرے پڑے ہیں۔ بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کام کے لیے کسی مسلمان سے مشورہ کیا تو خدا تعالیٰ اسے اچھے راستے کی جانب رہنمائی فرمائیں گے۔(مجمع الزوائد: ۹۶/۸)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہیں ہوا اور جس نے مشورہ کیا وہ شرمندہ نہیں ہوا، اور جس نے خرچ میں میانہ روی اختیار کی وہ فقیر و محتاج نہیں بنا۔(مجمع الزوائد: ۹۶/۸)

(۳) ایک روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشورہ شرمندگی سے بچاؤ کا قلعہ ہے اور ملامت سے مامون رہنے کا ذریعہ ہے۔(ادب الدنیا والدین: ۲۶۹/۱)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمھارے بڑے اور حکمران تم میں بہترین لوگوں میں سے ہوں اور تمھارے مالدار تم میں سب سے زیادہ سخی ہوں اور تمھارے معاملات تمھارے درمیان مشورے سے طے ہوں تو زمین کی پشت (یعنی زندگی) تمھارے لیے اُس کے پیٹ (یعنی موت) سے بہتر ہے۔ اور جب تمھارے بڑے اور حکمران تم میں سے بدترین لوگوں میں سے ہوں اور تمھارے مالدار تم میں سب سے زیادہ بخیل (کنجوس) ہوں اور تمھارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کا پیٹ (یعنی موت) تمھارے لیے اُس کی پشت (یعنی زندگی) سے بہتر ہے۔(ترمذی: ابواب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ رقم الحدیث: ۲۲۶۶)

(۵) حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی انسان مشورے کے بعد ہلاک نہیں ہوتا۔(مصنف ابن شیبۃ: رقم الحدیث: ۲۶۷۹۶)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عقلمندوں سے مشورہ کرو کامیابی پالوں گے اوران کی مخالفت نہ کرو ورنہ شرمندگی پاؤں گے۔ (مسند شہاب: ۴۲۰/۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشورہ

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات کی روشنی میں مشورے کی اہمیت کو بتلایا تو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعے بھی اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اصحاب سے کثرت سے مشورہ کرتا ہو۔

غزوۂ بدر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ

تاریخ اسلام کا اہم ترین غزوہ جس کو قرآن کریم نے یوم الفرقان کہا یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا غزوہ جو غزوہ بدر کے نام سے مشہور ہے، اس غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو اہم مشوروں کا ثبوت ملتا ہے۔

پہلا موقع یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش مکہ کے مسلمانوں کی طرف جنگ کی نیت سے نکلنے کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے اس سلسلے میں مشورہ طلب فرمایا۔ مہاجرین نے اس موقعہ پر بہت اچھی بات کی اور ان میں سے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ وہی کریں جس کا خدا نے آپ کو حکم دیا ہے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے ویسا سلوک ہرگز نہیں کریں گے جیسا بنی اسرائیل نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ جب انھوں نے کہا کہ جا تو اور تیرا رب جا کر لڑتے پھر و ہم تو یہاں سے نہیں ہلنے والے۔ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور آپ کے بائیں بھی لڑیں گے اور آپ کے پیچھے بھی لڑیں گے اور آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ہماری لاشوں کو نہ روند لے''۔ اس پر جوش تقریر پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور حضرت مقداد کو دعا دی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ اپنا وہی جملہ دہرایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی رائے لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کے برحق ہونے کی تصدیق کی ہیں۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ جو تعلیم آپ لے کر آئے ہیں وہ سچی تعلیم ہے اور اس پر کاربند رہنے اور آپ کی اطاعت کرنے پر ہم نے آپ سے عہد و پیمان کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ جو کرنا چاہتے ہیں کریں ہمیشہ آپ ہمیں اپنے ساتھ پائیں گے۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ ہمیں اپنے ساتھ اس سمندر میں بھی کودنے کو کہیں گے تو ہم میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جو سمندر کی لہروں کا سینہ چیر کر آپ کے ساتھ نہ ہولے۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا ہمیں دشمن کے سامنے لا کھڑا کرنا ہمیں ہرگز ناگوار نہیں گزرا۔ ہم تو جنگوں میں ڈٹ کر مقابلہ کرنے والی قوم ہیں۔ اور شاید اب وہ وقت بہت قریب ہے جبکہ خدا تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے فدائیت کے وہ نظارے دکھلا دے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس پر ایمان اور پر جوش تقریر کو سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ (سیرت مصطفیٰ: ۲/ ۶۴، ۶۵)

غزوۂ بدر میں مشورہ کا دوسرا اہم موقع جنگی قیدیوں کے بارے میں تھا کہ بدر میں ستر افراد قید ہوئے تھے، اس کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشاورت کے ذریعے کیا۔ غزوۂ بدر میں شریک حضرات سے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے۔ بحث وتمحیص کے بعد فیصلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے پر ہوا کہ سب قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا گیا۔ اس فیصلہ پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تنبیہ فرمائی جیسا کہ سورہ الانفال کی آیات ۶۷، ۶۸، ۶۹ میں ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیے تھا۔ ان آیات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موافقات میں شمار کیا جاتا ہے یعنی جن آیات مبارکہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کسی رائے کی تائید کی گئی ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۱۰۷)

لیکن یہاں یہ بات بطور خاص قابل توجہ ہے کہ تنبیہ کے باوجود فیصلہ وہی نافذ ہوا جو مشورے میں طے ہوا تھا، اسے تبدیل نہیں کیا گیا۔

غزوہ احد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشورہ

غزوۂ احد کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر ملی کہ مکہ مکرمہ سے قریش کا لشکر مدینہ منورہ پر حملے کے لیے روانہ ہو گیا ہے تو صحابہ کرام کو مشورے کے لیے مسجد میں جمع کیا اور اس پر مشورہ چاہا کہ ہمیں مدینہ منورہ کے اندر محصور ہو کر دفاعی جنگ لڑنی چاہیے یا میدان میں نکل کر کھلا مقابلہ کرنا چاہیے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہ کر دفاعی جنگ لڑنے کی رائے دی، مگر چونکہ مشورے کی مجلس تھی اس لیے جو لوگ میدان میں جا کر کھلے مقابلے کے حق میں تھے مجلس نے ان کی رائے کو مان لیا اور فیصلہ ہوا کہ مدینہ منورہ سے نکل کر

کھلے میدان میں قریش کے لشکر کا مقابلہ کریں گے۔ مگر اس کے بعد جب میدان جنگ میں نکلنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، بعض حضرات کو خیال ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رائے کھلے میدان میں نکلنے کی نہیں تھی تو ہم نے اس کے خلاف رائے دے کر غلطی کی ہیں اس لیے ہمیں اپنی رائے واپس لینی چاہیے۔ چنانچہ وہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنی رائے پر ندامت کا اظہار کیا اور گزارش کی کہ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں، آپ مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کا فیصلہ واپس لے لیں۔ جس پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہتھیار باندھنے کے بعد جنگ کیے بغیر اتارا نہیں کرتے، جس کا مطلب یہ تھا کہ جو فیصلہ مشورے میں ہو چکا ہے اس پر عمل ہوگا اور اسی کے مطابق اپنے لشکر کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ سے باہر احد کے دامن میں جا کر مورچہ زن ہو گئے۔ (سیرت مصطفیٰ: ۲/ ۱۸۱)

یہ واقعہ بھی یہ سبق دیتا ہے کہ مشورے میں جو طے ہو جائے اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

غزوۂ خندق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشورہ

غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کم وبیش دس ہزار آدمیوں کی بھاری جمعیت اور وسائل کی فراوانی کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب نبی کریم کو دشمنوں کی نقل وحرکت کا علم ہوا تو حسبِ معمول آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! ہم اہلِ فارس کا دستور یہ ہے کہ ایسے موقع پر خندق کھود کر دشمن سے خود کو محفوظ کر لیتے ہیں اور اس کو مجبور بنا دیتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مشورے کو قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دے دیا، مدینہ میں تین جانب سے مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا۔ صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا، اس طرف

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حدود قائم کیں، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی گئی، خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی، چوڑائی اتنی تھی کہ ایک تیز رفتار گھوڑا عبور نہ کر سکے اور گہرائی ایک اندازے کے مطابق پانچ گز تھی۔(معارف القرآن: ۷/ ۱۰۳، ۱۰۴)

واقعۂ افک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ

جب غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہو جانے کا قصہ ہوا اور پھر ان پر تہمت لگنے کا جو قصہ پیش آیا اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مخصوص صحابہ سے مشورہ فرمایا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! منافق یقیناً جھوٹے ہیں اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ کے جسم اطہر پر ایک مکھی بھی بیٹھ جائے کیونکہ مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے تو بھلا جو عورت ایسی برائی کی مرتکب ہو خداوند قدوس کب اور کیسے برداشت فرمائے گا کہ وہ آپ کی زوجیت میں رہ سکے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سایہ کو زمین پر نہیں پڑنے دیا تا کہ کسی کا پاؤں نہ پڑ سکے تو بھلا اس معبود برحق کی غیرت کب گوارا کرے گی کہ کوئی انسان آپ کی زوجہ محترمہ کے ساتھ ایسی قباحت کا مرتکب ہو۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ایک مرتبہ آپ کے نعلین مبارک میں نجاست لگ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو بھیج کر آپ کو خبر دی کہ آپ نعلین اقدس اتار دیں۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معاذ اللہ اگر ایسی ہوتی تو ضرور

اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرما دیتا کہ آپ ان کو زوجیت سے نکال دیں۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب اس تہمت کی خبر سنی تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اے بیوی سچ بتا اگر صفوان بن معطل کی جگہ میں ہوتا تو کیا تو یہ گمان کر سکتی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجہ محترمہ کے ساتھ ایسا کرتا تھا؟ تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیوی ہوتی تو خدا کی قسم! میں کبھی ایسی خیانت نہیں کر سکتی تھی تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو مجھ سے لاکھوں درجے بہتر ہیں اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ جو بدرجہا تم سے بہتر ہیں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ یہ دونوں ایسی خیانت کر سکتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھی اس سے سوال کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی عیب نہیں دیکھا، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ابھی کمسن ہیں وہ گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا ڈالتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی بیوی ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا جو حسن و جمال میں حضرت عائشہ کے مثل تھیں تو انھوں نے قسم کھا کر یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں خدا کی قسم! میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچھی ہی جانتی ہوں۔ (سیرت مصطفیٰ: ۲/ ۲۸۰)

اذان کے لیے مشورہ

جب صحابۂ کرام کی تعداد بڑھی تو لوگوں کو نماز کے لیے بروقت کیسے بلایا جائے، اس

بات کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فکر ہوئی، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ فرمایا۔

مشورہ کے متعلق اقوال صحابہ

(۱) حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلا آدمی وہ ہے جو پاک دامن مسلمان اور سمجھدار ہے۔اس کے سامنے کوئی بات آتی ہے تو وہ مشورہ کرتا ہے، پھر مشورے کے بعد لوگوں کی رائے کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی عقل کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہے۔ دوسرا آدمی وہ ہے جو کہ پاک دامن مسلمان ہے، لیکن وہ ذی رائے (اور عقل مند و سمجھ دار) نہیں ہے، لیکن جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو وہ ذی رائے اور اہل مشورہ لوگوں کے پاس جاتا ہے، پھر اُن سے مشورہ کرتا ہے اور اُن سے رائے لیتا ہے، پھر رائے دینے والوں کے مشورے کے مطابق اُس کام کو اختیار کرتا ہے۔اور تیسرا آدمی وہ ہے جو کہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتا، نہ تو کسی خیر خواہ سے مشورہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی خیر خواہ کا کہنا مانتا ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ/رقم الحدیث: ۲۶۴۳۲)

(۲) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ایک تو پورا آدمی ہے، اور دوسرا آدھا آدمی ہے اور تیسرا کچھ بھی نہیں ہے۔ پس پورا آدمی تو وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مکمل دین اور مکمل عقل عطا فرمائی ہو، پھر جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کو اہل رائے اور اہل عقل سے مشورہ کیے بغیر نہیں کرتا، پھر اگر مشورہ دینے والے اہل عقل کی رائے اُس کے موافق ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اُس رائے پر عمل کر لیتا ہے، ایسا آدمی ہمیشہ درستی اور اسباب کی آسانی کو حاصل کر لیتا ہے۔اور آدھا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مکمل دین اور مکمل عقل عطا فرمائی ہو، لیکن جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کام

کے متعلق کسی سے مشورہ نہیں کرتا، اور یہ کہتا ہے کہ ایسا کون آدمی ہے جس کی میں اطاعت کروں اور اپنی رائے کو اُس کی رائے کے سامنے چھوڑ دوں؟ تو یہ آدمی کبھی درستی کو پاتا ہے اور کبھی خطا کو۔ اور تیسرا آدمی جو کچھ بھی نہیں ہے وہ ان دونوں سے خالی ہے۔ (الجامع فی الحدیث / ص: ۳۹۵)

(۳) مروان بن حکم نے اپنے فرزند کو وصیت کی کہ مشورے کو ترک نہ کرنا، اگر مشورے سے کوئی بے نیاز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے بے نیازی فرماتے۔ (الجامع فی الحدیث / ص: ۳۹۴)

(۴) ابن ابی الحسین سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص مشورے کی وجہ سے ہلاک نہیں ہوا اور اکیلا رہنے سے کوئی نیک بخت نہیں ہوا۔ (الجامع فی الحدیث / ص: ۳۹۳)

کن چیزوں میں مشورہ کیا جائے؟

اگر کوئی سوال کرے کہ مشورہ کہاں اور کن چیزوں میں کیا جائے؟

اس سلسلے میں یاد رکھنا چاہیے کہ جن امور میں شریعت کا فیصلہ متعین ہے کہ یہ چیز فرض ہے یا واجب ہے یا حرام یا مکروہ ہے، ان امور میں مشورے کی ضرورت نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص یہ مشورہ کرے کہ نماز پڑھے یا نہیں، زکوۃ دے یا نہیں، حج کرے یا نہیں، یہ چیزیں مشورے کی نہیں ہیں، ان کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم متعین ہے کہ ان کا کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کو شریعت نے منع کیا ہے، جیسے زنا کاری، شراب نوشی، ڈاکہ زنی وغیرہ ان میں بھی مشورے کی حاجت نہیں، ان سے تو بہر حال رکنا لازمی ہے۔ البتہ طریق کار کے بارے میں مشورہ کیا جا سکتا ہے، جیسے حج میں جانے کے

لیے مختلف راستے ہیں تو اس بارے میں تجربہ کار سے مشورہ کرے کہ میرے لیے حج کمیٹی سے جانا بہتر ہے یا ٹور سے؟ یا مشورہ کرے کہ کون سی ٹور سے جانا بہتر ہے؟ اسی طرح ایک شخص مریض ہے اس کو تردد ہے کہ مجھ کو اس حالت میں تیمم کی اجازت ہے یا نہیں، اس بارے میں اطبا یا تجربہ کاروں سے مشورہ کرسکتا ہے۔

مشورہ لینے والوں کے لیے ہدایات

مشورہ لینے والوں کو چاہیے کہ وہ چند باتوں کا خیال رکھیں۔

(۱) مشورہ عقلمند اور تجربہ کار آدمی سے کرنا چاہیے۔ جیسے ابھی حدیث شریف بتلائی کہ عقلمندوں سے مشورہ کرو کامیاب ہوں گے۔

(۲) مشورہ اس سے کیا جائیں جس میں اہلیت ہو۔ اگر کسی میں اہلیت اور صحیح جانکاری نہیں ہے اس سے مشورہ کرنا حماقت ہے۔ مثلاً علاج کے سلسلے میں مشورہ کرنا ہو تو کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرے، اگر آپ ڈاکٹر کے بجائے باورچی کے پاس پہونچ گئے تو وہ کیا مشورہ دے گا؟

(۳) مشورہ دیندار، متقی اور پرہیز گار آدمی سے کریں۔ جو آدمی دیندار ہوگا، خوفِ آخرت رکھتا ہوگا، اللہ کے یہاں جواب دینے کا احساس رکھتا ہوگا تو اس کا مشورہ صحیح ہوگا، وہ آپ کی دنیا کی ہی فکر رکھتے ہوئے مشورہ نہیں دے گا، بلکہ دین کو سامنے رکھتے ہوئے مشورہ دے گا۔

(۴) مشورہ لینے والوں کو چاہیے کہ جس سے مشورہ لے رہا ہے پہلے دیکھ لیں کہ وہ الجھن میں تو نہیں ہے۔ اگر وہ الجھن میں ہے تو اس سے مشورہ نہ لیں، کیوں کہ وہ اس وقت اپنی پوری عقل کا استعمال کر کے مشورہ نہیں دے گا۔

(۵) جس کا فائدہ لگا ہو اس سے بھی مشورہ طلب نہ کریں۔ مثلاً آپ کو دکان سے کوئی چیز خریدنا

ہوتو آپ اسی دکاندار سے مشورہ نہ کریں، اس لیے کہ آپ اس سے جس چیز کے بارے میں مشورہ کریں گے تو اس کی اچھائیاں بیان کرے گا اور خامیوں کو نظر انداز کر دے گا۔

مشورہ دینے والوں کے لیے ہدایت

جس طرح مشورہ لینے والوں کے لیے شریعت نے کچھ ہدایات فرمائی ہے اسی طرح مشورہ دینے والوں کے لیے بھی کچھ ہدایات دی ہے۔

(۱) مشورہ دینے والے کو چاہیے کہ جس معاملے میں اس سے مشورہ لیا جارہا ہے اگر اس کی پوری معلومات ہوتو مشورہ دے ورنہ صاف منع کر دیں کہ مجھے اس بارے میں کوئی جانکاری نہیں ہے، اس لیے میں یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔ یہ کوئی بے عزتی کی بات نہیں، بلکہ اس کے اخلاص کی وجہ سے اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور مشورہ لینے والے کے دل میں اس کی عزت بیٹھ جائے گی کہ یہ میرے حق میں مخلص ہے۔

آج حال یہ ہے حجام بھی ڈاکٹری کے مشورے دے رہا ہے، یہ دیانت کے خلاف ہے۔

(۲) نقصان پہونچانے کے لیے مشورہ نہ دیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی سے مشورہ کیا اور اس نے اسے کوئی ایسا مشورہ دیا جس کے علاوہ میں وہ کامیابی سمجھتا ہوتو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔ (مسند احمد: مسند ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ / رقم الحدیث: ۸۷۷۶)

(۳) مشورہ دینے والے کے ذہن میں جو بات آئے صاف صاف پیش کر دیں، اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ میرے مشورے سے اس کا دل ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ صحیح مشورہ دینا اس کی

ذمے داری ہے۔اس لیے صحیح مشورہ دینے میں اگر کسی کی غیبت بھی کرنی پڑے تو جائز ہے، ایسے موقع کی غیبت معاف ہے۔مثلاً ایک آدمی اپنی لڑکی کا کسی سے رشتہ کرنا چاہتا ہے اور وہ آپ سے مشورہ کرے اور آپ لڑکے کو جانتے ہیں کہ اس میں کیا برائیاں ہیں تو آپ مشورہ دیتے وقت بتلا دیں کہ فلاں فلاں عیب کی وجہ سے یہ رشتہ مناسب نہیں۔

(۴) مشورہ دینے والے کو چاہیے کہ کسی کے راز کو فاش نہ کریں۔اس لیے کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

(ابوداود: کتاب الادب/باب فی المشورۃ/رقم الحدیث: ۵۱۲۸)

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بڑا عجیب ہے۔آپ تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔تھانہ بھون ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔وہاں آپ کا ایک پڑوسی تھا۔اور وہ خان صاحب تھا اور ملٹری میں ملازم تھا۔کریلا اور نیم چڑھا۔ملٹری بھی کس کی؟ جی حضوری کا دور تھا، انگریزوں کا زمانہ تھا۔اس زمانہ کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی ملٹری میں ملازم ہو تو وہ بھی اپنے آپ کو بڑا افسر سمجھتا تھا۔اس کی جانب سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچتی تھیں۔لیکن اس کو راہ راست پر کون لائے؟ اور کیسے لائے؟ اردو کی کہاوت ہے ''بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے؟'' اب ایک ہی شکل ہے کہ حضرت کے پڑوس سے اس کو ہٹایا جائے کہ وہ یہاں سے کہیں اور چلا جائے۔اس پر زبردستی تو نہیں کر سکتے کہ اول تو وہ خان صاحب ہے اور اوپر سے ملٹری میں ہے۔شکل صرف یہی ہے کہ کسی طرح اس کے مکان کو خرید لیا جائے۔اسے منہ مانگی رقم دی جائے تاکہ وہ اپنے مکان کو فروخت کرنے پر راضی ہو جائے۔مگر ڈر اس بات کا ہے کہ

اگر اسے پتہ چل گیا کہ اسے یہاں سے ہٹانا مقصود ہے اس لیے منہ مانگی رقم دی جا رہی ہے تو وہ خان صاحب اکڑ جائیں گے اور مکان فروخت کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ اس لیے بہت دور سے ڈورے ڈالے گئے تا کہ اس کو کسی طرح پتہ ہی نہ چلے۔ دلالوں کو بھیجا اور اس کو کہلوایا کہ کیا بھائی تم اپنا مکان فروخت کرنا چاہتے ہو؟ دلال اس کے مکان پر پہنچنے لگے اور قیمت بڑھانا شروع کیا۔ کسی نے کہا میرے پاس ایک پارٹی ہے جو منہ مانگی قیمت دینے کو تیار ہے۔ دلالوں کی باتیں سن کر وہ خان صاحب بہت خوش ہوئے اور مشورہ کرنے کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ پہنچے۔ حضرت کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میرا مکان فروخت ہو رہا ہے اور منہ مانگی قیمت بھی مجھے مل رہی ہے تو میں کیا کروں؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی! جب تمھیں منہ مانگی قیمت مل رہی ہے تو پھر اپنا مکان فروخت کر دو۔ یہ سن کر وہ خان صاحب کہنے لگے پھر تو آپ کے جیسا پڑوس نہیں ملے گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر بات ایسی ہی ہے تو ہرگز اپنا مکان فروخت نہ کرو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اب جب اگلے دن دلال آئے اور بھاؤ بڑھانے لگے تو خان صاحب نے کہا مجھے اپنا مکان ہرگز بیچنا ہی نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و متعلقین کو پتہ چلا تو حضرت سے کہا کہ حضرت! اتنی دور سے ڈورے ڈال کر اسے بمشکل تیار کیا تھا لیکن آپ نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جب وہ مشورہ کرنے میرے ہی پاس چلا آیا تو میں اس کو غلط مشورہ کیسے دے سکتا تھا۔ غلط مشورہ دینا تو خیانت ہے۔ اور حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے:

المستشار مؤتمن

جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوا کرتا ہے۔(فیضان عارف:۱/ ۳۰۴)

(۵) مشورہ دینے والے کو چاہیے کہ مشورہ دے کر ہٹ جائے یعنی اپنی رائے اور مشورہ پر زبردستی عمل کروانے کی کوشش نہ کریں۔

(٦) بغیر پوچھے مشورہ نہ دیں۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بغیر طلب کیے مشورہ دینا حماقت ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ایک باندی تھی اوران کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ غلام تھے اور سیاہ فام تھے۔اپنے مالکوں سے انھوں نے یہ معاملہ کرلیا کہ اتنی رقم دے کر آزاد ہوجائیں گی۔ اس رقم کی ادائیگی میں مدد حاصل کرنے کے لیے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان کہ بریرہ میرے پاس آئی کہ میں نے اپنے مالکوں سے،نو اوقیہ چاندی (سالانہ ایک اوقیہ) پر مکاتبت کرلی ہے۔آپ میری مدد کریں۔

حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو حضرت بریرہ سے بے حد محبت تھی،لیکن حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان سے اتنی ہی بددلی تھی۔شرعی طور پر آزادی کے بعد،بریرہ کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے نکاح کو قائم رکھیں یا توڑ دیں۔چنانچہ انھوں نے اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے،علیحدگی اختیار کرلی۔اس واقعہ سے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو بے حد صدمہ پہنچا۔وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے،اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کی درخواست کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے بات کی،تو انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ آپ کا حکم ہے؟ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حکم نہیں، بلکہ سفارش اور مشورہ ہے۔ یہ سن کر انھوں نے رجوع کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے اس طرزِ عمل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام کسی نے ان کو برا بھلا نہیں کہا۔ (بخاری: کتاب الطلاق/باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی زوج بریرۃ رضی اللہ عنہا/رقم الحدیث: ۵۲۸۳)

کم عمر سے مشورہ کرنا

علامہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاورق رضی اللہ عنہ کو اگر کسی معاملے میں مشورے کی ضرورت پڑتی تو جوانوں کو بلا کر ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کی تیز عقل سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ میں ایسے سینکڑوں واقعات ملیں گے جن میں انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا ہو، حالانکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کافی چھوٹے تھے۔ (شمائل کبریٰ: ۴/ ۳۴۵)

عورتوں سے مشورہ کرنا

عورتوں سے بھی مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ لکھا گیا اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو بال منڈوانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا تو کوئی کھڑا نہ ہوا۔ سب کے دل ٹوٹے ہوئے تھے، ان کے خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمے میں تشریف لائے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو اس سفر میں ساتھ تھی ان سے یہ بات پیش کی تو انھوں نے شاندار مشورہ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل بھی کیا۔ ان کا مشورہ یہی تھا کہ آپ اپنے اصحاب کو کچھ نہ کہیے، بلکہ خود اپنی قربانی کر کے حلق کر لیجیے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور

آپ کو یہ عمل کرتا دیکھ کر سب نے بھی قربانی اور حلق کرلیا۔(بخاری: کتاب الشروط فی الجهاد و المصالحة مع اہل الحرب/ رقم الحدیث: ۲۷۳۲)

ہمارا حال

مشورہ ایک اہمیت والا عمل ہے، مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اولاً مشورہ کرتے ہی نہیں ہیں، کیوں کہ مشورہ کرنے کو ہم اپنی شان اور مرتبے کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور اگر کرتے ہیں تو صرف خانہ پوری کے لیے مشورہ کرتے ہیں۔ ہمارے مشورروں میں یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ پہلے سے طے کرلیا جاتا ہے اور مشورے کی مجلس میں اس کی تصدیق کرلی جاتی ہے۔ یہ اسلامی اصول کے سراسر خلاف ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں مشورے کی اہمیت سمجھنے کی اور اس کے اصول و آداب کی رعایت کرتے ہوئے عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم

مضمون:(۲۲)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

تعارف

۲۲/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۴/مئی ۲۰۲۱ء

بروز:منگل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝﴾ [الحجرات: ۱۰]

تمہید

یہ سورۂ حجرات کی ۱۰ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ جب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہے تو اب مسلمان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

بھائی چارگی ایمان کی بنیاد پر ہے

اسلام ایک عالمی دین ہے اور اس کے ماننے والے عرب ہوں یا عجم، گورے ہوں یا کالے، کسی قوم یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں، مختلف زبانیں بولنے والے ہوں، سب بھائی بھائی ہیں اور ان کی اس اخوت کی بنیاد ہی ایمانی رشتہ ہے۔

آج بھی مشرق و مغرب اور دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان جب موسم حج میں سرزمین مقدس حرمین شریفین میں جمع ہوتے ہیں تو ایک دُوسرے سے اس گرم جوشی سے ملتے ہیں جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ بلکہ بعضوں کو اس مسرت سے روتے ہوئے دیکھا جاتا ہے کہ حیرانی ہوتی ہے۔ حالانکہ ان کی زبانیں، ان کے رنگ اور ان کی عادات مختلف ہوتی ہیں، لیکن ان سب کے باوجود جو چیز ان کے دلوں کو مضبوطی سے

جوڑے ہوئے ہے وہ ایمان اور اسلام کی مضبوط رسی ہے۔

بھائی چارے کے متعلق قرآنی آیات

امت کا اِتحاد اور بھائی چارگی کا یہ رشتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت عزیز ہے، اسی لیے قرآن کریم اور احادِیث نبویہ میں جگہ جگہ اس پر بہت زور دیا گیا ہے اور اِختلافات اور تفریق سے روکا گیا ہے۔ بطور نمونہ چند آیات پیش کرتے ہیں۔

(۱) سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾

[آل عمران:۱۰۳]

اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اس کے اس احسان کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیا ہے جب کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے سخت دُشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کر دی، تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

(۲) سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [التوبہ:۷۱]

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں جو بھلے کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔

(۳) سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○﴾ [الحجرات:۱۰]

سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی چارگی عمل

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی مرتبہ وحی کا نزول ہوا تو آپ گھبرائے ہوئے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھبراہٹ کو دیکھا تو آپ کو تسلی کے چند کلمات کہے۔

(۱) آپ تو صلہ رحمی کرنے والے اور رشتہ ناطہ جوڑنے والے ہیں۔

(۲) آپ تو بے کسوں کا بوجھ اپنے سر رکھ لیتے ہیں۔

(۳) آپ غریبوں کے لیے کماتے ہیں۔

(۴) آپ مہمان نوازی کرنے والے ہیں۔

(۵) آپ تو مشکل وقت میں امر حق کا ساتھ دینے والے ہیں۔ (بخاری: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۳)

غور کیجیے! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی عبادت کا یا کثرتِ ذکر کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ آپ کی وہ عادتیں بتلائی جو انسانی خدمت اور بھائی چارے سے وابستہ ہے۔

مہاجرین اور انصار میں بھائی چارگی

حضورا قدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور مسجد نبوی کی تعمیر سے فراغت ہوئی تو ایک اہم کام جو آپ نے انجام دیا وہ ''مواخات'' یعنی بھائی چارہ تھا۔

مہاجرین مکہ اپنے وطن سے بے سروسامان نکلے تھے اور ان مہاجرین کا مہمان خانہ ہر ایک انصاری کا گھر تھا۔ تاہم ان کے لیے ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی، یہ مہاجرین بڑے خوددار تھے، ان میں سے اکثر تجارت پیشہ تھے۔ چنانچہ نذرا اور خیرات انھیں پسند نہ تھی، وہ محنت سے اپنا پیٹ پالنا چاہتے تھے۔ جب حضورا قدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو خیال فرمایا کہ اب مسلمانوں میں رشتۂ اخوت قائم کردینا چاہیے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو طلب فرمایا۔ حضورا قدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصار اور ایک مہاجر کو بلاتے رہے اور ان دونوں میں مواخات کا رشتہ قائم فرماتے رہے۔ اس طرح ہر انصار اپنے مہاجر بھائی کو اپنے ساتھ گھر لے گیا اور اپنا آدھا اثاثہ اس کے آگے رکھ دیا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صحیح بخاری کے حوالے سے ایک بڑا حیران کن واقعہ لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھائی قرار پائے تو وہ انھیں اپنے ساتھ گھر لے گئے اور ہر چیز نصف کر کے ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ میری دو بیویاں بھی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک جسے تم پسند کرو، میں اسے طلاق دیتا ہوں اس سے تم نکاح کرلو۔ ایثار کی اس سے بڑی مثال دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی اس پیش کش کا احسان مندی کے ساتھ انکار کردیا۔ (نسائی: کتاب النکاح/الھدیۃ لمن عرّس/رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

مؤمن مؤمن کے لیے آئینہ ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ہی مختصر مگر جامع بات ارشاد فرمائی کہ مؤمن مؤمن کے لیے آئینہ ہے۔(ابو داود: کتاب الادب/باب فی النصیحۃ والاحیاطۃ/رقم الحدیث: ۴۹۱۸)

آئینے کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجوہات

اب یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ مؤمن کو مؤمن کا آئینہ کیوں کہا گیا؟

حضرات محدثین عظام نے اس کی مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) ایک شخص جب آئینے کا سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اپنے چہرے پر کوئی گندگی دیکھتا ہے تو وہ قطعاً گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنے چہرے پر پلیدگی باقی رکھے، بلکہ وہ اسے فوراً زائل کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مؤمن کو بھی چاہیے کہ جب وہ کسی مؤمن کے اندر کوئی کمی دیکھیں تو اسے اپنا آئینہ سمجھتے ہوئے اس کی کمی کو اپنی کمی سمجھیں اور اسے زائل کرنے کی فوراً کوشش کریں۔

(۲) آئینے کے سامنے ایک فقیر کھڑا ہو یا بادشاہ وقت، وہ کسی سے نہیں ڈرتا اور بے خوف وخطر حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی دوسرے مؤمن کے تئیں اسی آئینے کی طرح بے باک ہونا چاہیے اور کسی شخصیت سے مرعوب ہو کر اسے منکر کی آزادی نہیں دینی چاہیے۔

(۳) آئینہ تبھی کچھ بولتا ہے جب آپ اس سے کچھ پوچھتے ہیں، بغیر پوچھے وہ کسی چیز کی شہادت نہیں دیتا۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی چاہیے کہ وہ اسی وقت شہادت دے جب اس سے شہادت طلب کی جائے۔

(۴) آئینہ منہ کی بات منہ پر کہتا ہے دل میں کچھ نہیں رکھتا۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی چاہیے

کہ کسی مؤمن کو تنبیہ کرنے کے بعد دل میں اس کے خلاف کچھ نہ رکھیں۔

(۵) آئینہ اسی وقت گویا ہوتا ہے جب آپ اس سے مخاطب ہوتے ہیں۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی اسی وقت بولنا چاہیے جب کوئی اس کی بات سننے والا اور سمجھنے والا ہو، بے موقع ومحل اپنا وقت ضائع نہ کریں۔

(٦) آئینہ اسی وقت تک گویا رہتا ہے جب تک آپ اس سے مخاطب رہتے ہیں۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی چاہیے کہ جب تک لوگوں کے اندر اس کی بات سننے کی خواہش ہو تب تک وہ گفتگو جاری رکھیں اور جب لوگ اکتا جائیں تو وہ اپنی بات ختم کردیں۔

(۷) آئینہ آپ کی بات آپ ہی کو بتاتا ہے پیٹھ پیچھے کسی اور سے نہیں کہتا۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی چاہیے کہ اپنے بھائی کی برائی اسی کے سامنے پیش کریں، پیٹھ پیچھے غیبت نہ کریں۔

(۸) آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی ایک مؤمن کے تعلق سے متعلق ہمیشہ سچی بات ہی کہنی چاہیے۔

(۹) آئینہ اچھائیاں اور برائیاں دونوں بیان کرتا ہے کسی ایک ہی پر اکتفا نہیں کرتا۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی چاہیے کہ جب وہ کسی شخصیت وغیرہ پر تبصرہ کریں تو دونوں پہلو سامنے رکھ دیں۔

(۱۰) آئینہ ہر چیز کو اس کی اصل مقدار و کیفیت میں پیش کرتا ہے مبالغہ یا تنقیص نہیں کرتا، مثلاً آپ آئینے کے سامنے ہیں آپ کے چہرے پر دو داغ ہیں تو آئینہ صرف دو داغ ہی بتائے گا کمی یا زیادتی نہیں کرے گا۔اسی طرح ایک مؤمن کو بھی چاہیے کہ وہ ایک مؤمن کے تعلق سے کسی بھی قسم کی مبالغہ آرائی یا تنقیص سے کام نہ لیں۔

بھائی چارہ کیسے قائم ہوگا؟

معاشرے میں بھائی چارہ قائم کرنے کے کچھ اصول ہیں۔

(۱) بھائی چارہ قائم کرنے کا پہلا اصول یہ ہے کہ تمام مسلمان مل جل کر زندگی گزاریں اور آپسی اختلاف سے پرہیز کریں۔

ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار کا شکار ہو کر بیدار رہتا ہے۔(مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الادب/باب ترحم المؤمنین و تعاطفہم و تعاضدہم/رقم الحدیث: ۲۵۸۶)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ایک ایسی چیز نہ بتلا دوں جس کا مقام روزہ، صدقہ اور نماز سے بڑھا ہوا ہے؟ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا ضرور بتایئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ چیز آپس میں لڑائی میں صلح کرانا ہے اور باہمی تعلقات کی خرابی نیکیوں کو مٹانے والی ہے۔

(ابوداود: کتاب الادب/باب فی اصلاح ذات البین/رقم الحدیث: ۴۹۱۹)

(۲) بھائی چارہ قائم کرنے کا دوسرا اصول یہ ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی برائی نہ کریں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو، بلکہ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی بھائی سے

تین دن سے زیادہ تک بات چیت بند کریں۔ (بخاری: کتاب الادب/باب ماینہی عن التحاسد والتدابر/رقم الحدیث: ۶۰۶۵)

دورِ نبوت کی دو عورتوں کا قصہ

مسند امام احمد میں حضرت عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ اور ایک آدمی نے ان کے بارے میں یہ بتلایا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہاں دو عورتیں ہیں۔ انھوں نے روزہ رکھا ہوا ہے لیکن وہ پیاس کی شدت کی وجہ سے مرنے کے قریب ہیں۔ آپ نے اس آدمی سے منہ موڑ لیا یا خاموش ہو رہے۔ اس نے اپنی بات دہرائی، اور میرا خیال ہے کہ وہ دوپہر کی شدت کی گرمی کا وقت تھا۔ اس نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم! وہ دونوں مر چکی ہیں یا مرنے کے قریب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں بلاؤ۔ وہ دونوں آ گئیں اور ایک پیالہ بھی لایا گیا۔ آپ نے ایک خاتون سے فرمایا کہ اس میں قئے کرو۔ اس نے خون، پیپ اور گوشت ملی قئے کی، آدھا پیالہ بھر گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری عورت سے فرمایا کہ تم بھی قئے کرو۔ اس نے بھی پیپ، خون اور تازہ گوشت کے لوتھڑوں وغیرہ کی قئے کی تو پیالہ بھر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا ہے، انھوں نے اسے تو چھوڑ کر روزہ رکھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو ان پر حرام کیا ہے، اس کے ساتھ انھوں نے روزہ کو ضائع کر دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ یہ دونوں بیٹھ کر لوگوں کا گوشت کھاتی رہیں یعنی غیبت کرتی رہیں۔ (الغیبۃ والنمیمۃ لابن ابی الدنیا/ص: ۵۴)

میں کبھی حسد نہیں کرتا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے

تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابھی ایک صاحب آئیں گے جو جنتی ہے۔ اس دوران ایک صاحب آئے اس حال میں کہ ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں پکڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے سلام کیا اور آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ گئے۔ اگلے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہی بات فرمائی کہ ابھی ایک صاحب آئیں گے وہ جنتی ہے اور وہی صاحب آئے جو گزشتہ کل آئے تھے۔ تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہی بات ارشاد فرمائی تو وہی صاحب آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں مجلس ختم ہونے کے بعد جانے لگا تو ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور ان سے کام میری والد صاحب سے لڑائی ہوگئی ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ کیا مجھے تین دن تم اپنا مہمان بنا سکتے ہو؟ خیر و برکت کا دور تھا انھوں نے فوراً ہاں کہا بات اصل یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کا عمل کیا ہے جس کی وجہ سے سرکاری تعالیٰ نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت سنائی ہے۔ تین دن ان کے مکان پر قیام کیا اور ان کے عمل کا بغور جائزہ لیا مگر ایسا کوئی عمل نہیں پایا جو قابل توجہ ہو۔ بالکل صاف کہہ دیا کہ میری اپنے والد سے کوئی رنجش نہیں ہوئی تھی۔ بات اصل یہ تھی کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن سے تمھارے بارے میں جنتی ہونے کہ بشارت سنا رہے تھے۔ اس لیے میں تمھارے عمل کا جائزہ لینے آیا تھا۔ ان صاحب نے جواب دیا کہ میرا عمل تم نے دیکھ لیا کہ کوئی خاص نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما وہاں سے جانے لگے تو انھوں نے کہا کہ ٹھہرو۔ فرمایا کہ ہاں! ایک عمل اور خوبی مجھ میں ہے کہ میں کبھی کسی پر حسد نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یہی وہ عمل ہے جس کی وجہ سے سرکار دوعالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا ہی میں تم کو جنت کی بشارت سنا دی۔(کنز العمال ر)

(۳) بھائی چارہ قائم کرنے کا تیسرا اصول یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا خیال رکھیں۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر خود ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار یہ الفاظ فرمائے کہ تقویٰ کی جگہ یہ ہے۔ کسی شخص کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔(مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الادب/باب تحریم ظلم المسلم/رقم الحدیث: ۲۵۶۴)

حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حجۃ الوداع کا دن تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اس کی لگام پکڑ لی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ آج کونسا دن ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نام کے علاوہ نام رکھیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا یہ نحر کا دن نہیں؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں۔ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر ہی جانتے ہیں راوی کہتے ہیں یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس

کے نام کے علاوہ کوئی اور نام رکھیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا یہ شہر مکہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیشک تمھارے خون اور تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارا رایہ دن اس مہینے اور اس شہر میں حرام ہے پس موجود لوگ غائب کو یہ بات پہنچا دیں ۔ پھر آپ مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں ذبح کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکریوں کے ایک ریوڑ کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں ہمارے درمیان تقسیم کردیا۔ (بخاری: کتاب الحج /باب الخطبۃ ایام منیً /رقم الحدیث: ۱۷۴۱)

(۴) بھائی چارہ قائم کرنے کا چوتھا اصول یہ ہے کہ مسلمان اپنے بھائی کو تکلیف نہ پہونچائیں۔

ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ ہو۔ (بخاری: کتاب الایمان /باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ /رقم الحدیث: ۱۰)

حسن سلوک کا ایک عجیب واقعہ

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے پڑوس میں ایک مجوسی رہتا تھا، وہ بوڑھا ہو گیا لیکن اسے اسلام کے توفیق نہیں ملی تھی۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے اس مجوسی پڑوسی کو بلوایا۔ جب وہ مجوسی پڑوسی حاضر ہوا تو حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا جاؤ اس کمرے میں جا کر دیکھو کیا ہے؟ وہ پڑوسی جب اس کمرے میں گیا تو دیکھا کہ ایک ٹب رکھا ہے اور مجوسی کے دیوار سے اس ٹب

میں ناپاک پانی ٹپک رہا ہے۔ مجوسی کہنے لگا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ پچھلے ایک سال سے تمھارے گھر کے بیت الخلاء ناپاک پانی پڑھ رہا ہے۔ ہم نے ٹب رکھ دیا ہے تاکہ ناپاک پانی اس میں گرے اور جب بھر جاتا ہے تو رات میں اس کو پھینک دیا جاتا ہے ۔مجوسی کہنے لگا آپ نے مجھ کو پہلے سے کیوں نہیں بتلایا؟ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ہمیں یہ بات پسند نہیں آئی کہ ہم بتلائیں اور تمھیں تکلیف ہو۔ مگر اب میری وفات کا وقت قریب ہے تو میں نے سوچا آپ کو اطلاع کردوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد والے اس عمل کو برقرار نہ رکھ سکے۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کا اس مجوسی پڑوسی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا (ایک جامع قرآنی وعظ ص: ۱۳۸)

ایک غیر مسلم کے ساتھ ان کا حسن سلوک اس قدر ہے تو پھر اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کتنا اچھا معاملہ ہو گا یہ آپ خود اندازہ لگائیں۔

(۵) بھائی چارہ قائم کرنے کا پانچواں اصول یہ ہے کہ اپنے بھائی کے لیے وہ پسند کریں جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ نہ پسند کرے جو کہ وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری: کتاب الایمان/ باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ/ رقم الحدیث: ۱۳)

حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا حسن انتخاب

محدثین کی جماعت میں حضرت امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ اپنی

کتاب ابوداؤد شریف کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کی پانچ لاکھ احادیث زبانی یاد کی۔ جن میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث چھانٹ کر کتاب لکھی جو سنن ابی داؤد کے نام سے مشہور ہے اور مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اور ان میں سے چار روایات ایسی ہیں کہ اگر کوئی بندہ ان پر عمل کر لے تو دین اور دنیا دونوں اعتبار سے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ گویا ان چار روایات پر دین اور دنیا کا مدار ہے۔ (مقدمہ ابوداود ص:۵)

ان چار روایات میں سے ایک روایت یہی ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(٦) بھائی چارہ قائم کرنے کا چھٹا اصول یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف و پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کی کسی دنیوی پریشانی کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی اخروی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور فرمائے گا اور جو کسی محتاج کے لیے آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرات میں آسانی فراہم کرے گا اور جو کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ اس وقت بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (ترمذی: ابواب الحدود عن رسول اللہ ﷺ / باب ماجاء فی الستر علی المسلم / رقم الحدیث: ۱۴۲۵)

(۷) بھائی چارہ قائم کرنے کا ساتواں اصول یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے حقوق کو ادا

کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر چھ حقوق ہیں۔ جب ملاقات ہوتو اسے سلام کرو، جب دعوت دے تو قبول کرو، جب نصیحت کرے تو نصیحت کرو، جب چھینک پر الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ کہو جب بیمار ہوجائے تو عیادت کرو اور جب وفات پاجائے تو جنازہ میں شرکت کرو۔ (مسلم: کتاب السلام/باب من حق المسلم للمسلم رد السلام/رقم الحدیث: ۲۱۶۲)

ایک حدیث قدسی

ایک حدیث قدسی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کہے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی؟ کہ وہ کہے گا اے اللہ! میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ آپ رب العالمین ہیں۔ وہ فرمائے گا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب! میں آپ کو کھانا کیسے کھلاتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ وہ کہے گا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ وہ کہے گا آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ وہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اسے پانی نہیں پلایا اگر تو اسے پانی

پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔(مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الادب/باب فضل عیادۃ المریض/ رقم الحدیث: ۲۵۶۹)

(۸) بھائی چارہ قائم کرنے کا آٹھواں اصول یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی بتلائی جائے۔

ہمدردی کا ایک عجیب واقعہ

حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یرموک کی لڑائی میں اپنے چچازاد بھائی، جو اس لڑائی میں شریک تھے، کی تلاش میں نکلا۔ میں نے ایک پانی کا مشکیزہ ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہو تو پانی پلاؤں۔ اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے تھے کہ دم توڑ رہے تھے۔ میں نے پوچھا پانی دوں؟ اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی زخمی پڑے تھے، انھوں نے جاں کنی کے عالم میں آہ بھری۔ میرے چچازاد بھائی نے آہ سن کر ان کی جانب اشارہ کیا کہ پہلے انھیں پلاؤں۔ میں ان کی جانب بڑھا تو وہ ہشام بن ابی العاص تھے۔ ابھی میں پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ہی ایک تیسرے صاحب جو قریب الموت تھے، انھوں نے بھی آہ کی۔ ہشام نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر پہنچا تو وہ شہادت پا چکے تھے۔ پھر میں ہشام کے پاس آیا تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔ ان کے پاس سے ہی واپس اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو اس دوران وہ بھی شہادت پا چکے تھے۔ اس طرح وہ پانی جوں کا توں موجود رہا اور تینوں نے اپنے بھائی کو ترجیح دینے میں جان پیش کر دی۔(فضائل اعمال/ص: ۵۷۶)

خود بھوکے رہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں بھوک سے نڈھال ہوں۔ پس آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کی طرف پیغام بھیجا انھوں نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری بیوی کی طرف پیغام بھیجا، اس نے بھی اس کے مثل جواب دیا حتی کہ تمام ازواج نے یہی کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میرے پاس سوائے پانی کے کچھ نہیں۔ پس نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج کی رات کون ان کو مہمان بنائے گا؟ تو ایک انصاری صحابی نے کہا کہ یارسول اللہ میں۔ پس وہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کی عزت کرنا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے ؟ اس نے کہا نہیں صرف بچوں کے لیے کھانا ہے، اس نے کہا ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو اور جب وہ رات کا کھانا مانگیں تو انھیں کسی طریقے سے سلا دینا اور جب ہمارا مہمان گھر میں داخل ہو تو چراغ بجھا دینا۔ اور اس پر ظاہر کرنا کہ ہم بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ سب کھانا کھانے کے لیے بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھایا اور دونوں نے رات بھوکے رہ کر گزاری جب صبح ہوئی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا تم دونوں نے آج کی رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوا ہے۔

(بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ الحشر/باب قولہ ویؤثرون علی انفسہم/رقم الحدیث/ ۴۸۸۹)

(۹) بھائی چارہ قائم کرنے کا نواں اصول یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کی جائے،

اس کی برائیوں کو بیان نہ کیا جائے۔

پردہ پوشی کی فضیلت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حدیث شریف حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے سننے کے لیے مدینہ منورہ سے مصر کا سفر فرمایا۔ جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مصر پہونچنے کی اطلاع ملی تو امیرِ مصر نے ان کا استقبال کیا اور مصر جا کر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے براہ راست وہ حدیث سنی اور وہ حدیث پردہ پوشی کے متعلق تھی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا کہ جو شخص دنیا میں کسی مؤمن کے عیب چھپاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (انوار ہدایت/ص: ۴۹۵)

ابوداود شریف اور نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے منشی حضرت دُخین ابوالہیثم کہتے ہیں میں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا ہمارے چند پڑوسی شراب پیتے ہیں، میں اُن کے لیے پولیس کو بلانا چاہتا ہوں تاکہ وہ ان کو پکڑ لیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسے نہ کرو بلکہ ان کو وعظ و نصیحت کرو اور ان کو ڈراؤ! میں نے کہا میں نے ان کو روکا تھا لیکن وہ رکے نہیں، اس لیے میں تو اب ان کے لیے پولیس کو بلانا چاہتا ہوں تاکہ وہ ان کو پکڑ لیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا تمھارا ناس ہو! ایسے نہ کرو! کیوں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے عیب کو چھپایا تو گویا اس نے زندہ درگور لڑکی کو زندہ کیا۔ (ابوداود: کتاب الادب/باب فی الستر علی المسلم/رقم الحدیث: ۴۸۹۲)

ایک عجیب واقعہ

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگوں میں سے گزرے ہیں۔اصم کے معنیٰ آتے ہیں بہرہ یعنی جس کی قوت سماعت مفقود ہو۔ کہتے ہیں کہ ایک عورت آپ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آئی تو اتفاق سے اس کی ریح خارج ہوگئی، جس کی وجہ سے اس کو بہت ندامت ہوئی۔آپ نے فرمایا کہ زور سے کہو، میں بہرہ ہوں۔ پھر اس عورت نے زور سے وہ مسئلہ پوچھا اور آپ نے جواب دیا تو وہ چلی گئی۔ درحقیقت آپ بہرے نہیں تھے،لیکن اس عورت کی شرمندگی کو دور کرنے کے لیے آپ بالقصد بہرے بن گئے تھے۔اسی وجہ سے آپ کو اصم یعنی بہرہ کہا جاتا ہے۔(تذکرۃ الاولیاء،ص: ۱۶۴)

(۱۰) بھائی چارہ قائم کرنے کا دسواں اصول یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کی جائیں۔ اگر اسے کچھ ضرورت ہے، فاقہ ہے، تنگی ہے اور آپ کے پاس وسعت ہے تو اس کی امداد کی جائیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی حاجت پورا کرنے کے لیے چلے کہ میں اس کی حاجت پورا کردوں گا تو یہ دس برس کے اعتکاف سے بہتر ہے۔اور جس نے اعتکاف کیا ایک دن کا اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرمائیں گے، اور ان میں سے ہر خندق اتنی بڑی ہے جیسے آسمان و زمین کی مسافت۔(شعب الایمان للبیہقی، رقم الحدیث: ۳۹۶۵)

جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی فضیلت کیا ہوگی؟ اور دس برس کے اعتکاف سے بڑھ کر ہے کسی کی حاجت پورا کرنا۔اس پر بزرگان دین

نے عمل کر کے بتلایا۔

ایک سبق آموز واقعہ

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ایک غیر مسلم ان کے پاس آیا،اس نے کہا میرا کھیت جس میں میں نے برسوں محنت کی،اور وہاں سے سنگریزے نکال نکال کر دور سے مٹی لا کر ڈالی،برسوں کی محنت کے بعد میں نے کھیت تیار کیا،یہاں کا جو مسلم حاکم ہے اس نے میرے کھیت پر جبراً قبضہ کرلیا،تو اگر آپ دہلی کے بادشاہ کو لکھ دیں،اس لیے کہ دہلی کا بادشاہ آپ کے مرید کا بھی مرید ہے۔وہ یہاں کے حاکم کو لکھ دیگا تو میرا کھیت چھوٹ جائے گا۔حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سر جھکا کر بیٹھ گئے،سوچتے رہے،فرمایا کل آنا ساتھ چلیں گے،کہاں اجمیر اور کہاں دہلی!اس زمانے میں کوئی سواری نہیں تھی،پیدل سفر کرنا ہے،اور کتنے معمولات سفر میں چھوٹ جایا کرتے ہیں،یہ بہت خوش ہوا اس کو توقع بھی نہیں تھی۔دوسرے روز تیاری کر کے آ گیا،حضرت نے اس کو ساتھ لیا اور دونوں ساتھ چلے،جب دہلی کے قریب پہونچے تو بادشاہ وقت کو معلوم ہوا کہ میرے شیخ کے شیخ تشریف لا رہے ہیں۔استقبال کے لیے وزرا،امرا اور لشکر لے کر نکلا اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟برجستہ فرمایا کہ یہ غریب آدمی ہے میرے ساتھ آیا ہے،اجمیر کے مسلم حاکم نے اس کے کھیت پر جبراً قبضہ کرلیا ہے،اگر آپ لکھ دیں تو وہاں کا حاکم چھوڑ دے گا۔اس نے کہا بس اتنی بات ہے،فوراً لکھ دیا،یہ واپس آ گئے،خط لا کر اجمیر کے حاکم کو دے دیا تو حاکم نے فوراً کھیت چھوڑ دیا۔لیکن اس غیر مسلم پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔(فیضان عارف:۱/۳۰۵)

اللہ رب العزت ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون:(۲۳)

دنیا کی حقیقت و مذمت

تعارف

۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۵؍مئی ۲۰۲۱ء

بروز: بدھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّلَہۡوٌ وَّزِیۡنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَتَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَہِیۡجُ فَتَرٰىہُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَکُوۡنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانٌ ؕ وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ۝﴾ [الحدید: ۲۰]

تمہید

یہ سورۂ حدید کی ۲۰ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی اور اس کی حقیقت و حیثیت کو مثال کے ذریعے بڑے پیارے انداز میں سمجھایا ہے۔ قرآن وحدیث میں دنیا کو مختلف چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

آیت پاک کا مفہوم

اس آیت پاک میں دنیا کی زندگی کا چھ چیزوں میں منحصر ہونا بتلایا گیا ہے۔ وہ چھ چیزیں یہ ہیں۔

(۱) لعب: وہ کھیل جس میں کچھ فائدہ نہ ہو۔ جیسے چھوٹے بچوں کی حرکتیں۔

(۲) لہو: وہ کھیل جس کا مقصد تفریح ہو اور ساتھ ساتھ کچھ ورزش بھی ہو جائے۔ جیسے بڑے بچوں کے کھیل، نشانہ بازی وغیرہ۔

(۳) زینت: بدن اور لباس کو سنوارنا۔

(۴) تفاخر: اپنے ہم عصر اور ہم عمر سے آگے بڑھنا اور اپنی برتری بتلانا۔

(۵) اموال کی کثرت۔

(۶) اولاد کی کثرت۔

ان چھ چیزوں میں انسان کی زندگی گھری ہوئی ہے۔ انسان کا بچپن لعب اور لہو میں گزرتا ہے۔ کھیل کود کو ہی وہ اپنا مقصد اصلی سمجھتا ہے۔ انسان کی جوانی زینت اور تفاخر میں گزرتی ہے۔ انسان کا بڑھاپا اموال اور اولاد کی کثرت میں گزرتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ اس دنیوی زندگی کو ایک اور مثال سے سمجھاتے ہیں کہ دنیوی زندگی تو کھیتی کی طرح ہے۔ کھیتی کی ابتدا بیج سے ہوتی ہے، اسی طرح انسان کی ابتدا بھی نطفے سے ہوتی ہے۔ پھر جس طرح بیج سے کونپلیں نکلتی ہیں اسی طرح انسان بچے کی شکل میں جنم لیتا ہے۔ پھر کھیتی ہری بھری ہوتی ہے اسی طرح انسان بھی جوانی کے دور سے گزرتا ہے، پھر کھیتی زرد ہو کر مرجھا جاتی ہے، اسی طرح انسان بھی بوڑھا ہو کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو متاع کہا ہے۔

لفظ متاع کی تحقیق اور صاحب بن عباد رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

متاع کے اصلی معنیٰ کیا ہے؟ ایک بہت بڑے امام لغت گزرے ہیں صاحب ابن عباد رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے تین لفظ میری سمجھ میں کما حقہٗ نہیں آئے۔ اب ان کے یہاں جتنی لغتیں تھیں سب چھان لیں اور خود بھی امام لغت ہیں لیکن تسلی نہیں ہوئی۔ وہ تین لفظ کون سے تھے؟ ایک ہے تبارک، جیسے حق تعالیٰ کا فرمان:

﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ﴾ [الفرقان: ۱] اور

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ [الملک:۱]

دوسرا لفظ ہے رقیم جیسے حق تعالیٰ کا فرمان :

﴿أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ﴾ [الکہف:۹]

تیسرا لفظ یہی متاع ہے۔

ان تینوں کلمات کے معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے ، گھر چھوڑ دیا اور ان کی تحقیق میں نکل پڑے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ پورا قرآن سمجھ میں نہ آئے تو کوئی پریشانی نہیں اور وہاں حال یہ ہے کہ صرف تین لفظ سمجھنا چاہتے تھے، اور وہ سمجھ میں نہ آئے تو پریشان ہو گئے اور گھر میں رہنا دشوار ہو گیا۔ گھر چھوڑ دیا اور قبائل عرب کے دورے پر نکل پڑے، چھوٹی چھوٹی بستی اور گاؤں کا دورہ کرتے جہاں خالص عربی زبان بولی جاتی۔ ممکن ہے کسی سے پوچھ لے اور کوئی بتلا دے۔ نہ معلوم کتنا عرصہ ہوا ہو گا گھومتے گھومتے ، اللہ تعالیٰ کو بھی رحم آیا تو ایک بستی میں پہونچے۔ وہاں دیکھا کہ ایک عورت ہے جو برتن مانجھ رہی ہے اور ایک کپڑے سے اسے صاف کر رہی ہے۔ پاس میں اس عورت کا بچہ بھی ہے، ماں پانی لینے گئی اور بچہ کو وہیں چھوڑ گئی۔ ماں کے جانے کے بعد ایک چتکبرا کتا آیا، اس نے کپڑے کو سونگھا اس میں کھانے کی بو آ رہی تھی تو اس نے کپڑے کو اٹھایا اور قریب کے ایک ٹیلے پر چلا گیا۔ ماں جب واپس آئی تو دیکھا کپڑا غائب ہے تو بچے سے پوچھا ’’يا صبي اين المتاع ؟‘‘ اے بچے! وہ متاع کہاں ہے؟ بچے نے جواب دیا ’’يا امي جاء الرقيم و اخذ المتاع و تبارك الجبل‘‘ کہ چتکبرا کتا آیا، اس نے متاع کو لیا اور پہاڑ پر چلا گیا۔ تینوں لفظ کے معنیٰ معلوم ہو گئے کہ تبارک کے معنیٰ بلندی کے اور رقیم کے معنیٰ چتکبرا یعنی کالا سفید اور متاع کے معنیٰ صافی یعنی برتن صاف کرنے کا

کپڑا۔(واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے ر ص:۲۲۹)

دنیا پانی کی طرح ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں دنیا کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾

[الکہف:۴۵]

آپ بیان کیجیے ان کو دنیا کی زندگی کی مثال کہ وہ آسمان سے اترنے والے پانی جیسی ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں دنیا کو پانی کے ساتھ مشابہت دینے کی چار وجہیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) پانی ایک جگہ ٹھہرتا نہیں، اسی طرح دنیا بھی ٹھہرتی نہیں بلکہ چلی جاتی ہے۔

(۲) پانی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا اسی طرح دنیا بھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔

(۳) پانی میں جو بھی داخل ہوگا پانی اس پر اپنا اثر ڈالے گا یعنی اسے تر کر دے گا اسی طرح دنیا میں جو بھی قدم ڈالے گا وہ فتنے میں ضرور مبتلا ہوگا۔

(۴) پانی مقدار میں ہو تو نفع دے گا۔ اگر مقدار سے بڑھ جائے تو نقصان دیتا ہے۔ اسی طرح دنیا بھی بقدر ضرورت نافع ہے ورنہ مضر ہے۔(تفسیر قرطبی مترجم:۸۵۰/۵)

دنیا کو قید خانہ کیوں کہا گیا؟

ایک حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔(مسلم: کتاب الزہد والرقائق ر

۲۹۵۶)

اگر یہاں کوئی سوال کرے کہ حضور اقدس ﷺ نے دنیا کو قید خانے کے مشابہ کیوں قرار دیا؟ تو حضرات محدثین عظام نے اس کی مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) قید خانے میں قیدی قانون کا پابند ہوتا ہے، قانون کے خلاف وہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح مؤمن بندہ بھی دنیا میں اللہ رب العزت کے قانون کا پابند ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ قیدی قانون پر مجبوری سے عمل کرتا ہے اور مؤمن بندہ خوشدلی سے عمل کرتا ہے۔

(۲) جس طرح قیدی کو قید خانے میں صعوبتیں اور پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہے، اسی طرح مؤمن بندے کو بھی دنیا میں صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہے۔

(۳) جس طرح قیدی قید خانے میں رہنے کو پسند نہیں کرتا، بلکہ اس سے نکلنے اور رہائی پانے کی خواہش کرتا ہے، اسی طرح سچا مؤمن بھی دنیا میں رہنے کی خواہش نہیں کرتا، اسے تو دنیا قید خانہ معلوم ہوتی ہے۔

(۴) قید خانے میں قیدی کو کتنی ہی راحتیں اور سہولتیں دی جائیں، مگر ان سب سے اس کو خوشی نہیں، اسی طرح سچے مؤمن کو دنیا میں ملنے والی راحتوں سے خوشی نہیں ہوتی، بلکہ آخرت کی نعمتوں سے خوشی ہوتی ہے۔ (مظاہر حق: ۶/ ۴، ۵)

دنیا اس سے بھی ذلیل ہے

حضور اقدس ﷺ کا گزر بکری کے ایک چھوٹے کانوں والے مردہ بچے کے پاس سے ہوا، آپ نے اس کے کانوں کو پکڑ کر فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو بکری کے اس چھوٹے کانوں والے مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدنے کے لیے آمادہ و تیار ہے؟ صحابۂ کرام نے

عرض کیا کہ ہم بکری کے اس مردہ بچہ کو جس کے کان بھی چھوٹے ہیں ایک درہم میں تو کیا اس کو مفت لینے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں، اور اس کو ہم لے کر کیا کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس کو لینا گوارہ کرو گے؟ صحابہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی عیب دار تھا، کیوں کہ اس کے دونوں کان چھوٹے ہیں۔ اب جب کہ وہ مر چکا ہے تو ہم اس کو کیسے خریدنا گوارہ کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم! بکری کے چھوٹے کانوں والے اس مردہ بچے کی جو حیثیت تمھارے یہاں ہے اللہ کے یہاں دنیا کی حیثیت اس سے بھی کمتر ہے۔ (مسلم: کتاب الزهد و الرقائق / رقم الحديث: ۲۹۵۷)

دنیا سایے کی طرح ہے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں دنیا کی بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہے۔ ایک مثال سایے کی ہے۔ سایہ بظاہر حرکت کرتا نظر نہیں آتا، لیکن حقیقت میں وہ حرکت کرتا ہے۔ اس کی حرکت اگر چہ آنکھ سے محسوس نہیں ہوتی، بلکہ عقل سے سمجھ میں آتی ہے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۳۷)

دنیا خواب کی طرح ہے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مثال دیتے ہیں کہ دنیا خواب کی طرح ہے۔ جس طرح خواب دیکھنے والا بہت کچھ دیکھتا ہے، لیکن صبح آنکھ کھلتی ہے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح دنیا اپنے خیالات سے آدمی کو دھوکا دیتی ہے۔ یونس بن عبید کہتے ہیں کہ میں دنیا میں اپنے وجود کو سونے والے کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں جو خواب میں بھیانک منظر دیکھے، پھر اچانک

آنکھ کھل جائے۔ اسی طرح لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب موت سے اچانک آنکھ کھلے گی تو اس وقت ہاتھ خالی ہوں گے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۴۷)

دنیا جزیرے کی طرح ہے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بہترین مثال دی ہے۔ جیسے کچھ لوگ کشتی میں سفر کرتے ہوئے ایک جزیرے پر پہونچے۔ جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ کچھ دیر یہاں اترواور اپنی ضرورتوں سے فارغ ہوجاؤ، یہاں ٹھہرنا نہیں ہے۔ سارے لوگ اتر گئے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو جلدی سے اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر جہاز میں آکر مناسب جگہوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو جزیرے پر ٹہلتے رہیں، جب انھیں احساس ہوا تو جلدی سے جہاز کی طرف چلے۔ یہاں آکر دیکھا تو پتہ چلا کہ مناسب جگہوں پر تو قبضہ ہو چکا ہے۔ پھر بھی جہاں جگہ ملی غنیمت سمجھ کر بیٹھ گئے۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ جزیرے کے خوشنما منظر نے ان کو اپنی جانب مشغول رکھا یہاں تک کے جہاز کے روانہ ہونے کا وقت آگیا اور وہ جزیرے پر سیر و تفریح میں مشغول رہیں۔ جہاز اپنے وقت پر روانہ ہوگیا اور یہ لوگ رہ گئے۔

جب رات ہوئی تو اب انھیں ڈر لگنے لگا۔ چاروں طرف پانی ہے، موجوں کی آوازیں آرہی ہے، ہر طرف سناٹا چھایا ہے۔ صبح میں جو جزیرہ دلکش اور خوشنما معلوم ہو رہا تھا وہ جزیرہ اب بڑا بھیانک اور خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مثال دے کر ہمیں سمجھایا ہے کہ دنیا بھی ظاہر میں صبح کے وقت کے جزیرے کی طرح خوبصورت اور خوشنما ہے، لیکن حقیقت میں رات کے وقت کی طرح خوفناک اور ڈراونی ہے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۴۲)

دنیا کی حقیقت احادیث مبارکہ کی نظر میں

دنیا کی مذمت، اس کی برائی اور بے حیثیت پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بھرے پڑے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند حدیثیں پیش کیا جاتی ہیں۔

(۱) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اگر دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کسی ایک کافر کو پانی کا گھونٹ تک بھی نہ دیتا۔ (ترمذی: ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ما جاء فی ہوان الدنیا علی اللہ عزوجل / رقم الحدیث: ۲۳۲۰)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا کندھا پکڑا، پھر فرمایا کہ دنیا میں تم ایسے رہو جیسے ایک اجنبی آدمی یا مسافر رہتا ہے۔ حضرت ابن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کیا کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کے منتظر نہ رہو، نیز تندرستی میں بیماری کے لیے اور زندگی میں موت کے لیے تیاری کرلو۔ (بخاری: کتاب الرقاق / باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل / رقم الحدیث: ۶۴۱۲)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے تعلق کو دائمی رکھنا چاہتی ہو تو تمھارا دنیا سے صرف اتنا تعلق ہونا چاہیے جتنا سوار کا توشہ ہوتا ہے۔ مالداروں کی مجلس سے اجتناب کرو اور پیوند لگائے بغیر کپڑے کو پرانا نہ کرو۔ (ترمذی: ابواب اللباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی ترقیع الثوب / رقم الحدیث: ۱۷۸۰)

(۴) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چٹائی

پر سو گئے۔ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ کے پہلو پر چٹائی کا نشان پڑ گیا تھا، صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم آپ کے لیے ایک بچھونا بنا دیں تو بہتر ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے، میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سوار ہو جو ایک درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے بیٹھے، پھر وہاں سے کوچ کر جائے اور درخت کو اسی جگہ چھوڑ دے۔ (ترمذی: ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۲۳۷۷)

(۵) حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے کہ جس طرح تم میں سے کوئی آدمی اپنی انگلی اس دریا میں ڈال دے پھر دیکھے کہ وہ انگلی اس میں سے کیا نکال کر لائی ہے۔ (ترمذی: ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۲۳۲۳)

(۶) بخاری شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ دنیا پیٹھ پھیر کر بھاگ رہی ہے اور آخرت سامنے آرہی ہے اور دنیا و آخرت ہر ایک کے الگ الگ بیٹے ہیں، تو تم آخرت کے بیٹے بنو، دنیا کے بیٹے نہ بنو، اور فرمایا کہ آج عمل کا دن ہے کوئی حساب و کتاب نہیں، اور کل حساب کا دن ہوگا عمل کا نہیں۔ (بخاری: کتاب الرقاق / باب فی الامل وطولہ)

(۷) ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی محبت کو تمام خطاؤں کی جڑ قرار دیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۴۴)

(۸) ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہونچاتا ہے، اور جو شخص آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہونچاتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۴۴۱)

دنیا کے متعلق اقوال سلف

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دنیا اور آخرت کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۲۲)

(۲) حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے فرزند کو نصیحت کی اے بیٹے! اپنی دنیا کو دین کے بدلے بیچ تو دو جہان میں نفع ملے گا۔ اپنے دین کو دنیا کے بدلے مت بیچو، دونوں جہاں میں خسارہ ہوگا۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۲۷)

(۳) حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا ایک مجمع کے پاس سے گزری۔ وہ لوگ دنیا کی برائی کررہے تھے۔ فرمانے لگیں کہ اس کا ذکر برائی سے بھی مت کرو، اس کے ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی تمھارے دلوں میں اس کی وقعت ہے، اگر یہ نہ ہوتی تو کوئی ذکر نہ کرتا۔ کیا پاخانے کا کوئی ذکر کرتا ہے؟ (احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۲۷)

(۴) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا ساری کی ساری مجھے مل جائے اور مجھ سے اس کا حساب نہ لیا جائے تب بھی میں اس سے ایسی گھن اور کراہت کروں گا جیسے تم لوگ مردار جانور سے کرتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۲۹)

(۵) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں داخل ہونا تو بہت آسان ہے مگر نکلنا بہت مشکل ہے۔ (فضائل صدقات/ص: ۴۳۵)

(٦) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو تھوڑی دنیا عطا فرما کر روک لیتا ہے، جب وہ مال ختم ہو جاتا ہے تو پھر تھوڑا سا دے دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے اس پر دنیا کو پھیلا دیتا ہے۔

فضائل صدقات ۶/۴۳۶)

(۷) حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت اور گناہوں نے ہمارے دلوں کو وحشی بنا رکھا ہے، اس لیے خیر کی بات دل تک پہونچتی نہیں، یعنی اثر نہیں کرتی۔ (نایاب موتی: ۲/۲۵۶)

(۸) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں پر نظر ڈالو، گویا وہ اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا نشانہ ہیں، اسی لیے تو نا اہلوں کو دی گئی ہیں۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/۳۲۶)

(۹) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا شیطان کی دکان ہے، تو اس کی دکان میں سے کوئی چیز مت چرا، ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے پیچھے پڑ جائے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/۳۲۷)

(۱۰) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس جادوگرنی سے بچو، یہ تو علما پر بھی جادو کر دیتی ہے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/۳۲۹)

دنیا کیسی ہے؟

دنیا کی حیثیت اور حقیقت کیا ہے؟ ہم اس کو چند مثالوں سے سمجھتے ہیں۔

آؤ، میں تمھیں دنیا دکھاؤں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آؤ، میں تمھیں دنیا کی حقیقت دکھاؤں۔ میں نے کہا ضرور۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے باہر ایک کوڑی پر تشریف لے گئے، جہاں آدمیوں کی کھوپڑیاں، پاخانے، پھٹے ہوئے چیتھڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو ہریرہ! یہ

آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں، یہ دماغ اسی طرح دنیا کی حرص کرتے تھے جیسے تم زندہ آج کل کر رہے ہو۔ یہ بھی اسی طرح امیدیں باندھتے تھے جیسے تم امیدیں لگائے ہوئے ہو۔ آج بغیر کھال کے پڑی ہوئی ہیں اور چند روز بعد مٹی ہو جائے گی۔

یہ پاخانے وہ رنگ برنگ کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے کمایا، پھر تیار کیا اور کھایا، اب یہ اس حال میں پڑے ہیں کہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ لذیذ کھانا جس کی خوشبو دور سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی تھی آج اس کی یہ انتہا ہے کہ اس کی بدبو سے لوگوں کو نفرت ہے۔

یہ چیتھڑے زینت کا لباس ہے جن کو پہن کر آدمی اکڑتا تھا۔ آج یہ اس حال میں ہے کہ ہوائیں اس کو اِدھر اُدھر پھینکتی ہیں۔

یہ ہڈیاں ان جانوروں کی ہیں جن پر لوگ سواری کرتے تھے، گھوڑوں پر بیٹھ کر مٹکتے تھے، دنیا میں گھومتے تھے۔

پھر فرمایا کی جسے ان احوال پر اور ان کے عبرتناک انجام پر رونا ہو وہ ان کو دیکھ کر روئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سب بہت روئے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۳/۳۲۰)

شب معراج میں دنیا کو دیکھنا

شب معراج میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم براق پر سوار ہو کر جا رہے تھے تو راستے میں ایک بوڑھی عورت اور ایک بوڑھا مرد ملے جو آپ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی جانب توجہ نہ دیجیے۔ بعد میں بتلایا کہ وہ بوڑھا شیطان تھا اور بوڑھی دنیا تھی، دونوں آپ کو اپنی جانب مائل کرنا چاہتے تھے، اور دنیا کی عمر اتنی

ہی رہ گئی جتنی اس بوڑھی عورت کی۔ (سیرت المصطفیٰ: ۱/ ۲۸۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے دنیا منکشف ہونا

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے دنیا کی حقیقت منکشف ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ نہایت بوڑھی عورت ہے، بڑھاپے کی وجہ سے دانت بھی ٹوٹ گئے ہیں، نہایت شان وشوکت والا لباس پہن رکھا ہے، ہر قسم کی زینت کا سامان اس پر ہے، بالکل دلہن کی طرح بنی ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تو نے اب تک کتنے نکاح کیے؟ اس نے کہا ان کا تو کوئی شمار نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تیرے پرانے خاوند مر گئے یا انھوں نے تجھے طلاق دے دی؟ اس نے کہا میں نے سب کو قتل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے باقی شوہروں کا بھی ناس ہو کہ وہ تیرے گذشتہ شوہروں سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ تو نے کس طرح ایک ایک کر کے سب کو ختم کر دیا۔ (فضائل صدقات/ ۴۴۲)

تم نے دنیا کو بہت دیکھا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نجران شہر سے ایک بزرگ آئے جن کی عمر دوسو سال کی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے دنیا کو بہت دیکھا، کیسا پایا؟ انھوں نے کہا چند سال راحت کے اور چند سال تکلیف کے۔ ہر دن رات کوئی نہ کوئی مر جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی پیدا ہوتا ہے۔ اگر پیدا ہونا بند ہو جائے تو یہ دنیا ایک دن ختم ہو جائے گی اور مرنا بند ہو جائے تو دنیا میں رہنے کی کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ اس لیے یہ معتدل نظام ہے کہ کچھ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگ مرتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ سے کوئی چیز ہو، میرے قابل کوئی کام ہو تو بتلاؤ۔

انھوں نے کہا کہ میری جو عمر ختم ہوگئی وہ مجھے واپس مل جائے اور آئندہ مجھے موت نہ آئے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کرسکتا۔ انھوں نے کہا کہ پھر مجھے آپ سے کچھ مانگنا بھی نہیں ہے۔(احیاء العلوم مترجم: ۳/ ۳۳۰)

دنیا کی حقیقت افلاطون کی نظر میں

افلاطون ایک بہت بڑا حکیم تھا۔ بعض لوگوں نے اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر کہا ہے۔ ایک مرتبہ اس زمانے کا بادشاہ اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ جنگل گیا۔ وہاں اس کی ملاقات افلاطون سے ہوگئی۔ بادشاہ نے کہا آپ یہاں جنگل میں رہتے ہیں، یہاں کھانے پینے کی کوئی چیز بظاہر نظر نہیں آتی۔ بادشاہ نے کچھ ایسے جملے استعمال کیے جس سے لگتا تھا کہ وہ اس کی حقارت کر رہا ہے۔

افلاطون کو یہ بات ناگوار گزری کہ بادشاہ دنیا کو بہت کچھ سمجھتا ہے، ہماری حالت دیکھ کر ہمیں حقیر خیال کرتا ہے۔ اس لیے افلاطون نے بادشاہ کو کچھ سبق پڑھانا چاہا۔ اس نے بادشاہ کو رخصت ہوتے وقت کہا کہ جناب عالی! میری ایک گزارش ہے کہ آپ فلاں وقت ہمارے یہاں تشریف لائیں، آپ کی، آپ کے وزرا کی، آپ کے مشیروں کی، آپ کے فوجیوں کی سب کی میری طرف سے دعوت۔

بادشاہ انکار بھی نہیں کرسکتا تھا، اس نے دعوت قبول کرلی۔ جب دعوت کا وقت آیا تو بادشاہ تمام لشکر کے ساتھ، وزرا اور ارکان دولت کے ساتھ جنگل کی طرف جانے لگا۔ جب جنگل کے قریب پہونچے تو دور سے ہی سب کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہاں سے وہاں تک بڑی بڑی عمارتیں ہیں، بہترین انتظامات ہیں، جنگل منگل میں تبدیل ہوگیا ہے۔ بادشاہ اور اس کا لشکر تو

یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ چند دنوں میں یہاں اتنی عمارتیں کس نے بنادی؟ یہ راستے کس نے بنوادیے؟ اتنا بہترین انتظام کس نے کیا؟

خیر! یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھے تو افلاطون استقبال کے لیے کھڑا ہے۔ افلاطون کے آدمیوں نے سب کا استقبال کیا، ہر ایک کو اپنے مقام پر پہونچایا۔ بادشاہ کے لیے الگ عمارت تھی، وزیروں کے لیے الگ انتظام تھا،لشکر والوں کے لیے الگ انتظام تھا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو بہترین قسم کے طرح طرح کے پکوان رکھے گئے۔ سب نے خوب کھایا۔ جب رات کا وقت آیا تو سب آرام کرنے کے یے اپنی اپنی جگہ پہونچ گئے اور سو گئے، لیکن صبح جب سب بیدار ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ جنگل میں نہ کوئی عمارت ہے، نہ کوئی راستہ ہے، بادشاہ بھی نیچے پڑا ہے، وزرا بھی نیچے پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر سب پریشان بھی ہوئے اور غصہ بھی۔

افلاطون نے کہا جو کچھ تم نے دیکھا وہ قوت خیالیہ کا اثر تھا۔ میں نے قوت خیالیہ کے ذریعے آپ لوگوں کے ذہن میں یہ چیزیں ڈال دی۔ یہ عجیب وغریب تماشا آپ لوگوں کو جو دکھایا حقیقت میں کچھ نہیں تھا۔ میں تم کو بتانا چاہتا تھا کہ جب تم آخرت میں جاؤں گے تو دنیا کی زیب وزینت، اس کی چمک دمک جس کو تم بہت کچھ سمجھتے ہوں، اسی طرح خیالی صورتیں نظر آئیں گی۔ (واقعات پڑھئے اور عبرت لیجئے/۲۲۰)

دنیا کی قیمت

ایک مرتبہ حضرت سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ وقت کا بادشاہ ہارون رشید اس وقت ان کے دربار میں موجود تھا۔ ہارون رشید کو پیاس لگی، اس نے اپنے خادم سے کہا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ خادم ایک گلاس میں ٹھنڈا پانی لے کر آیا جب بادشاہ نے گلاس ہاتھ میں پکڑ

لیا تو حضرت سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں کہا کہ بادشاہ سلامت! ذرا رک جائیں۔ چنانچہ بادشاہ رک گیا۔ حضرت سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ مجھے ایک بات بتائیں کہ جیسے آپ کو ابھی پیاس لگی ہے ایسے آپ کو پیاس لگے اور پوری دنیا میں اس پانی کے سوا کہیں اور پانی نہ ہو تو آپ بتائیں کہ آپ اس پیالے کو کتنی قیمت میں خریدنے تیار ہو جائیں گے؟ ہارون الرشید نے کہا میں تو آدھی سلطنت دے دوں گا۔ پھر حضرت سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر آپ یہ پانی پی لیں اور یہ آپ کے پیٹ میں چلا جائے، لیکن اندر جا کر آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور پھر وہ نکل نہ پائے اور پوری دنیا میں صرف ایک ڈاکٹر یا حکیم ہو جو اسے نکال سکتا ہو تو بتائیں کہ اس کو نکالنے کی فیس کتنی دیں گے؟ سوچ کر ہارون رشید نے کہا بقیہ آدھی سلطنت بھی اس کو دے دوں گا۔ حضرت سلیمان بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے بادشاہ سلامت ذرا غور کرنا کہ آپ کی پوری سلطنت پانی کا ایک پیالہ پینے اور پیشاب بن کر نکلنے کے برابر ہے۔

(نایاب موتی: ۲/ ۲۵۲)

دنیا ضرورت بھی اور مہلک بھی

دنیا ایک ضرورت بھی ہے اور مہلک بھی ہے۔ اس کی بہترین مثال مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں بیان فرمائی ہے کہ مانا ہم کو ستر اسی سال دنیا میں رہنا ہے اور ہمیں مکان کی ضرورت ہے، بیوی کی ضرورت ہے، اولاد کی ضرورت ہے، کھانے پینے کی ضرورت ہے، لباس کی ضرورت ہے تو ایسے سمجھو جیسے ایک کشتی ہو۔ ظاہر ہے کہ کشتی کے لیے پانی چاہیے۔ بغیر پانی کے کشتی چل نہیں سکتی۔ اور جتنا پانی زیادہ ہوگا اتنی اچھی چلے گی اور اگر پانی کم ہوا تو اس کا نچلا حصہ زمین سے ٹکرا جائے گا، بالکل پانی نہ ہو تو وہ کشتی وہیں کھڑی رہے گی۔ تو کسی بھی کشتی

کے لیے پانی کی ضرورت ہے، لیکن یہ پانی کہاں ہونا چاہیے؟ کشتی کے اندر یا باہر؟ اندر نہیں بلکہ باہر ہونا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ وہ پانی اندر آ گیا تو کشتی کے غرق ہونے کا سبب بن جائے گا۔

آب اندر زیر کشتی پشتی است	آب در کشتی ہلاک کشتی است

اگر پانی نیچے رہا تو کشتی خوب چلے گی اور اندر آ گیا تو غرق ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ مال و دولت دل کی کشتی کے باہر ہے تو یہ مال و دولت کچھ نقصان نہیں دے گا بلکہ اس سے آپ اپنی آخرت بنا سکتے ہیں، آخرت کی ترقی کر سکتے ہیں، لیکن اسی مال و دولت کی محبت دل میں آ گئی تو بندہ ہلاک ہو جائے گا۔ (اصلاحی خطبات: ۳/ ۱۰۳)

تین چیزیں ساتھ جائے گی

دنیا ساتھ جانے والی نہیں ہے۔ اسی لیے ایک حدیث ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے۔ میت کے ساتھ اس کے اہل وعیال، اس کا مال اور اس کے اعمال جاتے ہیں۔ اہل وعیال اور مال واپس آ جاتے ہیں اور عمل باقی رہتا ہے۔ (بخاری: کتاب الرقاق/ باب سکرات الموت/ رقم الحدیث: ۶۵۱۴)

اسکندر ذوالقرنین کا واقعہ

اسکندر ذوالقرنین کا واقعہ مشہور ہے کہ اس نے یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں اور میرا جنازہ لے جایا جائے تو میرے دونوں ہاتھ جنازے سے باہر رکھے جائیں۔ لوگوں نے پوچھا ایسا کیوں؟ تو اس نے جواب دیا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے پوری دنیا پر حکومت کرنے

والا خالی ہاتھ دنیا سے جا رہا ہے۔(گلدستۂ احادیث:۲/ ۴۶۷)

ایک باپ کی عجیب وصیت

اسی طرح ایک شخص نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے پیروں میں یہ پھٹے پرانے موزے پہنا دینا۔ چنانچہ جب باپ کا انتقال ہوا اور بیٹے نے باپ کی وصیت پر عمل کرنا چاہا تو لوگوں نے منع کیا کہ شریعت نے ہمیں صرف مرنے کے بعد کفن پہنانے کی اجازت دی ہیں اور کسی چیز کی نہیں۔ مگر بیٹا اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرنے کے لیے اصرار کر رہا تھا۔ بالآخر علما سے رجوع کیا گیا تو علما نے بھی یہی جواب دیا کہ شریعت اس طرح کی اجازت نہیں دیتی۔ اس دوران لفظی تکرار بڑھتی چلی گئی کہ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے اس لڑکے کے ہاتھ میں اس کے باپ کا ایک خط تھما دیا۔ لڑکے نے جب خط پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ میرے بیٹے! تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا کے تمام مال و دولت اور اسباب و وسائل مہیا ہونے کے باوجود شریعت مجھے اپنے ساتھ ایک پھٹے پرانے اور بوسیدہ موزہ لے جانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یاد رکھو! کہ موت ایک دن تمھیں بھی آئے گی اور تمھیں بھی صرف یہاں سے کفن میں جانا ہوگا۔ لہٰذا جو مال میں چھوڑ کر جا رہا ہوں اس کو صحیح استعمال کرنا، کسی غریب بیوہ، اور بے سہارا کے کام میں اس مال کو لانا۔ یہی واحد چیز ہے جو تمھیں قبر میں ساتھ دے گی۔(گلدستۂ احادیث:۲/ ۴۶۷)

دنیا کی محبت کے تین نقصانات

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کے دل میں دنیا کی محبت گھر کر جاتی ہے تو اسے تین طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔

(۱) ایسی بدبختی جس کی مصیبت کبھی ختم نہ ہو۔

(۲) ایسی حرص جس سے کبھی پیٹ نہ بھرتا ہو۔

(۳) ایسی خواہش جو کبھی پوری نہ ہو۔ (الترغیب والترھیب: ۸۵/۴)

دنیا سب کی دشمن ہے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت پتہ کی بات ''احیاء العلوم'' میں بیان فرمائی ہیں کہ دنیا اللہ کی دشمن ہے، اس کے دوستوں کی دشمن ہے، اس کے دشمنوں کی بھی دشمن ہے۔ اللہ کی دشمن تو اس لیے کہ یہ اللہ کے بندوں کو سیدھے راستے پر چلنے نہیں دیتی۔ اسی لیے اللہ نے جب سے اس کو پیدا فرمایا ہے، اس کی جانب نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ اللہ کے دوستوں کی دشمن اس لیے کہ انھیں اپنی رونق اور شادابی کے ذریعے للچاتی ہے، تاکہ کسی بھی طرح اس کے فریب کے جال میں آجائیں۔ اس جال سے نکلنے کے لیے انھیں صبر کے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ اللہ کے دشمنوں کی دشمن اس لیے کہ انھیں اپنے فریب کے جال میں پھنسا لیا، اپنے قریب کرلیا۔ یہاں تک جب اس پر بھروسہ کر بیٹھیں تو انھیں ذلتی میں ڈال دیا۔ وہ لوگ دنیا میں تو ذلتی سے بچ گئے، لیکن آخرت میں چھٹکارا نہیں پاسکیں گے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۲۱۶/۳)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے جال میں گرفتار ہوکر ذلیل ہونے اور آخرت کا نقصان اٹھانے سے محفوظ فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۲۴)

جمعہ کے فضائل وخصائص

تعارف

۲۴/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۶/مئی ۲۰۲۱ء

بروز: جمعرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الۡبَیۡعَ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ○ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ○ وَاِذَا رَاَوۡا تِجَارَۃً اَوۡ لَهۡوَا انۡفَضُّوۡۤا اِلَیۡهَا وَتَرَکُوۡکَ قَآئِمًا ؕ قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ مِّنَ اللَّهۡوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ ؕ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ○﴾

[الجمعۃ: ۹، ۱۰]

تمہید

یہ سورۂ جمعہ کی ۹، ۱۰ اور ۱۱ نمبر کی آیتیں ہیں۔ اس کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو تم خدا کی یاد یعنی نماز کی ادائی کے لیے جلدی کرو۔ اس آیت سے جمعہ کی اہمیت کا ثبوت ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ساری کائنات کو عدم سے وجود بخشا ہے اور پھر بعض چیزوں کو بعض چیزوں پر فضیلت و برتری عطا فرمائی۔ مثلاً مہینوں میں رمضان المبارک کو فضیلت بخشی تو اسی طرح دنوں میں جمعہ کے دن کو فوقیت اور فضیلت عطا فرمائی۔

جمعہ کا تعارف

جمعہ ہفتہ کا ساتواں دن ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کو ''عروبہ'' کہا جاتا تھا، جس کے

معنیٰ رحمت کے ہیں۔ بعد میں چل کر اس دن کو جمعہ کہا جانے لگا۔ (قاموس الفقہ: ۱۲۱/۳)

اب سوال ہوتا ہے کہ کیا جمعہ کا نام اسلامی ہے یا پہلے سے چلا آرہا ہے؟

تو اس سلسلے میں دو قول ہیں۔

(۱) علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ جمعہ خالص اسلامی نام ہے۔

(۲) جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ یہ نام اسلام سے پہلے ہی چلا آرہا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ سب سے پہلے اس دن کا نام جمعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد کعب بن لوئی نے رکھا تھا۔ (قاموس الفقہ: ۱۲۱/۳)

جمعہ کہنے کی وجوہات

جمعہ کے معنیٰ جمع کرنے کے آتے ہے تو پھر اس دن کو جمعہ کیوں کہا جاتا ہے؟

اس کی بہت سی وجوہات حضرات علمائے کرام نے بیان فرمائی ہیں۔

(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کا سامانِ تخلیق جمع کیا گیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد کعب بن لوئی اس دن عربوں کو جمع کر کے حرم شریف میں نصیحتیں کیا کرتے تھے، اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سناتے تھے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اس دن حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے پہلے مسلمانوں کو جمع کر کے نماز پڑھاتے تھے، اسی لیے انصار مدینہ اس دن کو جمعہ کہنے لگے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس دن کمال خلائق کو یعنی ساری خوبیوں کو جمع کیا گیا۔ (قاموس الفقہ:

۱۲۱/۳)

جمعہ کا صحیح تلفظ

یہاں یہ بات سمجھ لیجیے کہ جمعہ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟

یہ لفظ چار طرح پڑھا جا سکتا ہے۔(۱) جُمُعَہْ (۲) جُمِعَہْ (۳) جُمَعَہ ؞ (۴) جُمْعَہْ (قاموس الفقہ: ۱۲۲/۳)

ان چار کے علاوہ کا تلفظ صحیح نہیں، جیسا کہ ہم لوگ بولتے ہیں جُمّا۔

جمعہ کی فرضیت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے اس وقت تک وہاں کے حالات سخت ترین تھے کہ پنج وقتہ نمازیں ادا کرنا دشوار تھا، پھر جمعہ کیسے ادا کرتے۔ جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ایک روایت کے مطابق پیر، منگل اور بدھ کو آپ نے قبا میں ہی قیام کیا۔ جمعرات کے دن مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ جمعہ کے دن آپ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے اور بنی سالم کے محلے میں تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا تو وہاں ایک میدان میں (جہاں اب مسجد جمعہ بنی ہے) آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا جمعہ پڑھایا۔

سب سے پہلا جمعہ تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا مگر وہ جمعہ کا حکم آنے سے پہلے تھا۔ جمعہ کا حکم آنے کے بعد اسلام میں پہلا جمعہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔ اسی لیے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تھے تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعا کرتے تھے۔ (قاموس الفقہ: ۱۲۲/۳)

جمعہ کے فضائل

حدیث کی کتابوں میں جمعہ کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ چند فضیلتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان دنوں میں سے کہ جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے۔اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے،اسی دن وہ جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن انھیں جنت سے نکالا گیا اور زمین پر اتارا گیا اور قیامت بھی جمعہ ہی کے روز قائم ہوگی۔(مسلم: کتاب الجمعۃ/باب فضل یوم الجمعۃ/رقم الحدیث: ۸۵۴)

اس حدیث میں جمعہ کی پانچ خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۲) نسائی شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے۔(نسائی: کتاب الجمعۃ/باب اکثار الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الجمعۃ/رقم الحدیث: ۱۳۷۴)

افضل الایام کونسا؟

یہاں ایک علمی بات بھی سمجھ لیجیے۔ایک روایت میں جمعہ کے دن کو افضل دن قرار دیا گیا ہے۔دوسری روایت میں یوم النحر یعنی قربانی دن کو افضل کہا گیا۔تیسری روایت میں یوم العرفہ کو افضل دن کہا گیا۔اب سوال یہ ہے کہ افضل دن کونسا؟ کیوں کہ روایتوں میں ٹکراؤ ہو رہا ہے۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایتوں کو جمع کر کے فیصلہ کیا کہ ہفتہ کے دنوں میں جمعہ کا دن افضل اور سال کے دنوں میں یا تو عرفہ کا دن افضل یا قربانی کا۔پھر فرمایا کہ جمعہ کے

افضل ہونے والی روایت زیادہ صحیح ہے۔(الدر المنضود: ۲/۳۹۹)

(۳)ابن ماجہ شریف کی روایت ہے کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے۔(ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ و السنۃ فیہا/باب فی فضل الجمعۃ/رقم الحدیث: ۱۰۸۴)

(۴)ابن ماجہ شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جمعہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظمت کے اعتبار سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی بڑھ کر ہے۔(ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوۃ و السنۃ فیہا/باب فی فضل الجمعۃ/رقم الحدیث: ۱۰۸۴)

(۵)ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جمعہ کو پیش کیا گیا۔اس کی صورت یہ بنی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے ہاتھ میں ایک سفید شیشے جیسی کوئی چیز لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے،جس کے درمیان میں کچھ نکتہ جیسا لگا ہوا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ جمعہ ہے، جو آپ کو آپ کے رب نے پیش کیا ہے،تا کہ یہ آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے عید بن جائے۔(طبرانی اوسط/رقم الحدیث: ۲۰۸۴)

(٦)محققین علما نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ہفتے کے تمام دنوں میں سے عبادت کے لیے کسی دن کے منتخب کرنے کا اختیار دیا۔یہودیوں نے ہفتے کا دن پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔نصاری نے اتوار کو اختیار کیا،جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی تھی۔اور اِس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو پسند فرمایا،جس دن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا۔(مرقاۃ المفاتیح: ۳/۳۹۸)

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم دنیا میں

آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں، لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ مسلم کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں ہوگا۔ (بخاری: کتاب الجمعۃ/باب فی فرض الجمعۃ/رقم الحدیث: ۸۷۶)

جمعہ کی مقبول گھڑی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مومن پائے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو اللہ اس کو وہ بھلائی عطا کر دیتا ہے۔ (یعنی اس ساعت میں مانگی جانے والی دعا ضرور مقبول ہوتی ہے) (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ومن سورۃ البروج/رقم الحدیث: ۳۳۳۹)

مقبول گھڑی کی تعیین

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن یہ مقبول گھڑی کب ہوتی ہے؟

اس سلسلے میں حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۵ اقوال بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے چند قول پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے تائید ہوتی ہے کہ یہ مقبول گھڑی جمعہ کے دن صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہوتی ہے۔

(۲) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ مقبول گھڑی جمعہ کے دن زوال کے وقت ہوتی ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ یہ مقبول گھڑی جمعہ کے دن مؤذن کے اذان دینے کے وقت ہے۔

(۴) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور روایت ہے کہ یہ مقبول گھڑی امام کے منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھنے کے وقت سے خطبے سے فارغ ہونے تک ہے۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے کہ یہ مقبول گھڑی نماز جمعہ کے وقت ہوتی ہے۔

(٦) حضرت ابوالسوار العدوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ مقبول گھڑی جمعہ کے دن زوال سے لے کر نماز سے فراغت تک ہے۔

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مقبول گھڑی جمعہ کے دن عصر سے مغرب تک ہے۔

(۸) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مقبول گھڑی جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان ہوتی ہے۔

(۹) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علما کے نزدیک یہ مقبول گھڑی جمعہ کے دن آخری وقت میں غروب سے کچھ پہلے ہوتی ہے۔ (قاموس الفقہ : ۳/ ۱۳۰)

حضرت کعب احبار جو یہود کے بڑے عالم تھے، بعد میں ایمان لائے وہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ یہ مقبول گھڑی سال کے صرف ایک ہی جمعہ میں ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، بلکہ سال کے ہر جمعہ میں ہوتی ہے۔ حضرت کعب

احبار نے تورات اٹھائی اور اس میں دیکھا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سچ فرمایا، یہ مقبول گھڑی تو پورے سال ہر جمعہ میں ہوتی ہے۔ (الدر المنضود: ۲/ ۴۰۰)

جمعہ کے دن اجر وثواب کی کثرت

جمعہ کے دن غسل کرنے، خوشبو لگانے، خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرنے، پہلی ساعت میں مسجد آنے اور نمازِ جمعہ پڑھنے وغیرہ مختلف امور پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے بے شمار اجر وثواب کا اعلان کیا گیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) بخاری شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور خوب اچھی طرح سے پاکی حاصل کرے اور تیل استعمال کرے، یا گھر میں جو خوشبو میسر ہو استعمال کرے پھر نماز جمعہ کے لیے نکلے اور مسجد میں پہنچ کر دو آدمیوں کے درمیان نہ گھسے، پھر جتنی ہو سکے نفل نماز پڑھے اور جب امام خطبہ شروع کرے تو خاموش سنتا رہے تو اس کے اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (بخاری: کتاب الجمعۃ/ باب الدہن للجمعۃ/ رقم الحدیث: ۸۸۳)

(۲) مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا اور جس قدر کہ اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی پھر امام کے خطبے سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس جمعہ سے گذشتہ جمعہ تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (مسلم:

کتاب الجمعۃ/باب فضل من استمع و انصت فی الخطبۃ/رقم الحدیث: ۸۵۷)

(۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا گناہوں کو بالوں کی جڑوں سے اچھی طرح کھینچ لیتا ہے۔ (کتاب العلل لابن ابی حاتم: ۲/۵۷۰)

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کی رات اور دن میں ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی گھنٹہ ایسا نہیں جاتا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھ لاکھ جہنم کے مستحق لوگ جہنم سے آزاد نہ کئے جاتے ہوں۔ (مسند ابی یعلیٰ/رقم الحدیث: ۳۴۳۴)

(۵) نسائی شریف میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے اس دن مسجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں، اور جو جمعہ کے لیے آتا ہے اسے لکھتے ہیں، اور جب امام خطبہ دینے کے لیے نکلتا ہے تو فرشتے رجسٹر لپیٹ دیتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے لیے سب سے پہلے آنے والا ایک اونٹ کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، پھر اس کے بعد والا ایک گائے کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، پھر اس کے بعد والا ایک بکری کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، پھر اس کے بعد والا ایک بطخ کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، پھر اس کے بعد والا ایک مرغی کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، پھر اس کے بعد والا ایک انڈے کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے۔ (نسائی: کتاب الجمعۃ/باب التبکیر الی الجمعۃ/رقم الحدیث: ۱۳۸۵)

ترک جمعہ کا وبال

جمعہ کی اتنی ساری فضیلتیں ہیں، ان سب کے باوجود کتنے ہی بندے ایسے ہیں جو بغیر کسی عذر کے سستی اور غفلت کی بنا پر جمعہ کی نماز تک نہیں پڑھتے، بلکہ جمعہ نہ پڑھنے کا معمول بنا رکھا ہے۔ ان سے بڑا بدنصیب اور محروم القسمت کوئی نہیں ہوسکتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کے لیے بڑی سخت وعیدیں سنائی ہیں۔

(۱) حضرت ابو الجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی بلا عذر تین جمعہ تساہل و سستی وجہ سے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا یعنی وہ نیک عمل کی توفیق سے محروم ہی رہے گا۔ (ابو داود: کتاب الصلوۃ / تفریع ابواب الجمعة / باب التشدید فی ترک الجمعة / رقم الحدیث: ۱۰۵۲)

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑے گا اور وہ اللہ کے اس دفتر میں جس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا منافق لکھا جائے گا۔ اور بعض روایات میں تین دفعہ چھوڑنے کا ذکر ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر کے تختوں پر بیٹھا ہوا یہ ارشاد فرماتے سنا کہ یا تو لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے، پھر یقیناً وہ غافل لوگوں میں شامل کیے جائیں گے۔ (مسلم: کتاب الجمعة / باب التغلیظ فی ترک الجمعة / رقم الحدیث: ۸۶۵)

(۴) ایک روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ بلا عذر جمعہ میں شرکت کرنے سے پیچھے رہ جاتے ہیں، ان کے بارے میں میرا دل یہ چاہتا ہے کہ کسی اور شخص کو جمعہ

پڑھانے کا حکم دوں، پھر جو لوگ جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں، ان کو ان کے گھر سمیت آگ لگا دوں۔ (مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ/باب فضل صلوۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنہا/رقم الحدیث: ۶۵۲)

جمعہ کے فطری آداب

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''احیاء العلوم'' میں جمعہ کے آداب بڑے اچھے انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ جمعہ کے کچھ آداب فطری ہیں اور کچھ جمعہ کے دن کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جمعہ کے فطری آداب دس ہیں۔

(۱) جمعہ کی تیاری جمعرات کے دن سے ہی کر لی جائیں۔ جمعہ کو پہننے والے کپڑے اور جمعہ کی نماز اور غسل میں معین چیزوں کا نظم جمعرات سے ہی کر لیں۔

(۲) جمعہ کے دن غسل کا اہتمام کریں۔ غسل کی فضیلت ابھی آپ کے سامنے پیش کر دی گئی۔ بعض علما کے نزدیک تو جمعہ کا غسل واجب ہے۔ مدینہ منورہ کے لوگ جب ایک دوسرے کو برا کہتے تھے تو برائی میں اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے جو جمعہ کے دن نہ نہائے، اور یہ کہتے تھے کہ یہ تو جمعہ کے دن نہ نہانے والوں سے بھی بدتر ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تاخیر پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ وقت آنے کا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے جمعہ کی آواز سنتے ہی وضو کیا اور سیدھا چلا آ رہا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ مجھے اتفاقاً دیر ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک تو تاخیر سے آئے اور وضو کر کے چلے آئے، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جمعہ کے دن غسل کا حکم فرمایا کرتے تھے۔(بخاری: کتاب الجمعۃ/ باب فضل الغسل یوم الجمعۃ/ رقم الحدیث: ۸۷۸)

(۳) جمعہ کے دن زینت اختیار کرنا بھی مستحب ہے۔زینت کا تعلق صفائی ستھرائی سے ہے، چاہے بدن کی ہو یا لباس کی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن نماز کے لیے تشریف لے جانے سے پہلے اپنے ناخن اور مونچھیں تراشتے تھے۔اسی طرح زیر ناف بال کی صفائی کر لی جائے تو بہتر ہے۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے زیر ناف بالوں کی صفائی کے تین درجے بیان فرمائے ہیں۔

* افضل درجہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ صفائی کی جائیں۔
* درمیانی درجہ یہ ہے کہ پندرہ دن میں صفائی کی جائیں۔
* ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ چالیس روز میں صفائی کی جائیں۔

اس پر زیادتی کرنے والا گنہگار ہوگا۔(مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۲۷۴، ۲۷۵)

اسی طرح لباس میں بھی زینت اختیار کی جائیں۔مسنون اور عمدہ لباس زیب تن کیا جائیں،خوشبو لگائیں،عمامہ باندھیں وغیرہ۔

(۴) جمعہ کی نماز کے لیے مسجد جلدی جائیں۔ابھی آپ کے سامنے حدیث شریف پیش کی کہ جمعہ کے دن پہلی ساعت میں، دوسری ساعت میں، تیسری ساعت میں آنے والے کو کیا ثواب ملتا ہے۔

(۵) مسجد میں داخل ہونے کے بعد لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے نہ بڑھیں۔حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کی گردن پھلانگتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اسے جہنم کے لیے پل بنایا جائے گا۔(ترمذی: ابواب الجمعۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/

باب ماجاء فی کراہیۃ التخلی یوم الجمعۃ/رقم الحدیث:۵۱۳)

ایک صاحب جمعہ کے دن مسجد میں آئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے اور اگلی صفوں میں بیٹھ گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے ان سے فرمایا کہ تمھیں آج ہمارے ساتھ جمعہ پڑھنے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انھوں نے کہا حضور! میں نے تو آپ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ تمھیں لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے نہیں دیکھا گیا؟ معلوم ہوا کہ اس طرح پھلانگنے سے عمل ضائع ہوجاتا ہے۔

(۶) مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایسی جگہ بیٹھیں جہاں گزرنے والوں کو پریشانی نہ ہو اور ایسی جگہ نماز پڑھیں کہ لوگ آگے سے نہ گزرنے پائے۔ اس لیے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے کی ممانعت آئی ہے۔

(۷) صف اول میں نماز پڑھنے کی کوشش کریں، لیکن اس کے لیے شرط ہے لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے نہ بڑھیں۔

(۸) جب امام خطبے کے لیے منبر کی طرف جانے لگے تو نماز اور کلام دونوں بند کردیں۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام

کہ جب خطیب نکل آئے تو اب نہ نماز ہے اور نہ کلام۔ ابوداود شریف کی ایک روایت ہے کہ جس نے جمعہ کے دن خطبے کے وقت اپنے ساتھی سے کہا چپ رہ تو بھی اس نے لغو کام کیا۔ (ابوداود: کتاب الصلوۃ/باب تفریع ابواب الجمعۃ/فضل الجمعۃ/رقم الحدیث:

۱۰۵۱)

(۹) جمعہ کی اقتدا میں کچھ امور کی رعایت کریں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہترین عمل بتلایا ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد بولنے سے پہلے سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات مرتبہ سورۂ اخلاص، سات مرتبہ سورۂ فلق اور سات مرتبہ سورۂ ناس پڑھے گا وہ اس جمعہ سے دوسری جمعہ تک محفوظ رہے گا۔

(۱۰) جمعہ کے دن عصر کی نماز تک مسجد میں رہیں اور مغرب تک ٹھہریں تو زیادہ بہتر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو عصر تک رہتا ہے اس کو ایک حج کا ثواب اور جو مغرب تک رہتا ہے اس کے لیے حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ (احیاء العلوم مترجم: ۱/ ۳۲۸ تا ۳۳۶)

جمعہ کے دن کے مخصوص آداب

اب جمعہ کے دن کے مخصوص آداب سمجھیں۔ یہ مخصوص آداب سات ہیں۔

(۱) جمعہ کے دن صبح میں یا جمعہ کی نماز کے بعد یا عصر کی نماز کے بعد علم کی مجلس میں شرکت کریں۔ علم کی مجلس سے دینی مجلس مراد ہے۔

(۲) جمعہ کی مقبول گھڑی پر اچھی طرح نظر رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مقبول گھڑی غفلت اور لایعنی میں گزر جائے۔

(۳) جمعہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود شریف بھیجیں۔ حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن

مجھ پر کثرت سے درود بھیجو، کیوں کہ جمعہ کا دن مشہود (یعنی حاضر کیا گیا ہے) اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جو آدمی بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود میرے سامنے (بذریعۂ مکاشفہ یا بذریعۂ ملائکہ) پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوتا ہے۔ حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر) عرض کیا کہ مرنے کے بعد بھی درود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام کا کھانا حرام کیا ہے چناچہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اپنی اپنی قبر میں بالکل دنیا کی حقیقی زندگی کی طرح) زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔ (ابن ماجه: كتاب الجنائز/باب ذكر وفاتي ودفنه صلى الله عليه وآله وسلم/رقم الحديث:١٦٣٧)

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل درود میں بیان کیا ہے کہ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد نے مجھ سے بیان کیا حضرت جس مکان میں رہتے تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو ایک مہینے تک وہاں عطر کی خوشبو آتی رہی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ یہ درود شریف کی برکت ہے۔ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی شب میں بیدار رہ کر درود شریف میں مشغول رہتے تھے۔ (فضائل اعمال/ص:۷۳۶)

(۴) جمعہ کے دن قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کیا جائیں، خصوصاً سورۂ کہف کی تلاوت ضرور کریں۔ جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ

کہف کی تلاوت کرے گا اس کے لیے دونوں جمعہ کے درمیان نور ہی نور کر دیا جائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۱۸۹)

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے گا وہ آٹھ دن تک فتنوں سے محفوظ رہے گا، یہاں تک کہ اگر دجال نکل آئے تو اس کے بھی فتنے سے محفوظ رہے گا۔

ایک روایت میں جمعہ کے دن سورۂ ہود کا بھی ذکر آیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۱۸۹)

ایک اور روایت میں سورۂ آل عمران کا ذکر ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ آل عمران کی تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سورج غروب ہونے تک اس پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح / ص: ۱۸۹)

بندہ کہتا ہے کہ اکثر حدیثوں میں سورۂ کہف کا ہی ذکر ہے، لیکن چونکہ بعض روایات میں سورۂ ہود یا سورۂ آل عمران کا ذکر آگیا ہے تو زندگی میں کبھی کبھار اس سنت پر بھی عمل کر لینا چاہیے۔

(۵) جمعہ کے دن صلوۃ التسبیح پڑھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو سکھائی تھی اور فرمایا کہ یہ نماز ہر جمعہ کو پڑھو۔ چنانچہ انھوں نے اس کا ایسا معمول بنالیا تھا کبھی ناغہ نہیں کیا۔ (ابوداود: کتاب الصلوۃ / تفریع ابواب التطوع ورکعات السنۃ / باب صلوۃ التسبیح / رقم الحدیث: ۱۲۹۸)

(۶) جمعہ کے دن صدقے کا اہتمام کریں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ جمعہ کے دن صدقے

کا اجر دوگنا ملتا ہے۔

(۷) جمعہ کو آخرت کے کاموں کے لیے خاص کردیں۔ ہفتہ کے چھ دن ہم دنیا کے لیے خاص کرتے ہیں تو ایک دن اللہ کے لیے، آخرت کے لیے خاص کرلیں۔ جتنا ہو نیک کام کریں اور مغرب سے پہلے دعاؤں کا اہتمام کریں۔

ہماری کوتاہیاں

جمعہ کے متعلق ہم میں بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

(۱) پہلی کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک بڑا طبقہ جمعہ ادا ہی نہیں کرتا۔ یہ گناہ کبیرہ ہے اور جمعہ کی بڑی ناقدری ہے۔ جب ایک عام فرض نماز چھوڑنے سے انسان کفر کے قریب ہو جاتا تو جمعہ جیسی عظیم الشان نماز چھوڑنے کا انجام کیا ہوگا؟

(۲) دوسری کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک بڑا طبقہ جمعہ کا آغاز ہی گناہ سے کرتا ہے، اس طور پر کہ جمعہ کے دن کی فجر کی نماز چھوڑ دیتا ہے۔

(۳) تیسری کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک طبقہ جمعہ کے دن بغیر غسل کے ہی چلا آتا ہے، حالانکہ ابھی بتلایا کہ جمعہ کے غسل کی کیا فضیلت ہے۔

(۴) چوتھی کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک طبقہ جمعہ کے دن زینت کو ترک کر دیتا ہے، حالانکہ اس دن صفائی ستھرائی کی اور عمدہ لباس کی حضور اقدس ﷺ نے نہ صرف تعلیم دی ہے، بلکہ عمل کر کے بھی بتلایا ہے۔

(۵) پانچویں کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک طبقہ جمعہ کی نماز ناجائز زینت کے ساتھ، غیر شرعی لباس اور وضع قطع میں ادا کرتا ہے۔

(٦) چھٹی کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک طبقہ جمعہ کے دن بالکل اخیر وقت پر آتا ہے، حالانکہ اس وقت فرشتے رجسٹر بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔

(۷) ساتویں کوتاہی یہ ہے کہ ہم سے ایک طبقہ خطبے کو نہیں سنتا، بلکہ خطبے کے دوران فضول بات چیت میں مشغول رہتا ہے۔ جمعہ کے خطبے کی تو بڑی اہمیت ہے۔

ابتدائے اسلام میں جمعہ کی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک قافلہ ملک شام سے غلّہ لے کر مدینہ منورہ پہنچا۔ اُس زمانے میں مدینہ منورہ میں غلّہ کی انتہائی کمی تھی۔ صحابہ کرام نے سمجھا کہ نمازِ جمعہ سے فراغت ہوگئی ہے اور گھروں میں غلّہ نہیں ہے، کہیں سامان ختم نہ ہو جائے؛ چنانچہ خطبۂ جمعہ چھوڑ کر باہر خرید و فروخت کے لیے چلے گئے، صرف ۱۲ صحابہ مسجد میں رہ گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَإِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ط قُلْ مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ط وَاللهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ○﴾ [الجمعہ: ۱۱]

کہ وہ لوگ جب تجارت کو یا تماشے کو دیکھتے ہیں تو اس جانب بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والے ہیں۔ (بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ الجمعۃ/باب و اذا رأو تجارۃ او لہوا/رقم الحدیث: ۴۸۹۹)

(۸) آٹھویں کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک بڑا طبقہ جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار جاری رکھنا۔ فقہا نے صاف لکھا ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے۔ اللہ

تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں صاف صاف روکا ہے۔

(۹) نویں کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک طبقہ جمعہ کے دن بھی گناہوں سے باز نہیں آتا، حالانکہ جمعہ کا دن تو عظمت اور برکت والا دن ہے۔ اس دن کی عظمت و برکت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ اطاعت کرتے، منکرات سے بچتے، لیکن ہم نے تو گناہوں کی کثرت سے اس مبارک دن کی عظمت وتقدس کو پامال کر دیا۔

(۱۰) دسویں کوتاہی یہ ہے کہ ہم میں سے ایک طبقہ جمعہ کی سنتوں کو ادا نہیں کرتا، نہ پہلے کی نہ بعد کی۔

جمعہ کی خصوصیات

جمعہ کے دن کی بہت سی خصوصیتیں ہیں۔ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''زادالمعاد'' میں جمعہ کی ۳۳ خصوصیتیں بتلائی ہیں اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل رسالہ لکھا ہے ''اللمعہ فی خصائص الجمعہ'' جس میں انھوں نے جمعہ کی سو (۱۰۰) خصوصیتیں اور احکام بیان فرمائے ہیں۔ (الدرالمنضود: ۲/ ۳۹۹)

چند خصوصیتیں یہ ہیں۔

(۱) جمعہ کے دن لوگوں کا جمع ہونا عرفہ کے دن کے بعد سے سب سے زیادہ اہم ہے۔

(۲) جمعہ کے دن مسواک کا اہتمام اور دنوں کے مقابلے میں زیادہ ہونا چاہیے۔

(۳) جمعہ کے لیے جلد مسجد جانا بہتر ہے۔ دورِ قدیم میں تو لوگوں کا یہ حال تھا کہ سحری کے وقت ہاتھ میں چراغ لے کر مسجد چلے جاتے تھے جمعہ ادا کرنے کے لیے۔

(۴) امام کے خطبے کے لیے آنے تک نماز، تلاوت، ذکر وغیرہ میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ اگر

کسی کا بیان چل رہا ہو تو اپنے وظیفہ کو چھوڑ کر دین کی باتیں سننی چاہیے۔

(۵) خطبہ سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

(٦) سورۂ کہف کی تلاوت کرنا بہتر ہے۔

(۷) جمعہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کی کثرت رکھنا مستحب ہے۔

(۸) مسجد میں خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے۔ بذل المجہود میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت مسجد میں دھونی دیا کرتے تھے۔ (احکام المساجد: ۵۳)

(۹) جمعہ کے دن خصوصیت کے ساتھ گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔

(۱۰) جہنم روزانہ دہکائی جاتی ہے سوائے جمعہ کے روز کے۔

(۱۱) جمعہ کے روز فجر میں سورہ الم سجدہ اور سورہ دہر۔ اور جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ اور دوسری روایت کے مطابق سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھنا مسنون ہے۔

(۱۲) جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرنے والے کو اللہ تعالیٰ قبر کے فتنے سے محفوظ فرماتے ہیں۔ (قاموس الفقہ: ۳/ ۱۳۳)

اللہ تعالیٰ ہمیں جمعہ کی اہمیت اور عظمت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس دن ہونے والی غفلتوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون: (۲۵)

اخلاق نبوی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تعارف

۲۵ر رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۷ر مئی ۲۰۲۱ء

بروز: جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ [القلم: ۴]

تمہید

یہ سورۂ قلم کی ۴ نمبر کی آیت ہے۔ اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کی تشریف اشارہ کیا گیا ہے۔

دشمنان اسلام کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مختلف الزامات لگائے گئے۔ کبھی آپ کو ساحر یعنی جادوگر کہا گیا، کبھی آپ کو شاعر کہا گیا تو کبھی آپ کو مجنون اور دیوانہ کہا گیا۔ اس سورۃ کی دوسری ہی آیت میں بتلایا گیا کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون اور دیوانے نہیں ہیں۔ تیسری آیت میں بتلایا گیا کہ آپ کے لیے تو کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ اور اس چوتھی آیت میں بتلایا گیا کہ آپ تو بلند اخلاق رکھنے والے ہیں۔ یہ دو آیتیں بتا رہی ہیں اس بات کو کہ جس کے لیے بے حساب اجر ہو اور جس کے اخلاق اتنے اونچے اور عالی ہوں کیا وہ مجنون اور دیوانہ ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ان کو مجنون کہنے والے خود دیوانے اور مجنون ہیں، ان کو اپنے جنون کا علاج کروانا چاہیے۔

اسلام کے پانچ شعبے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ ان پانچوں میں ایک اہم شعبہ اخلاق کا بھی ہے۔ دشمنانِ اسلام ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام تو تلوار کے زور پر پھیلا ہوا دین ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ تلوار لوہے کی نہیں، بلکہ اخلاق کی تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعے بھی اور اپنے عمل کے ذریعے بھی ہمیں اس پر زور دیا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کا تعارف

(۱) سب پہلے تو سورۂ قلم کی یہی آیت لیجیے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق فرما رہے ہیں کہ آپ تو بلند اخلاق پر فائز ہیں۔

(۲) ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق

کہ میں بلند اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ (موطا مالک: کتاب الجامع / ما جاء فی حسن الخلق / رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کی، اس پوری مدت میں جو کام میں نے کیا آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔ (بخاری: کتاب الادب / باب حسن الخلق و السخاء / رقم الحدیث: ۶۰۳۸)

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے مکارم اخلاق کا یہ حال تھا کہ مدینہ منورہ کی کوئی باندی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں لے جانا چاہے لے جا سکتی تھی۔ (بخاری: کتاب الادب / باب الکبر / رقم الحدیث: ۶۰۷۲)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا بجز جہاد فی سبیل اللہ کے، کہ اس میں کفار کو مارنا اور قتل کرنا ثابت ہے، ورنہ آپ نے نہ کسی خادم

کو نہ کسی عورت کو کبھی مارا، ان میں سے کسی سے خطا ولغزش بھی ہوئی تو اس کا انتقام نہیں لیا بجز اس کے کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہو تو اس پر شرعی سزا جاری فرمائی۔ (مسلم: کتاب الفضائل / مباعدتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للآثام واختیارہ من المباح اسہلہ وانتقامہ للہ عند انتہاک حرماتہ / رقم الحدیث: ۲۳۲۸)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فحش گو تھے نہ فحش کے پاس جاتے تھے نہ بازاروں میں شور و شغب کرتے تھے برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ فرماتے تھے۔ (ترمذی: ابواب البر والصلۃ والادب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب فی خلق بی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۲۰۱۶)

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے لا (نہیں) نہیں فرمایا۔

(۸) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی مرتبہ وحی کا نزول ہوا تو آپ گھبرائے ہوئے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھبراہٹ کو دیکھا تو آپ کو تسلی کے چند کلمات کہے۔ آپ تو صلہ رحمی کرنے والے اور رشتہ ناطہ جوڑنے والے ہیں، آپ تو بے کسوں کا بوجھ اپنے سر رکھ لیتے ہیں، آپ غریبوں کے لیے کماتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرنے والے ہیں، آپ تو مشکل وقت میں امر حق کا ساتھ دینے والے ہیں۔ (بخاری: کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۳)

غور کیجیے! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی عبادت کا یا کثرتِ ذکر کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ آپ کی وہ عادتیں بتلائی جو اخلاقیات سے تعلق رکھتی ہیں۔

خلق عظیم سے کیا مراد ہے؟

قرآن کریم کی اس سورۃ کی اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ آپ تو خلق عظیم رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ خلق عظیم کا کیا مطلب ہے؟

اس کے مختلف مطالب بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے، کہ اللہ کے نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق خود قرآن ہی یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال و اخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں۔

ان تینوں باتوں کا خلاصہ تقریباً ایک ہی ہے۔(معارف القرآن:۸/ ۵۳۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند اخلاق پر ایک نظر

اللہ تعالیٰ نے سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو بلند اخلاق عطا فرمائے تھے، جن کی تعلیم و تکمیل کے لیے آپ دنیا میں تشریف لائے، ان بلند اخلاق پر ہم ایک نظر ڈالیں۔

سخاوت

اچھے اخلاق میں ایک چیز سخاوت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت بے مثال تھی۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں روایت نقل کی ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ جواد یعنی سخی

تھے۔اور رمضان المبارک میں دوسرے اوقات کے مقابلے میں جب جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے بہت ہی زیادہ جودوکرم فرماتے۔جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور کرتے۔غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو بھلائی پہونچانے میں بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ جودوکرم فرمایا کرتے تھے۔(بخاری: کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/رقم الحدیث:٦)

جودوکرم بڑھنے کی وجہ

اب یہ ایک علمی بحث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کو تیز ہوا کے ساتھ کیوں تشبیہ دی گئی۔حضرات محدثین نے اس کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں۔

(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں خود اللہ ذوالجلال کے جودوکرم میں اضافہ ہوجاتا ہے۔جیسے نفل کا درجہ فرض کے برابر اور فرض کا درجہ ستّر فرائض کے برابر ہوجاتا ہے تو حضور اقدس جو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر اتم تھے وہ کیوں جودوکرم نہ فرماتے،اس لیے ان کے جولوگ علم میں اضافہ ہوجاتا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ خود رمضان المبارک کا مہینہ خیرات اور نیکیوں کا ہے۔یہ انسان کی طبیعت میں نیکی کی رغبت پیدا کرتا ہے۔جودوسخا ایک بہت بڑی نیکی ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت مبارکہ پر رمضان المبارک کی آمد سے اور زیادہ اثر پڑتا تھا اور آپ کی سخاوت کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگتا تھا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ سلام سے ملاقات ہوتی تھی۔جو اللہ کے فرشتے ہیں،جن میں حرص وہوس کا شائبہ نہیں۔اور قاعدہ ہے کہ صحبت کا اثر پڑتا ہے۔تو حضرت جبرئیل

علیہ السلام کی ملاقات کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اور زیادہ مال ومتاع صرف کرنے کا تقاضا پیدا ہوجاتا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور ہوتا تھا۔ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کے پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ربط پیدا ہوتا ہے۔ اور غنائے نفس کا موجب ہے۔ جب انسان کے نفس میں یہ صفت غنا پیدا ہوتی ہے اور جس قدر جس میں غنائے نفس ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ جود وسخا کرتا ہے۔ (کشف الباری: ۱/۱۷۴)

سخاوت کی ایک مثال

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان (چرنے والی) بکریاں مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے وہ بکریاں عطا کر دیں، پھر وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم! اسلام لے آؤ، کیونکہ خدا کی قسم! بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو اتنا دیتے ہیں کہ فقر و فاقے سے نہیں ڈرتے۔ (مسلم: کتاب الفضائل / باب ماسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شیئا قط فقال لا و کثرۃ عطاءہ / رقم الحدیث: ۲۳۱۲)

سخاوت کی دوسری مثال

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ حنین سے واپس آرہے تھے کہ چند اعرابی آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چمٹ گئے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مال طلب کر رہے تھے۔ وہ آپ کو مجبور کرتے ہوئے کیکر کے درخت تک لے گئے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چادر مبارک بھی اُچک لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری چادر دے دو، اگر

میرے پاس اِن درختوں کے برابر بھی مویشی ہوتے، تو میں تمھارے درمیان تقسیم کر دیتا اور تم مجھے ہرگز بخیل، جھوٹا یا بزدل نہ پاؤ گے۔ (اللہ سے شرم کیجئے/ ص:۱۷۰)

شجاعت

اچھے اخلاق میں ایک چیز شجاعت یعنی بہادری ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس میں یہ جوہر بھی نمایاں طور پر پایا جاتا تھا۔

شجاعت کا پہلا نمونہ

ایک رات اہلِ مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا اور لوگ خطرناک آواز کی طرف دوڑے تو انھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم راستے میں واپس آتے ہوئے ملے جو تمام لوگوں سے پہلے آواز کی جگہ جا پہنچے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمار ہے تھے کہ ڈرو مت، ڈرو مت۔ اُس وقت آپ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بغیر زین کے سوار تھے اور تلوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس گھوڑ کو دریا کی طرح پایا، حالانکہ وہ ایسا نہیں تھا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوار ہونے سے اس کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ (مسلم: کتاب الفضائل/ فی شجاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وتقدمہ للحرب/ رقم الحدیث: ۲۳۰۷)

شجاعت کا دوسرا نمونہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ اے ابوعمارہ! کیا غزوۂ حنین میں آپ لوگوں نے پیٹھ دکھائی تھی؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دن بھی پیٹھ نہیں دکھائی تھی، حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خچر کی لگام تھام رکھی تھی، جب مشرکین نے آپ کو گھیرے میں لے لیا تو آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے نیچے تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے:

انا النبی لا کذب	ان ابن عبد المطلب

میں نبی برحق ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب جیسے سردار کا بیٹا ہوں۔

اُس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مضبوط کوئی نہیں دیکھا گیا۔(بخاری: کتاب الجہاد و السیر / باب من قاد دابۃ غیرہ فی الحرب / رقم الحدیث: ۲۸۶۴)

سچائی

اچھے اخلاق میں ایک چیز سچائی ہے۔ سچ بولنا اس دنیا کی سب سے بڑی خوبی ہے اور انسانی اخلاق و عادات میں سب سے اچھی عادت سچ بولنا ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا سب سے بری عادت ہے۔

جھوٹ چھوڑ دو

ایک کافر شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایمان قبول کرنا چاہتا ہوں، لیکن مجھ میں بہت سی بری عادتیں ہیں۔ میں شراب بھی پیتا ہوں، زنا بھی کرتا ہوں، چوری بھی کرتا ہوں، جھوٹ بھی بولتا ہوں۔ میں ایمان قبول کرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن سب بری عادات یک دم نہیں چھوڑ سکتا، البتہ ایک ایک کر کے چھوڑ سکتا ہوں۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی اس شرط پر راضی ہوتے ہوئے اسے کلمہ پڑھوایا اور اس شخص نے ایمان قبول کرلیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے کہا کہ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم آج کے بعد جھوٹ نہیں بولو گے۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، میرا آپ کے ساتھ وعدہ ہے کہ میں آج کے بعد جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اللہ کی قدرت

دیکھیں کہ اس جھوٹ کے چھوڑنے سے اس شخص کی سب برائیاں یکے بعد دیگرے چھوٹتی چلی گئیں۔(التفسیر الکبیر:۱۶۸/۶)

ابوسفیان کا اقرار

اس وقت کی سب سے بڑی سپر پاور رُوم کے بادشاہ قیصر کے دربار میں جب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پہنچا تو قیصر روم نے کہا کہ عرب معاشرے کا کوئی ایسا معتبر آدمی لاؤ جس کے ساتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بات کرسکوں۔ابوسفیان بھی اتفاق سے ان دنوں تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے چنانچہ قیصر روم کے دربار میں حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھا گیا۔ابوسفیان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس وقت کے سب سے بڑے مخالف تھے، انھیں قیصر روم کے دربار میں بلا کر پوچھا گیا کہ تمھارے علاقے کے ایک آدمی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط آیا ہوا ہے، میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔قیصرِ روم نے ابوسفیان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں جو سوالات کیے ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی زندگی میں سچ اور جھوٹ کے حوالے سے تمھاری کیا رائے ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سچ بولنے والا بندہ ہے۔(بخاری: کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/رقم الحدیث:۷)

چنانچہ یہ بھی ایک بہت بڑی تاریخی شہادت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچا اور کھرا آدمی ہونے کا اعتراف کیا۔

امانت

اخلاق حسنہ اور اچھی عادات میں امانت و دیانت کا ذکر بھی آتا ہے۔امانت ایک

اچھی عادت ہے جبکہ بے ایمانی ایک بری عادت ہے۔ کسی کی امانت میں خیانت کرنا اور کسی کے ساتھ بد دیانتی کا معاملہ کرنا یہ انسان کے برے اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔ جبکہ امانت کا خیال کرنا، لوگوں کے ساتھ دیانت کا معاملہ کرنا اور لوگوں کے حقوق کو محفوظ رکھنا یہ اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی میں یہ بات اعلیٰ درجے کے ساتھ ملتی ہے کہ آپ نے اپنوں کے ساتھ تو امانت کا معاملہ فرمایا، دشمنوں کے ساتھ بھی امانت کی تعلیم دی ہے اور اس پر عمل کر کے بتلایا ہے۔

امانت کی ایک مثال

جب کفار مکہ کے ستم سے تنگ آ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو یہ وہ وقت تھا جب مکہ کے تمام قبائل نے متحد ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ماحول یہ تھا کہ قبائل نے افراد منتخب کر کے قاتلوں کا گروہ بنا دیا تھا اور اس گروہ کے سب افراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے درپے تھے، قاتلوں نے مختلف راستوں کی ناکہ بندی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس ماحول سے اور قتل کے اس فیصلے کے نتائج سے بچنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کا راستہ اختیار کیا تھا، اس صورت حال میں جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے نکلنے لگے تو آپ کا آخری عمل کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بستر پر اپنے چچا زاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلایا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد نہیں تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رخصت ہوتے وقت چند امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں اور انھیں نصیحت کی کہ یہ امانتیں فلاں فلاں تک پہنچا کر ہمارے ساتھ شامل ہو جانا، یہ امانتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت کا یہ حال کہ جن

دشمنوں کی تلواروں کے سائے تلے سے نکل رہے ہیں انہی کی امانتوں کو واپس کرنے کی فکر اور اہتمام کر رہے ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۱/ ۳۴۸)

امانت کی دوسری مثال

جناب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جہاد کے لیے نکلتے تھے تو عام طور پر لشکر کے خاص لوگوں کے علاوہ آخری منزل سے لوگوں کو آگاہ نہیں فرماتے تھے۔ خیبر کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر لے کر نکلے جو کہ یہود کا علاقہ تھا، صبح کے وقت جب ان کے کاشت کار کھیتی باڑی کے لیے گھروں سے نکل رہے تھے تب انھیں پتہ چلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر نے ہمیں گھیر لیا ہے۔ جب وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر نے قلعے کا محاصرہ کرلیا تو ایک شخص جن کا نام اسود راعی تھا، جو بعد میں صحابی ہوئے، اس علاقے میں بکریاں چَرا رہے تھے، انھیں اپنے کالے رنگ کی وجہ سے اسود اور چرواہا ہونے کی وجہ سے راعی کہا جاتا تھا۔ اسود راعی کسی کے غلام تھے اور اس کی بکریاں چرایا کرتے تھے انھوں نے دیکھا کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر خیبر تک پہنچ گیا تھا، وہ جناب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا کہ میں اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قبول کر لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت ملے گی۔ اسود راعی نے پوچھا کیا مجھ کالے کو جنت ملے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں تجھے جنت ملے گی۔ پوچھا کیا میری نجات ہو جائے گی؟ فرمایا ہاں ہو جائے گی۔ اسود راعی نے کہا ٹھیک ہے آپ مجھے کلمہ پڑھائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسود راعی کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اسود راعی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں اب آپ کا خادم ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بکریاں جو تم چَرا رہے ہو یہ کس کی ہیں؟ آپ غور کیجیے کہ حالت جنگ میں

دشمن کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے اور بکریاں بھی کسی دشمن کی ہیں۔ فرمایا کہ تمھارا اسلام قبول کرنا اپنی جگہ، لیکن یہ بکریاں جس کی ملکیت ہیں جس کی امانت ہیں اسے واپس کر کے آؤ۔ اسود راعی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر میں بکریاں واپس کرنے گیا تو میں خود کیسے واپس آؤں گا؟ فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ گھر جا کر انھیں دروازے سے اندر کر آؤ۔ (مدارج النبوت: ۲/ ۲۹۵)

وعدہ پورا کرنا

مکارم اخلاق اور اچھی عادات میں وعدہ نبھانا ایک اچھی خصلت ہے۔ وعدہ پورا کرنا ایک اچھی عادت ہے جبکہ وعدے کی خلاف ورزی کرنا ایک بری عادت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ پورا کرنے کی تلقین بھی فرمائی اور خود وعدہ پورا کرنے کی مثالیں بھی لوگوں کے سامنے پیش کیں۔

وعدہ پورا کرنے کی ایک مثال

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ساتھی عبداللہ تھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوت سے پہلے کے دوستوں میں سے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کی بات ہے، میرا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک کاروباری سودا ہوا۔ سودے کی کچھ رقم میرے پاس تھی، جو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دی، جبکہ باقی رقم کے لیے کہا کہ آپ یہاں رکیں میں گھر سے لے کر آتا ہوں۔ لیکن جب میں گھر پہنچا تو میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی، حتیٰ کہ اس بات کو تین دن گزر گئے، تیسرے دن مجھے یاد آیا کہ میں نے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فلاں جگہ روک

کرانتظار کرنے کا کہا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں بھاگم بھاگ اس جگہ پہنچا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکایت کا صرف ایک ہی جملہ ارشاد فرمایا کہ عبداللہ! تم نے مجھے بہت پریشان کیا۔ فرمایا کہ تم مجھ سے کہہ کر گئے تھے کہ اس جگہ پر کھڑے ہو کر تمھارا انتظار کروں اور میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ تمھارے واپس آنے تک یہاں رکوں گا۔ وعدہ پورا کرنے کی یہ مثال دنیا میں کہیں نہیں ملے گی۔ (ابوداود: اول کتاب الادب/ باب فی العدۃ/ رقم الحدیث: ۴۹۹۶)

وعدہ پورا کرنے کی دوسری مثال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی ہیں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ۔ دونوں باپ بیٹے صحابی تھے، باپ کا نام جبل تھا، لیکن یمنی ہونے کی وجہ سے لوگوں نے یمان نام رکھ دیا تھا۔ جنگ بدر سے پہلے یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے اور انھوں نے یہ باتیں سن رکھی تھیں کہ مکہ والوں کا مدینہ والوں سے مقابلہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ دونوں باپ بیٹے اس نیت سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے کہ وہاں جا کر مدینہ والوں کے ساتھ مل کر مکہ والوں کے خلاف لشکر میں شریک ہوں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ راستے میں ابوجہل کا لشکر مل گیا، جنھوں نے بھانپ لیا کہ یہ دونوں باپ بیٹے مدینہ والوں کے لشکر میں شریک ہونے جارہے ہیں۔ انھوں نے روک لیا کہ ہم تم دونوں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر میں شامل نہیں ہونے دیں گے۔ انھوں نے بہت ٹالنے کی کوشش کی کہ ہم تو صرف مدینہ جارہے ہیں، اس پر ابوجہل کے لشکر والوں نے ان سے کہا کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر میں شامل نہ ہونے کا وعدہ کرو تو ہم تمھیں چھوڑ دیں گے۔ انھیں بھی اس بات پر اعتماد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی جو وعدہ کرتے ہیں پورا کرتے ہیں، چنانچہ اس

وعدے پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑا۔

جب یہ وعدہ کر کے دونوں باپ بیٹے مدینہ منورہ پہنچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر بدر کے لیے پیش قدمی کر رہا تھا۔ ملاقات پر انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابو جہل کے لشکر ہاتھوں پکڑے جانے اور وعدے پر رہائی کا سارا قصہ ذکر کر دیا۔ کیفیت دیکھیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محاذ جنگ کے لیے ایک ایک آدمی کی ضرورت تھی، بوڑھے اور بچے ملا کر ۳۱۳ لوگ ہوئے تھے، نہ تلواریں پوری نہ گھوڑے پورے اور نہ کمانیں پوری۔ جبکہ دوسری طرف جنگ کے لیے ہر طرح کے ساز و سامان سے لبریز کفار کا لشکر ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، لیکن جب حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ ہم ابو جہل کے لشکر سے وعدہ کر کے آئے ہیں کہ آپ کے لشکر میں شامل ہو کر ان کے خلاف نہیں لڑیں گے تب انھوں نے ہمیں چھوڑا ہے، اگر آپ حکم دیں تو ہم اب بھی حاضر ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں! تم لوگوں کو لشکر میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ تم اپنا وعدہ نبھاؤ گے۔ یہ ہے وعدے کا پورا کرنا۔ (مسلم: کتاب الجہاد و السیر / باب الوفاء بالعہد / رقم الحدیث: ۱۷۸۷)

خوش کلامی

اچھے اخلاق میں ایک چیز ہے خوش کلامی کہ بندہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے کلام کرے؛ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش کلامی فرماتے تھے اور آپ کے چہرے پر تبسم رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بات کرتے تھے تو مسکراتے تھے، اس رعب و دبدبہ کے باوجود اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوش طبعی کا معاملہ بھی فرماتے تھے۔ صحابۂ کرام فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں تکلف والا رعب نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہ مخواہ رعب نہیں جماتے تھے،

بلکہ آپ کی ہیبت اور دبدبہ خداداد تھا، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ حسب موقع خوش طبعی فرماتے تھے۔

خوش طبعی کی ایک مثال

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ ایک دیہاتی صحابی تھے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کبھی گاؤں سے کوئی تحفہ وغیرہ بھی بھیجا کرتے تھے، اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انھیں کبھی کوئی تحفہ دیا کرتے تھے۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بازار میں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جا کر پیچھے سے اس طرح دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہ سکیں۔ انھوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ جب انھیں احساس ہوا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ سے قریب کرنے لگے۔

(شمائل الترمذی: باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۲۲۶)

خوش طبعی کی دوسری مثال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بڑھیا آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی، جس پر وہ پریشان ہوگئی کہ میں تو دعا کے لیے آئی تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا خبر دے رہے ہیں؟ لیکن اس کی پریشانی دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ سب لوگ جوان ہو کر جنت میں جائیں گے۔ (شمائل الترمذی: باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۲۲۷)

خوش طبعی کی تیسری مثال

ایسے ہی ایک شخص آیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، آپ مجھے بیت المال سے ایک اونٹ عنایت کردیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اچھا میں تمھیں اونٹ کا بچہ دے دیتا ہوں۔ وہ فکرمند ہو کر کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اونٹ کا بچہ لے کر میں کیا کروں گا مجھے تو سفر کے لیے سواری چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی! ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ (شمائل الترمذی: باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ رقم الحدیث: ۲۲۵)

تواضع

اچھے اخلاق میں ایک چیز ہے تواضع، عاجزی اور انکساری یعنی اپنے آپ کو کمتر سمجھنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرمائیں گے۔ (مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الادب/ باب استحباب العفو و التواضع/ رقم الحدیث: ۲۵۸۸)

تواضع کی ایک مثال

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کا حال یہ تھا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مجلس میں تشریف لاتے تھے تو ہمارا جی چاہتا تھا کہ ہم احتراماً کھڑے ہو جائیں، لیکن ہم کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ (الادب المفرد/ ص: ۲۳۰)

تواضع کی دوسری مثال

ایک جگہ صحابہ کرام گفتگو فرما رہے تھے جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تقابل کے انداز میں تذکرہ ہورہا تھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ولا اقول ان احدا افضل من یونس بن متی

کہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت مت دو۔(بخاری: کتاب احادیث الانبیاء صلوات اللہ علیہم / باب قول اللہ تعالیٰ وان یونس لمن المرسلین / رقم الحدیث: ۳۴۱۴، ۳۴۱۵)

حیا

اچھے اخلاق میں ایک چیز حیا اور شرم ہے۔ حیا کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیا کا عالم یہ تھا کہ آپ پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے۔

(بخاری: کتاب المناقب / باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / رقم الحدیث: ۳۵۶۲)

عفو و درگزر

اچھے اخلاق میں ایک چیز عفو و درگزر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اس کی سینکڑوں مثالیں ملے گی۔

عفو و درگزر کی ایک مثال

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ جن کی ذات سے اسلامی تاریخ کے تلخ ترین حادثہ کی یاد وابستہ ہے، کہ جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب و مشفق چچا کو قتل کیا تھا، لیکن جب انھوں نے اسلام لاکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اسلام تسلیم فرمالیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت دریافت فرمائی، جب انھوں نے واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گریہ طاری ہوگیا اور فرمایا وحشی! تمھارا قصور معاف ہے، لیکن تم

میرے سامنے نہ آیا کرو، تمھیں دیکھ کر پیارے شہید چچا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔(بخاری: کتاب المغازی/باب قتل حمزۃ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ/رقم الحدیث: ۴۰۷۲)

عفوودرگزر کی دوسری مثال

فتح مکہ کی تاریخ کے اوراق کو الٹ کر دیکھیے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے ہیں۔صحابۂ کرام کی دس ہزار جمعیت آپ کے ساتھ ہے،صحابہ اعلان کرتے ہیں:

اليوم يوم الملحمة

آج بدلے کا دن ہے،آج جوش انتقام کو سرد کرنے کا دن ہے،آج گذشتہ مظالم کے زخموں پر مرہم رکھنے کا دن ہے۔(بخاری: کتاب المغازی/باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الرایۃ یوم الفتح/رقم الحدیث: ۴۲۸۰)

لیکن تاریخ شاہد ہے اور زمین وآسمان گواہی دیتے ہیں کہ ایسا کچھ نہیں ہوا، رحمت نبوی جوش میں آئی اور زبان رسالت کی صدائیں لوگوں کے کانوں سے ٹکراتی ہیں:

لاتثريب عليكم اليوم واذهبوا انتم الطلقاء

کہ جاؤ تم سب آزاد ہو،تم لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔یہ تھا آپ کا اخلاق کریمانہ، یہ تھا آپ کے اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ،جس کی مثال سے دنیا قاصر ہے۔

ان کے علاوہ احد کے موقع پر دشمنوں کو معاف کرنا، طائف والوں کو معاف کرنا حتیٰ کہ جن لوگوں نے جادو کیا ان کو بھی آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف کردیا۔(سیرۃ مصطفیٰ: ۳/۷۳)

صلہ رحمی

اچھے اخلاق میں ایک چیز صلہ رحمی یعنی رشتہ ناطہ جوڑنا ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

زندگی میں اس کے بے شمار نمونے موجود ہیں۔

صلہ رحمی کی ایک مثال

سیرت کی کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ملتی ہے کہ ابولہب کی باندی جس کا نام ثویبہ تھا جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ عرصے دودھ پلایا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باندی کے ساتھ کیسا حسن سلوک کیا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ حالانکہ کوئی دور تک کی رشتے داری یا قریب کی رشتے داری نہیں تھی۔ وہ ابولہب کی باندی تھی جس نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا۔ اب رشتے داری قائم ہوئی تو نسب کے اعتبار سے نہیں بلکہ دودھ کے اعتبار سے، مگر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رشتے داری کو بھی نبھایا کہ جب تک آپ مکہ میں مقیم رہے ہجرت سے پہلے تو آپ وقتاً فوقتاً اس باندی کی خدمت میں اپنی رضائی ماں کی خدمت میں ہدیہ تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ جانے والا ہوتا تو وہاں سے بھی آپ اس کے لیے کچھ نہ کچھ ہدیہ تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ یہاں تک جب ہجری آٹھ میں مکہ فتح مکرمہ فتح ہوگیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رضائی ماں ثویبہ کو یاد فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ اس کا کیا حال ہے؟ ہم ملنا چاہتے ہیں۔ بتایا کہ اس کا تو انتقال ہوگیا۔ فرمایا کہ اس کا کوئی لڑکا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا بھی انتقال ہوگیا۔ فرمایا کہ اس کا کوئی رشتے دار ہے؟ لوگوں نے کہا کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے۔ اندازہ کیجیے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قدر خیال فرماتے ہیں کہ اگر وہ خود حیات ہے تو ہم اس کے ساتھ احسان کریں، اگر وہ نہیں تو اس کے لڑکے کے ساتھ، اگر وہ بھی نہیں تو اس کے رشتے دار کے ساتھ۔ (سیرت مصطفیٰ: ۶۸)

اس کے علاوہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے یہاں کھانا بھیجنا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملنے پر ان کے گھر کھانا بھیجنا یہ آپ کی صلہ رحمی کی کھلی دلیل ہے۔

مہمان نوازی

اچھے اخلاق میں ایک چیز مہمان نوازی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ سحری کا کھانا تناول فرماتے ہیں اور کسی کو دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں آؤ بھائی! برکت کا کھانا کھاؤ۔ (ابوداود: کتاب الصوم/باب من سمی السحور الغداء/رقم الحدیث: ۲۳۴۴)

نجران کے نصاریٰ کا جب وفد آیا تھا تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مہمانی کی اور قیام کا انتظام کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو اخلاق کا بہترین درس پڑھایا، اپنی جماعت کو اخلاق فاضلہ کی تربیت دے کر دنیا کے سامنے ایک بہترین معاشرہ پیش کیا۔ یہ در اصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اخلاق فاضلہ کے زیور سے آراستہ فرمائیں۔ (آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون:(۲۶)

ناپ تول میں کمی نہ کیجیے

تعارف

۲۶؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۸؍مئی ۲۰۲۱ء

بروز: سنیچر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○﴾[المطففین: ۱تا۶]

تمہید

یہ سورۂ مطففین کی ابتدائی چند آیتیں ہیں۔ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ہلاکت کو ذکر فرمایا ہے۔ناپ تول میں کمی کرنا یقیناً ایک بڑا جرم ہے، جو دنیا اور آخرت دونوں مقام میں بندے کو تباہ کردیتا ہے۔

آیتوں کا شان نزول

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ منورہ کے لوگ جن کے عام معاملات کیل یعنی ناپ کے ذریعے ہوتے تھے، وہ اس معاملے میں چوری کرنے اور کم ناپنے کے بہت عادی تھے، اس پر یہ سورۂ مطففین نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی نازل ہوئی۔وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ میں یہ رواج اس وقت عام تھا کہ جب خود کسی سے سودا لیتے تو ناپ تول پورا پورا لیتے تھے اور جب دوسروں کو بیچتے تو اس میں کمی

اور چوری کیا کرتے تھے۔اس سورت کے نازل ہونے پر یہ لوگ اس رسم بد سے باز آ گئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے میں معروف ومشہور ہیں۔ (معارف القرآن:۸/ ۶۹۳)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آیتیں ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئیں، جو ابوجہینہ کے نام سے معروف تھا،اس کا نام عمرو تھا۔اس کے پاس دو صاع (پیمانے) تھے وہ ایک صاع سے لیتا اور دوسرے صاع سے دیتا تھا۔(تفسیر قرطبی مترجم:۱۰/ ۲۵۵)

ناپ تول کے متعلق قرآنی آیات

قرآن کریم کی متعدد آیات میں ناپ تول کو پورا پورا ادا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

(۱) سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ [الانعام:۱۵۲]

تم ناپ تول کو پورا کرو انصاف کے ساتھ۔اس آیت میں اور اس سے پہلے والی اور بعد والی آیت میں کل دس احکام بتلائے گئے ہیں۔یہ دس احکام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت تک برابر چلے ہیں اور کبھی منسوخ نہیں ہوئے ہیں۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصیت نامے کو دیکھے جس پر آپ کی مہر بھی لگی ہو تو وہ ان تین آیتوں کو پڑھ لے۔ (معارف القرآن:۳/ ۴۸۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کون ہے جو ان تین آیتوں پر مجھ سے بیعت ہوتا ہے؟ اور جو شخص مجھ سے بیعت ہو جائے ان تین آیتوں

پراور اس پر عمل پیرا ہوا اور اللہ کے عہد کو پورا کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے میں ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب احبار جو کہ علمائے یہود میں سے تھے اور ان کے مشہور و معروف علما میں تھے اسی لیے ان کو احبار کہا جاتا ہے بعد میں وہ مشرف بہ اسلام ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ان تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دس احکام دیے ہیں تورات کی ابتدا انھی احکام سے ہوتی ہے۔ ان دس احکام میں ایک چیز ناپ تول کو پورا کرنا بھی ہے۔ (معارف القرآن: ۳/ ۴۸۰)

(۲) سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل: ۳۵]

جب تم ناپو تو پورا پورا ناپو اور بالکل صحیح ترازو سے وزن کرو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔

(۳) سورۂ شعراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ ۝ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ۝ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِي الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ۝ ﴾ [الشعراء: ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳]

اے لوگو! ناپ کو پورا کرو اور ناپ تول گھٹانے والوں میں سے نہ بنو، بالکل ٹھیک ترازو سے تولو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

ناپ تول کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، جب کسی تنگ دست کو دیکھتا تو اپنے نوکروں سے کہہ دیتا کہ اس سے درگزر کر جاؤ، شاید اللہ تعالیٰ آخرت میں ہم سے درگزر فرمائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

(بخاری: کتاب البیوع/باب من انظر معسرا/رقم الحدیث: ۲۰۷۸)

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تولنے والے کو دیکھا تو فرمایا کہ تولو اور جھکتا ہوا تولو۔

ناپ تول کا تعلق کن چیزوں سے ہیں؟

یہاں یہ بات سمجھ لی جائے کہ ناپ تول کا تعلق فقط خرید وفروخت سے ہی نہیں، بلکہ اور بھی چیزوں سے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ بڑا مشہور ہے:

لكل شئ وفاء و تطفيف

کہ ہر چیز میں پورا کرنا اور کمی کرنا ہوتا ہے۔ (موطا مالک: کتاب الصلوۃ/جامع الوقوت/رقم الحدیث: ۲۲)

ناپ تول میں کمی صرف خرید وفروخت کے سامان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے اس کا یہی حکم ہے خواہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے ہر ایک میں حقدار کے حق میں کم دینا بھی ناپ تول میں کمی میں شمار ہوگا۔ ہماری جانب سے ان ساری چیزوں میں کمی پائی جاتی ہے۔

خرید وفروخت اور ناپ تول

سب سے پہلے ناپ تول میں کمی ہماری طرف سے خرید وفروخت میں ہوتی ہے۔ اس پر دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپ تول والوں سے فرمایا کہ تمھارے دوایسے کام کیے گئے ہیں (یعنی ناپ اور تول) جس میں تم سے پہلے کی امتیں ہلاک ہوگئیں۔(ترمذی: ابواب البیوع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی المکیال و المیزان / رقم الحدیث:۱۲۱۷)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں، میں نے لوگوں کو مار کھاتے ہوئے دیکھا ہے کہ جب وہ گیہوں کے ڈھیر بغیر تولے اندازے سے خریدتے اور اپنے مکانوں پر لے جانے سے پہلے بیچ ڈالتے۔(ابوداود: کتاب الاجارۃ / باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی / رقم الحدیث:۳۴۹۸)

یہاں مار سے مراد تعزیر ہے، جو ایک طرح کی شرعی سزا ہے۔

عمدہ مال کی جگہ گھٹیا مال دینا

ناپ تول میں کمی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عمدہ مال بتلایا جائے، اس کی قیمت وصول کی جائے، مگر جب ادائی کا وقت ہو تو گھٹیا اور ردی مال دیا جائے، عیب دار سامان دیا جائے اور اس کے عیب کو نہ بتلایا جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غلے کے ڈھیر سے گزرے، تو آپ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ داخل کیا۔ آپ کی انگلیاں تر ہوگئیں، تو آپ نے فرمایا اے غلہ والے! یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بارش سے بھیگ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے اوپر کیوں نہیں کردیا تاکہ لوگ دیکھ سکیں؟ پھر آپ نے فرمایا کہ جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(مسلم: کتاب الایمان / باب من غش

فلیس منا/رقم الحدیث: ۱۰۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی دھوکے بازی بھی ناپ تول کی کمی شامل ہے۔مثلاً گوشت بیچنے والے اگرضرورت سے زائد ہڈی کوشامل کرے یا سبزی بیچنے والے وزن بڑھانے کے لئے مقدار سے زیادہ پانی ملادے تو یہ بھی ناپ تول کی کمی میں شامل ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں کپڑے کے بڑے تاجر تھےاور آپ کا کاروبار نہایت ہی وسیع پیمانے پر تھا۔آپ کا مال تجارت دوردراز علاقوں میں بھی بھیجا کرتے تھے، نیز ضروری اشیاء باہر سے منگواتے بھی تھے۔تجارت وکاروبار میں سچائی اوردیانتداری کا ایسا خیال رکھتے تھے کہ اس کی مثال کم ہی اس روئے زمین پرمل سکتی ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے دکان سے کہیں جاتے وقت کپڑوں کی تھان نوکر کے سپرد کیا اورفرمایا اگرکوئی اسے لےتو اسے کپڑوں کا عیب دار ہونا بتادینا۔ پھر جب آپ دکان واپس آئےتو دیکھا کہ کپڑے بک چکے ہیں۔آپ نے ملازم سے دریافت فرمایا کہ تم نے ان کپڑوں کا عیب دار ہونا خریدنے والے کو بتادیا تھااس پرخادم نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں بھول گیا تھا مجھے یاد ہی نہ تھا۔اس پرامام صاحب نے کپڑوں کی پوری قیمت جس کی مالیت تیس ہزاردرہم تھی صدقہ فرمادی۔

اللہ اکبر! کیا اس سے بڑھ کربھی کوئی دیانتداری کا ثبوت پیش کرسکتا ہے۔

آج کل لوگوں کا حال تو یہ ہوچکا ہے کہ صرف یہ نہیں کہ عیب نہیں بتلاتے، بلکہ جانتے ہیں کہ یہ عیب ہے،اس میں یہ خرابی ہے،اس کے باوجود قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ یہ بہت اعلیٰ

اور عمدہ چیز ہے۔

تین خسارہ پانے والے

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کریں گے، نہ ان کی جانب نظر رحمت فرمائیں گے، اور نہ انھیں گناہوں سے پاک وصاف کریں گے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تین مرتبہ دہرایا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ لوگ تو سخت نقصان اور خسارہ پا گئے، کون ہیں یہ لوگ اے اللہ کے رسول؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور اپنے سامان کو جھوٹی قسم کھا کر فروخت کرنے والا۔ (مسلم: كتاب الايمان/باب تحريم اسبال الازار/رقم الحديث: ١٠٦)

ملاوٹ کرنا

ناپ تول میں کمی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خالص اور عمدہ چیز میں نقلی چیز کی ملاوٹ کی جائے۔ مثلاً آپ نے کسی کو دس کلو آٹا بیچا اور اس میں آدھا کلو کوئی دوسری چیز ملادی۔ اب اس ملاوٹ کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے آدھا کلو میں اس کی حق تلفی کی ہے، اور اس کی جو قیمت آپ نے وصول کی ہے وہ آپ کے لیے ناجائز اور حرام ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں یہ بات عام ہے۔ دودھ کے اندر پانی ملا کر فروخت کیا جارہا ہے، لال مرچ میں اینٹ کا پاؤڈر ملایا جارہا ہے، اعلیٰ گیہوں میں ادنیٰ قسم کے گیہوں ملائے جارہے ہیں، خالص گھی میں نقلی گھی ملایا جارہا ہے۔ یہ ساری چیزیں ناجائز اور حرام ہے۔

کم گن کر دینا

ناپ تول میں کمی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو چیز ناپ کر یا عدد کے اعتبار سے دی جاتی ہے اس میں کمی کر دی جائے۔ جیسے کپڑا اور زمین وغیرہ اگر ایک سینٹی میٹر بھی اس میں کمی کی گئی تو یہ بھی گناہ اور حرام ہے۔ بالکل اِسی طرح وہ چیزیں جنھیں گن کر بیچا جاتا ہے جیسے انڈا اور بعض پھل وغیرہ اگر اسے کم کر دیا گیا اور لینے والا نہ سمجھ سکا تو ایسا کرنے والے کو بھی ناپ تول میں کمی کرنے والا کہا جائے گا۔

مزدوری وقت پر نہ دینا

ناپ تول میں کمی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری وقت پر نہ دی جائے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔ (ابن ماجہ: کتاب الرہون / باب اجر الاجراء / رقم الحدیث: ۲۴۴۳)

جب تم نے اس سے مزدوری کروائی اور اس نے مزدوری پوری کر لی تو اب بلا وجہ تاخیر کرنا مناسب نہیں، یہ بھی ناپ تول کی کمی میں شامل ہے۔

آج کل بڑے لوگوں کا حال یہ ہو چکا ہے کہ وہ اجرت، مزدروی اور تنخواہ وقت پر دیتے نہیں، یہ بالکل مناسب نہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک نوکر رکھا اور یہ طے کیا کہ تمھیں اتنی تنخواہ اور روزانہ دو وقت کا کھانا دیا جائے گا،

لیکن جب کھانے کا وقت آتا ہے تو آپ پلاؤ اور زردے اڑاتے ہیں اور نوکر کو بچا کچا کھانا دیا، جس کو ایک معقول اور شریف آدمی پسند نہ کرے وہ دے دیا تو یہ بھی ایک طرح کی ناپ تول میں کمی ہے۔ (جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال/ص:۴۲۱)

مزدوری کم دینا

ناپ تول میں کمی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری کم کر کے دی جائے۔ جو اس کا حق ہو اور جتنا آپ نے اس کے ساتھ معاوضہ طے کیا ہے وہ دینا آپ کی ذمے داری ہے، اس میں کمی کی اجازت نہیں۔

ملازمت کے اوقات میں کمی

ناپ تول میں کمی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ملازمت کے اوقات میں کمی کر دی جائے اور تنخواہ پوری وصول کی جائے۔ مثلاً آپ کی ڈیوٹی آٹھ گھنٹے کی ہے، اب اس میں ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کی محفل سجائی جائے، چائے ناشتہ کا دور چلے اور جس کام کے لیے آپ کو متعین کیا گیا ہے وہ ایسا ہی پڑا رہے، جیسا کہ سرکاری محکموں میں ہوتا ہے تو یہ بھی ناپ تول میں کمی ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے اداروں میں، اسکولوں میں، دفتروں میں، کالجوں میں تنخواہ بڑھانے کے لیے احتجاج کیا جاتا ہے، نعرے لگائے جاتے ہیں، لیکن کیا کبھی ان سب چیزوں سے پہلے یہ کوئی سوچتا ہے کہ ہمیں کتنا وقت دینا چاہیے تھا، اور ہم نے کتنا وقت دیا ہیں؟

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا قابل تقلید عمل

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد تھے۔ جب آپ وہاں مدرس ہوئے اور برسہا برس آپ نے درس دیا تو آپ کی تنخواہ دس روپیہ ماہانہ تھی۔ جب آپ بڑھاپے کو پہنچے اور آپ کی خدمات بھی بہت تھی تو مجلس شوریٰ نے طے کیا کہ آپ کی تنخواہ بڑھائی جائے۔ تو آپ کی تنخواہ دس روپیہ ماہانہ دس سے پندرہ روپیہ ماہانہ کر دی گئی۔ جب اگلے مہینے آپ کی تنخواہ پہنچی آپ نے دیکھا کہ پندرہ روپیہ ہے تو حیران ہو گئے کہ دس روپیہ کے بجائے پندرہ روپیہ کیسے؟ دفتر میں تحقیق کی تو بتایا کہ مجلس شوریٰ نے آپ کی تنخواہ بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب بوڑھاپے میں بڑھائی، اب تو میرا کام کم ہو گیا ہے۔ جب میں جوان تھا تو دو دو تین تین گھنٹے مسلسل پڑھایا کرتا تھا۔ اور اب تو میں ضعیف ہوں کہ پڑھانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جو پانچ روپیہ بڑھے تھے اسے واپس کر دیے۔ (اصلاحی خطبات: ۱۸۵/۳)

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

احمد آباد میں ایک صاحب جو ماشاء اللہ دیندار ہیں، دعوت و تبلیغ سے بھی منسلک ہیں، وہ ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ کے والد مرحوم جیسا زاہد فی الدنیا میں نے نہیں دیکھا۔ کہنے لگے کہ احمد آباد میں جب آپ کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ امامت کرتے تھے ایک مسجد میں تو ان کی تنخواہ بڑھانا چاہا، تو فرمایا ابھی مجھے ضرورت نہیں، میرا گزران ہو جاتا ہے۔ پھر جب ان کی شادی ہوئی تو متولیان سے کہا کہ اب بڑھا دو، اُس وقت ضرورت نہیں تھی، اب ضرورت ہے۔

امتحان میں کم نمبر دینا

ناپ تول میں کمی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ امتحان میں جیسا لکھا ہے اتنے نمبر دیے جائیں یا اس سے کچھ زائد، لیکن کم کرکے دینا یہ بھی ناپ تول میں کمی ہے۔

آج کل اسکول و مدارس سب جگہوں کا حال یہ ہے کہ جو طالب علم جس استاذ کا یا ٹیچر کا چمچا ہوگا اس کو زیادہ نمبر دئے جاتے ہیں، اور جو واقعی ذہین ہوتا ہے وہ مارکھا جاتا ہے۔

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محترم کا عمل

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاذ تھے دارالعلوم دیوبند میں قاری کلاس کے۔ بیچارے اللہ میاں کی گائے تھے۔ کبھی کسی کو فیل نہیں کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا سب سے اخیر میں نمبر دیتے تھے۔ اُس زمانہ میں دارالعلوم میں قانون تھا کہ آپ کو اپنا کھانا جاری رکھنا ہو تو اتنے نمبر آنا ضروری ہے۔ اب کوئی طالب علم آتا اور کہتا حضرت! دس نمبر گھٹ رہے ہیں، کھانا بند ہو جائے گا۔ اور چونکہ وہ غربت کا دور تھا، بیچارہ طالب علم اگر کھانا بند ہو گیا تو انتظام کہاں سے کرتا؟ حضرت فرماتے اچھا! دس نمبر گھٹ رہے ہیں؟ کیا نام ہے تیرا؟ پھر اس کا پرچہ نکالتے اور ۵۰ میں ۶۰ نمبر دے دیتے۔ بیچارے اتنے بھولے تھے۔

پھر دفتر میں سے کہلوایا کہ آپ کسی طالب علم کو ۵۰ سے زیادہ نمبر نہیں دے سکتے۔ اب سب سے پہلے حضرت کے نمبر آنے لگے کہ سب کے ہی ۵۰ میں سے ۵۰۔

ایک مرتبہ ایک طالب علم بیمار ہوا اور گھر چلا گیا اور وہاں اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اتنے بھولے تھے کہ کبھی کسی کی غیر حاضری بھی نہیں لکھتے تھے، سب کی حاضری لکھی جاتی۔ اب جو طالب علم انتقال کر گیا اس کی بھی حاضری لکھی جا رہی ہے۔ دفتر میں سے کہلوایا کہ وہ طالب علم آپ کے یہاں آتا ہے؟ فرمایا ہاں! آتا ہے۔ کہا گیا کہ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ فرمانے لگے

اچھا! وہ مر گیا۔

ادائے حقوق میں کمی

ناپ تول میں کمی کی ایک صورت یہ ہے کہ ادائے حقوق میں کمی کی جائے۔ شریعت اسلامیہ نے حقوق پر بڑا زور دیا ہے۔ حقوق دونوں طرف سے رکھے گئے ہیں۔ شوہر پر بیوی کے، بیوی پر شوہر کے، اولاد پر والدین کے، والدین پر اولاد کے۔

آج ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ شوہر تو چاہتا ہے کہ بیوی میرے سارے حقوق ادا کرتی رہے، گھر کے سارے کام کو انجام دیتی رہے اور میرے ماتھے پر شکن نہ آئے، چشم اور ابرو کے اشارے کی منتظر رہے، اس طرح شوہر اس سے اپنے سارے حقوق وصول کرتا ہے، لیکن جب اس کے حقوق کا نمبر آتا ہے تو کمی کی جاتی ہے۔

مہر کی معافی

پوری زندگی میں شوہر پر بیوی کا مالی حق صرف ایک ہی آتا ہے مہر، لیکن اس میں بھی ناپ تول میں کمی ہو رہی ہے۔ اولاً اتنا کم مہر رکھا جاتا ہے جو نہ کے برابر۔ میں تو کہتا ہوں کہ اتنی رقم میں بکری نہیں آتی، بیری کیسے آئے گی؟ پھر جب مہر کی ادائیگی کا وقت ہوتا ہے تو پہلو تہی اختیار کی جاتی ہے۔ پوری زندگی اس سے فائدہ اٹھاتے رہے، اپنے حقوق وصول کرتے رہے اور جو اس کا حق تھا اس میں ڈنڈی مار گئے۔ کتنے علاقوں میں تو عورتوں سے بیماری کے ایام میں زبردستی مہر معاف کروایا جاتا ہے۔

اسی طرح اولاد کے متعلق ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے حقوق ادا کرتی رہیں، لیکن ہم ان کے حقوق ادا کرنے میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص اپنے بیٹے کو پکڑ کر لایا، اور کہا یہ میرا بچہ ہے، اور میرا نافرمان ہے، میری بات نہیں مانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سمجھایا کہ بھائی یہ تیرا باپ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سمجھایا کہ اپنے باپ کے بڑے حقوق ہیں، وہ سنتا رہا۔ پھر وہ بچہ کہنے لگا کہ آخر اولاد کے بھی تو کچھ حقوق ہوں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں، کیوں نہیں؟ اولاد کا حق یہ ہے کہ اس کی اچھی ماں کا انتخاب کیا جائے، اس کا اچھا نام رکھا جائے۔ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے حقوق بتلانے جا رہے تھے کہ وہ بچہ بولا کہ میرے باپ نے میرے یہ دونوں حق ضائع کر دیے۔ اول تو یہ کہ میرے لیے اچھی ماں کا انتخاب نہیں کیا، میری ماں ایک باندی ہے، جس کو میرے باپ نے ۴۰۰ درہم میں خریدا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب میری ماں باندی ہے تو اس کے اخلاق کیسے ہوں گے؟ وہ کوئی شریف عورت نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ میرے باپ نے میرا نام اچھا نہیں رکھا، میرا نام جعل رکھا۔ اور جعل کے معنی ہے گوبر کا کیڑا۔ تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، اس باپ پر بگڑ گئے کہ تو نے کونسے اس کے حق ادا کیے؟

(الجواہر الزواہر ص:

عبادات میں کمی

ناپ تول میں کمی کی ایک صورت یہ ہے کہ عبادت جس طرز پر ادا کرنی چاہیے اس میں کوتاہی کی جائے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع سجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا، جلدی جلدی ختم کر ڈالتا ہے، تو اس کو فرمایا:

لقد طففت

یعنی تو نے اللہ کے حق میں تطفیف یعنی کمی کر دی۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھتا ہے اور آداب وتعدیل ارکان میں کوتاہی کرتا ہے۔ تو آپ نے اس سے پوچھا کہ اس طرح سے تم نماز کب سے پڑھ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ چالیس سال سے۔ (موطا مالک: کتاب الصلوۃ/جامع الوقوت/رقم الحدیث: ۲۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم نے ایک نماز نہیں پڑھی اور یاد رکھو اس طرح تم نماز پڑھتے ہوئے مر گئے تو تم فطرت محمدی کے خلاف مرے ہو۔ (معارف القرآن: ۶/۴۵)

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک دیہاتی صاحب آئے اور انھوں نے جلدی جلدی نماز پڑھی، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور سلام کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ نماز پڑھو، اس لیے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ گئے اور پھر جلدی جلدی نماز پڑھ کر حاضر خدمت ہوئے تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ نماز پڑھو، اس لیے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے نماز سکھا دیجیے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں نماز سکھائی۔ (بخاری: کتاب الاذان/باب امر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ/رقم الحدیث: ۷۹۳)

یہاں یہ بتلانا ہے کہ جلدی جلدی نماز پڑھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز نہ پڑھنا ہی شمار کیا ہے۔ معلوم ہوا یہ بھی ناپ تول میں ایک طرح کی کمی ہے۔

اسی طرح روزے تو رکھے جائیں مگر اس کے وہ آداب جو علما نے بتلائے ہیں، اس میں کوتاہی کی جائیں تو یہ بھی ناپ تول کی کمی میں شامل ہے۔

ناپ تول میں کمی کا انجام

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ ناپ تول میں کمی کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، اب ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ ناپ تول میں کمی کا انجام کیا ہوگا؟

قوم شعیب کا انجام

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم یعنی مدین والوں میں جہاں شرک اور بت پرستی عام تھی، اسی طرح وہ قوم ناپ تول میں بھی کمی کیا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے خطیب الانبیا حضرت شعیب علیہ السلام کا انتخاب فرمایا۔ انھوں نے ایک زمانے تک مختلف انداز میں اپنی قوم کو سمجھایا، لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ فرمالیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر اول تو ایسی سخت گرمی مسلط ہوئی جیسے جہنم کا دروازہ ان کی طرف کھول دیا گیا ہو جس سے ان کا دم گھٹنے لگا نہ کسی سایے میں چین آتا تھا نہ پانی میں۔ یہ لوگ گرمی سے گھبرا کر تہہ خانوں میں گھس گئے تو وہاں اوپر سے بھی زیادہ سخت گرمی پائی۔ پریشان ہو کر شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ سب لوگ گرمی سے بدحواس تھے دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس وقت یہ سارا بادل آگ ہو کر ان پر برسا اور زلزلہ بھی آیا جس سے یہ سب لوگ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے (معارف القرآن: ۳/ ۶۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ ناپ تول میں کمی کا انجام کیا ہوتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا پڑوسی

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی تھا۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو وہ کہنے لگا آگ کے دو پہاڑ ہیں، آگ کے دو پہاڑ ہیں۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ تو یہ کیا کہتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میرے پاس دو پیمانے تھے، ایک سے لیتا تھا اور دوسرے سے دیتا تھا۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ واقعی اس کے پاس دو پیمانے تھے۔ (جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال/ص: ۴۳۲)

یہ حشر ہے اس آدمی کا جو ناپ تول میں کمی کرے۔ یہ چوری بھی ہے، خیانت بھی ہے، دھوکا بھی ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ناپ تول میں کمی کا انجام اس واقعے سے سمجھیں کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو ایک آدمی کے متعلق بتلایا گیا کہ وہ قریب الموت ہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس تشریف لے گئے اور کلمہ کی تلقین کی تو کہنے لگا مجھ سے کلمہ پڑھا نہیں جاتا۔ کلمہ پڑھنے جاتا ہے تو اس کی زبان سے دس گیارہ، دس گیارہ کا لفظ ہی نکلتا ہے۔ وہ کہنے لگا جناب! جب آپ مجھ سے کلمہ پڑھواتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ آگ کا ایک پہاڑ مجھ پر حملہ کرے گا۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے معلوم کیا کہ یہ کیا عمل کرتا تھا؟ پتہ چلا کہ یہ ناپ تول میں کمی کرتا تھا اور دھوکے سے ملا لیا کرتا تھا۔ (جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال/ص: ۴۳۱)

ایک حاجی صاحب کا واقعہ

علامہ کمال الدین دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’’حیوۃ الحیوان‘‘ میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ چند مختلف علاقوں کے کچھ لوگ حج کے لیے نکلے۔ حج سے فراغت پر جب وہ لوگ واپس آئے تو مکہ مکرمہ سے کچھ دوری پر ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا۔ ساتھیوں نے قبر تیار کی اور جب نمازِ جنازہ پڑھ کر اس کو قبر کے پاس لے گئے تو دیکھا ایک غضبناک سانپ پھنکار مارتا ہوا اس میں موجود ہے۔ چنانچہ اس کو اس قبر میں دفن نہیں کیا اور کچھ فاصلے پر دوسری قبر کھودی گئی۔ جب اس کو اٹھا کر وہاں لائے تو دیکھا کہ وہ سانپ تو وہاں بھی موجود ہے۔

لوگوں نے خیال کیا کہ شاید یہ سانپوں کی سرزمین ہے، اس لیے دفن کے بارے میں مشورہ کرنے اور فتویٰ حاصل کرنے کے لیے ایک ساتھی کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فتویٰ پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اس مردہ کو عذابِ قبر میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، اگر تم پوری زمین بھی کھود دوں گے تو عذاب کو ہر جگہ پاؤ گے، جاؤ تم اس کو وہیں دفن کر دو۔

فتویٰ پانے کے بعد لوگوں نے اپنے ساتھی کو اسی قبر میں اوپر سے ڈال دیا تو لوگوں نے یہ عبرتناک منظر دیکھا کہ سانپ نے سب سے پہلے اس س کی زبان پر حملہ کیا اور اس کی زبان کو کاٹنے لگا۔ لوگوں نے گھبرا کر جلدی جلدی قبر کو بند کر دیا۔

جب یہ لوگ اپنے علاقوں میں پہنچ گئے تو اُن حاجی صاحب کے مکان پر گئے اور ان کی اہلیہ سے پوچھا کہ آپ کے شوہر کیسے تھے؟ بیوی نے کہا کہ بڑے نمازی تھے، روزے دار تھے، زکوۃ کے پابند تھے اور حج کے لیے تو تمھارے ساتھ گئے تھے، ان کے سب کام اچھے تھے۔ ساتھیوں نے ان کی قبر کی داستان سنائی تو بیوی کہنے لگی کہ ہاں! میرے شوہر کی ایک

بات مجھے یاد آئی کہ وہ تاجر تھے، اور جب کسی سے سو بوری گیہوں کا بھاؤ طے کرتے تو سو بوری گیہوں میں سے دس اپنے لیے رکھ لیتے اور اس کی جگہ جو خرید کر اس میں ملا کر فروخت کر دیتے تھے۔

یہ چونکہ حرام فعل تھا کہ گیہوں کا بھاؤ طے کیا اور اس کی جگہ جو ملا کر دے دیے تو اس پر یہ سزا ملی کہ قبر کے عذاب میں گرفتار کر لیے گئے، آخرت میں کیا حشر ہوگا وہ تو اللہ بہتر جانے۔

(جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال/ص:۴۳۱)

پانچ برائیوں کی سزا

ایک حدیث پاک میں ہے کہ جناب رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ

(۱) جس قوم میں خیانت کی بیماری پھیلتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں غیروں کے رعب کو داخل فرماتے ہیں۔

(۲) جس قوم میں زنا کی کثرت ہوتی ہے وہاں موت کی بھی کثرت ہونے لگتی ہے۔

(۳) جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے وہاں سے رزق میں برکت اٹھالی جاتی ہے۔

(۴) جو قوم ناحق پر فیصلہ کرتی ہے وہاں فتنہ اور فساد خون ریزی اور قتل وغارت گیری عام ہونے لگتی ہے۔

(۵) اور جو کوئی قوم عہد و پیمان کو توڑنے لگتی ہے اللہ تعالی اس پر دشمنوں کو مسلط فرما دیتے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح/ص: ۴۵۹)

ویل کی تفسیر

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی سزا کو قرآن کریم نے بیان کیا تو فرمایا:

﴿وَيۡلٞ لِّلۡمُطَفِّفِينَ۝﴾ [المطفين:۱]

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔خرابی کے معنیٰ بیان کرنے کے لیے لفظ لایا گیا ہے ''ویل''۔سوال یہ ہے کہ ویل کے اصل معنیٰ کیا ہے؟

ویل کے اصل معنیٰ حسرت اور رسوائی کے ہے۔اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔

(۱) ویل جہنم کے ایک دروازے کا نام ہے۔

(۲) بعض کی رائے یہ ہے کہ ویل جہنم کے ایک گڑھے کا نام ہے۔

(۳) ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، جس میں کفار کو ڈالا جائے گا تو تہہ میں پہونچتے ہوئے چالیس سال لگ جائیں گے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ ویل جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔(تفسیر بغوی مترجم:۱/ ۱۱۳)

اللہ تعالیٰ ناپ تول میں ہونے والی کمی اور کوتاہیوں کی تمام صورتوں سے ہم سب کی مکمل حفاظت فرمائیں۔(آمین)

وصلی اللہ علی النبی الکریم

مضمون:(۲۷)

تفسیر

سورۃ الاخلاص

تعارف

۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

۰۹؍مئی ۲۰۲۱ء

بروز:اتوار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین أما بعد!

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ○
وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

سورۃ الاخلاص کا تعارف

اس سورۃ کا نام سورۃ الاخلاص ہے، اخلاص کا مطلب دل کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے لیے خاص کرنا ہے۔ گویا یہ انسانوں کے قلوب کو اللہ کی توحید کے لیے مختص کرنے والی سورت ہے۔ اس میں خدا کی توحید کا ذکر ہے۔ اس کی چار آیات، پندرہ الفاظ اور اڑتالیس حروف ہیں۔ یہ چھوٹی سورت ہے۔ (معالم العرفان: ۵۵۸/۲۰)

سورۃ الاخلاص کی ایک خصوصیت

قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے صرف دو سورتیں ایسی ہیں جن میں اس سورت کا نام نہیں ہے۔ ایک سورۃ الفاتحہ اور دوسری سورۃ الاخلاص۔ ان دونوں کے علاوہ باقی تمام سورتوں میں اس سورت کا نام موجود ہے۔

سورۃ الاخلاص مکی ہے یا مدنی؟

یہ سورت مکی ہے یا مدنی؟ مکی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے نازل ہونا ،اور مدنی ہونے کا مطلب ہے ہجرت کے بعد نازل ہونا۔ اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے کے سلسلے میں تین قول ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکی کہا ہے۔
(۲) حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے مدنی کہا ہے۔
(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دونوں قول منقول ہیں۔ (معارف القرآن: ۸/۸۴۳)

سورۃ الاخلاص کا شان نزول

مفسرین نے لکھا ہیں کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا تھا ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (ترمذی: ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/باب ومن سورۃ الاخلاص/رقم الحدیث: ۳۳۶۴)

بعض روایات میں وضاحت آئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عامر نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کس کی طرف ہمیں دعوت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ عامر نے کہا کہ اللہ کی توصیف بیان کیجیے، ہمیں بتا دیجیے کہ وہ سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا ہے یا لکڑی کا؟ اس پر سورۃ الاخلاص نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اربد کو بجلی سے ہلاک فرما دیا اور عامر بن طفیل طاعون میں ہلاک ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس طرح کا لغو سوال کرنے والے یہودی تھے۔ اگر یہ سوال یہود کی طرف سے تھا تو یہ سورۃ مدنی ہوگی، کیوں کہ یہود مدینہ منورہ میں آباد تھے۔ (تفسیر بغوی مترجم: ۶/۵۷۹)

اخلاص نام رکھنے کی وجہ

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ اس سورۃ کا نام اخلاص کیوں رکھا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں خالص توحید ہی بیان کی گئی ہے اس لیے اس کا نام سورۃ الاخلاص معروف ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس سورت کا نام سورۃ الاخلاص مروی ہے۔ (تفسیر عزیزی مترجم: ۴/۵۷۰)

فضائل سورۃ الاخلاص

سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے ذخیرے میں سورۃ الاخلاص کی بہت سی فضیلتیں آئی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ تہائی قرآن کیسے پڑھا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قل ھواللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔ یعنی جس شخص نے رات میں یہ سورت پڑھ لی گویا اس نے تہائی قرآن پڑھ لیا۔ (بخاری: کتاب فضائل القرآن/باب فضل قل ھو اللہ احد/رقم الحدیث: ۵۰۱۵)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو امیر بنا کر ایک لشکر کے ساتھ بھیجا۔ وہ شخص نماز میں اپنے رفقا کی امامت کرتا تھا، اور اس کا معمول تھا کہ اپنی قرأت قل ھو اللہ پر ختم کرتا تھا۔ جب وہ لشکر کے لوگ واپس آئے تو انھوں نے اس کا تذکرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس شخص سے دریافت کرو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ اس لیے کرتا ہوں کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت وحدانیت بیان کی گئی ہے، اور میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی صفت وحدانیت کے

اظہار کے پیش نظر اس سورت کو ہمیشہ پڑھتا رہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اس شخص کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے۔

(بخاری: کتاب التوحید / باب ماجاء فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتہ الی توحید اللہ تبارک و تعالیٰ / رقم الحدیث: ۷۳۷۵)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس سورت یعنی قل ھو اللہ کو دوست رکھتا ہوں، یعنی اسے اکثر پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ اس سورت سے تمھاری دوستی تمھیں جنت میں داخل کرے گی۔ (ترمذی: ابواب فضائل القرآن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص / رقم الحدیث: ۲۹۰۱)

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر روز دو سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے تو اس کے نامہ اعمال میں سے پچاس برس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں سوائے یہ کہ اس پر قرض ہو۔ ایک اور روایت میں دو سو مرتبہ کی بجائے پچاس مرتبہ کا ذکر ہے نیز اس روایت میں سوائے یہ کہ اس پر قرض ہو کے الفاظ مذکور نہیں ہیں۔

(ترمذی: ابواب فضائل القرآن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص / رقم الحدیث: ۲۸۹۸)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے، اور پھر اپنی داہنی کروٹ پہ لیٹ کر سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے گا، تو قیامت کے دن پروردگار اس سے فرمائے گا کہ اے میرے بندے! جنت

میں اپنی دائیں طرف سے داخل ہوجا۔ (ترمذی: ابواب فضائل القرآن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص/ رقم الحدیث: ۲۸۹۸)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا تو فرمایا کہ اس کے لیے واجب ہوگئی؟ میں نے عرض کیا کہ کیا چیز واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت۔ (ترمذی: ابواب فضائل القرآن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص/ رقم الحدیث: ۲۸۹۷)

(۷) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں کہ جو تورات، انجیل، زبور اور قرآن سب میں نازل ہوئی ہیں، اور فرمایا کہ رات کو اس وقت تک نہ سوؤ جب تک ان تینوں (معوذتین اور قل ہو اللہ احد) کو نہ پڑھ لو۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت سے میں نے کبھی ان کو نہیں چھوڑا۔ (مسند احمد: مسند الشامین/ حدیث عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ/ رقم الحدیث: ۱۷۴۵۳)

(۸) ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح اور شام قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھ لیا کرے تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ (ابوداود: کتاب الادب/ باب مایقول اذا اصبح/ رقم الحدیث: ۵۰۸۲)

(۹) حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لی اس کے لیے جنت میں ایک محل بنادیا جائے گا، اور جس نے

بیس مرتبہ پڑھ لی اس کے لیے جنت میں دو محل بنا دیے جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم اس صورت میں تو ہم اپنے بہت زیادہ محل بنالیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ بہت بڑا داتا ہے، جتنا عمل کرلو گے اس کے پاس اس سے بہت زیادہ انعام ہے۔ (مسند احمد: مسند المکیین / حدیث معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ / رقم الحدیث: ۱۵۶۱۰)

لفظ "قل" لانے میں حکمت

اس سورۃ کا آغاز لفظ "قل" سے ہو رہا ہے۔ "قل" کے معنیٰ ہے آپ کہہ دو۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ آپ کہہ دو۔ اس مختصر لفظ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت ثابت ہو گئی۔ اس لیے کہ اس لفظ "قل" کے ذریعے اللہ تعالیٰ براہ راست اپنے نبی سے مخاطب ہو رہا ہے۔ (معارف القرآن: ۸/ ۸۴۳)

لفظ "ھو" لانے میں حکمت

پھر دوسرا لفظ لایا گیا "ھو"۔ ھو کے معنیٰ ہے وہ۔ اس لفظ کو لا کر بتلایا گیا کہ وہ اللہ یعنی جن کا تم نسب پوچھ رہے ہو، اور جن کے بارے میں تم جاننا چاہتے ہوں وہ یکتا ہے، اکیلا ہے۔ (معارف القرآن: ۸/ ۸۴۳)

لفظ "اللہ" کے معنیٰ

پھر تیسرا لفظ لایا گیا "اللہ"۔ شرح تہذیب میں اللہ کے معنیٰ بتلائے گئے:

اللہ علم للذات الواجب الوجود المستجمع لجمیع الصّفات الکمالیّة

کہ اللہ نام ہے اس ذات پاک کا جس میں تمام کمالات اور خوبیاں ہوں، جو تمام خوبیوں کے لیے جامع ہو، اور نقائص سے منزّہ اور پاک ہو۔ تو حق تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے، اور اللہ کے سوا کوئی بے عیب نہیں ہے۔

اور اگر کہا جائے آسمان میں کیا عیب ہے؟ سورج میں کیا عیب ہے؟ ستاروں میں کیا عیب ہے؟ بظاہر تو کوئی عیب نہیں۔ لیکن یہ سب عدم سے وجود میں آئے، یہ آسمان ہو، سورج ہو، ستارے ہو پہلے نہیں تھے۔ حق تعالیٰ نے عدم سے وجود بخشا حق تعالیٰ کے وجود دینے سے وجود میں آئے، یہ بھی تو ایک عیب ہے، اور اس عیب سے سوائے اللہ کی ذات کے کوئی پاک نہیں۔

لفظ ''احد'' لانے میں حکمت

پہلی آیت کا آخری لفظ ہے ''احد''۔ عربی زبان میں ایک کے معنیٰ بتلانے کے لیے احد کا لفظ بھی بولا جاتا ہے اور واحد کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے احد کا لفظ استعمال فرمایا، واحد کا لفظ نہیں، ایسا کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''احد'' اور ''واحد'' دونوں میں فرق ہے۔ ''واحد'' کا لفظ مقابلے کے وقت بولا جاتا ہے، یعنی دو، تین، چار وغیرہ عدد بتلانے ہو تو وہاں ''واحد'' کا لفظ بولا جائے گا۔ اور ''احد'' کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جس کا کوئی مقابل نہ ہو۔ اور ظاہری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقابل کون ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ''واحد'' کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں چیز تو ایک ہی ہو مگر کئی چیزوں سے مل کر بنی ہو۔ مثلاً کرسی ایک ہے، لیکن یہ کئی چیزوں سے مل کر بنی ہے۔ اس میں پائے ہیں، دستہ ہے، بیٹھنے کی جگہ ہے، ٹیک لگانے کی جگہ ہے، تو ایک کرسی کئی چیزوں سے مل کر بن تو اب

اس کو ''واحد'' کہیں گے، لیکن ''احد'' نہیں کہہ سکتے۔ ''احد'' کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جس کا کوئی جز نہ ہو، کوئی پارٹ نہ ہو۔ اور ظاہری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی جز اور پارٹ نہیں ہے۔

(آسان درس قرآن: ۲/ ۹۲)

لفظ ''صمد'' کے معنیٰ

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم صفت بتلائی گئی ''صمد''۔ ہم اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ لفظ ''صمد'' کا ترجمہ بے نیاز کے ساتھ کرنا ادھورا ترجمہ ہے۔ اس لیے کہ بے نیاز کا مطلب ہوتا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں، لیکن ہم سب اس کے محتاج ہے یہ ترجمہ تو بے نیاز کے اندر آیا نہیں۔ اور بات اصل یہ ہے کہ عربی زبان کے اندر اتنی جامعیت ہے کہ اس کے الفاظ کا مکمل ترجمہ کرنے کے لیے ہماری زبانیں ناکافی ہیں۔ (آسان درس قرآن: ۲/ ۹۳)

''صمد'' وہ سردار ہے جس سے برتر و بالا کوئی نہیں جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں اور تمام کاموں میں متوجہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی مترجم: ۱۰/ ۵۴۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ''صمد'' وہ سید ہے جس کی سرداری مکمل ہے، اور وہ شریف ہے جس کا شرف کامل ہے، وہ عظیم ہے جس کی عظمت کامل ہے، وہ حلیم ہے جس کا حلم پورا ہے، اور وہ علیم ہے جس کا علم کامل ہے، وہ حکیم ہے جس کی حکمت پوری ہے، اور وہ ذات ہے جو شرف اور سرداری کے تمام انواع میں کامل ہے۔ (تفسیر قرطبی مترجم: ۱۰/ ۵۴۶)

اللہ تعالیٰ نرادھار ہے

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جیل کے قیام کے دوران میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اردو ترجمہ پڑھ رہا تھا۔ اس میں اَللّٰہُ الصَّمَدُ کا ترجمہ نرادھار نظر سے گزرا۔ چونکہ یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے، اس لیے میں اسے سمجھ نہ سکا۔ جیل میں موجود ایک بہت بڑے پنڈت سے میں نے اس لفظ کا معنی دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا تم کیوں پوچھتے ہو؟ پہلے یہ بتلاؤ کہ یہ لفظ کہاں آیا ہے؟ میں نے کہا پہلے تم اس کا معنی بتاؤ۔ چنانچہ اس پنڈت نے بتایا کہ نرادھار سنسکرت زبان کا لفظ ہے، اور یہ اس ذات کے لیے بولا جاتا ہے جس کی طرف سب چیزیں محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

(ملفوظات فقیہ الامت: ۲ / قسط سابع / ص: ۵۴)

صمد اور صنم میں فرق

حضرت زلیخا پہلے بت پرست تھی، حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق ہوگئی۔ اپنا سارا دھن دولت حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے لیے خرچ کر دیا، لیکن پھر بھی ملاقات میسر نہ ہوئی۔ اب غریب ہوگئی، مال و دولت جاتا رہا، شہر کے کنارہ پر جھونپڑا ڈال لیا، خستہ حال ہوگئی۔ دوسری جانب حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر ہو گئے، مصر کے وزیر خزانہ ہو گئے۔ ایک روز سوچنے لگی کہ یوسف کے معبود نے یوسف کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ وہ غلامی کی زندگی گزار رہے تھے اور آج وہ مصر کے وزیر خزانہ ہو گئے۔ اور میں عزیز مصر کی بیوی تھی اور آج بھکارن ہوگئی، میرا کوئی پرسان حال نہیں۔ لاؤ میں اپنے معبود کو نکالوں۔

زلیخا نے اپنے معبود کو نکالا، صاف کیا، گرد و غبار دور کیا۔ زمین کو لیپا پوتا اور شروع

رات سے اخیر تک بیٹھ گئی، منت وسماجت کرتی رہی کہ دیکھو میرے معبود! یوسف کو اس کے پروردگار نے کہاں سے کہاں پہونچا دیا اور میں بھکارن ہو گئی ہوں، مجھ پر کچھ تو رحم کرو۔ مگر وہ پتھر کا بت ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم، ٹس سے مس نہیں ہوا۔ کوئی جواب نہیں تو غصہ مــیں آ کر زمین پر پٹک دیا۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بگفت ایں رابزد برسنگ خارا	خلیل آسا سکستش پارہ پارہ
تضرع کرد وروبرخاک مالید	بدرگاہ خدائے پاک نالید

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح وہ بھی بت شکن بن گئی۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت عاجزی کی کہ اے پروردگار اگر میں نے برسوں بت پرستی کی تو اپنا ہی نقصــان کیــا ہے۔ اے پروردگار تو میری خطاؤں کو معاف فرما، میری لغزشوں کو معاف فرما۔ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہم نے تیری تمنا پوری کر دی اور تیری خطاؤں کو معاف کر دیا۔ فرشتوں نے کہــا اے پروردگار! یہ برسوں بت پرست رہی اور تو نے اس کی ایک ہی آواز پر لبیک کہہ دی۔ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو صمد وصنم میں کیا فرق رہ جائے گا۔ میں صمد ہوں اور زلیخا جس بت کو پوجتی تھی وہ صنم تھا۔ (تفسیر عرفان القرآن: پارہ: ۱۳ ر ص: ۱۱۴۴)

تیسری آیت

اس سورۃ کی تیسری آیت کا مطلب ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کی اولاد ہیں اور نہ اللہ کی کوئی اولاد ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا، حالانکہ خود کا حال یہ تھا کہ اگر ان کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی تو

پسند نہیں کرتے، آواز تک نہیں سنتے اور اسے زمین میں زندہ گاڑھ دیتے۔ ایک نہیں سینکڑوں لڑکیاں اس طرح دفن کردی گئیں۔ حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ نے ایسی لڑکیوں کو بچانے کا کام شروع کیا تھا اور اسلام لانے تک وہ تین سو لڑکیوں کو بچا چکے تھے۔

دونوں کی نفی

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوگئیں۔ ایک یہ کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اللہ کون ہے؟ کس کا بیٹا ہے؟ ان کا حسب ونسب کیا ہے؟ ان کو بھی جواب مل گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی سے پیدا ہوئے ہی نہیں۔ اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جو لوگ دوسروں کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں انھیں بھی جواب مل گیا کہ جو کسی سے پیدا ہوا ہو، وہ کبھی خدا ہو نہیں سکتا۔

اس کی تردید بلا وقف لازم ہے

چند سال قبل میں ایک وعظ سن رہا تھا حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ حضرت نے وعظ میں ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے ذہن میں اشکال آیا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا لا﴾ [البقرۃ:۱۱۶]

یہ مشرکین کا مقولہ ہے اور سُبْحٰنَهٗ اس کا جواب ہے۔ لہٰذا وَلَدًا کے بعد وقف لازم ہونا چاہیے تاکہ مشرکین کے مقولے میں اور حق تعالیٰ کے جواب میں فصل ہو جائے۔ اب یہ اشکال کسی طرح حل نہیں ہو رہا تھا۔ امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں پہونچے اور یہ اشکال پیش کیا کہ درمیان میں وقف لازم ہونا چاہیے۔ حضرت

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ جواب دیا کہ ارے بھائی! یہاں وقف لازم نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ تو مشرکین کا ایسا مقولہ ہے کہ اس کی تردید بلا وقف لازم ہے۔

چوتھی آیت

اس سورت کی چوتھی اور آخری آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا ہمسر نہیں ہے۔ کُفُوًا کے معنیٰ ہے دو آدمی خوبیوں اور کمالات میں ہم پلہ ہو، ایک دوسرے کی ٹکر کے ہو۔ پوری کائنات میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے کا ہو، اس کی ٹکر کا ہو، اس کا ہم پلہ ہو۔

عقیدۂ توحید

اس پوری سورت کا سب سے بڑا درس ہے عقیدۂ توحید کو ثابت کرنا اور شرک کی نفی کرنا۔ اسلام کے بنیادی عقیدے بھی تین ہیں۔

(۱) توحید: یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

(۲) رسالت: یعنی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت و رسالت کا اقرار کرنا۔

(۳) آخرت: یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے اور حساب و کتاب دینے پر یقین رکھنا۔

ان تینوں میں بھی توحید اصل الاصول ہے۔

توحید کے درجات

حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے چار درجے بیان فرمائے ہیں۔

(۱) توحید ذات: یعنی یہ ماننا کہ ہمیشہ سے موجود ذات اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات صرف

اور صرف اللہ کی ہے۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہمیشہ باقی رہنے والا نہیں ہے۔

(۲) توحید خلق: یعنی یہ ماننا کہ آسمان وزمین، شمس وقمر، عرش وکرسی اور تمام مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، صفت خلق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۳) توحید تدبیر: یعنی یہ یقین رکھنا کہ کائنات میں جو کچھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا، ان سب کا چلانے والا صرف اور صرف اللہ ہے۔اس نظام کو چلانے میں دور دور تک کوئی اس کا شریک نہیں ہے، وہ اپنی مرضی سے جو چاہے فیصلے کرتا ہے۔

(۴) توحید اُلوہیت: یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ معبود برحق صرف اور صرف وہی ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو معبود ماننا، سمجھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔(رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۱/ ۵۹۰)

معلوم ہوا کہ توحید بنیادی عقیدہ ہے۔

ہم نوازیں گے

کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت اور پاک دامنی کو گواہی دینے والا بچہ جب بڑا ہوا تو قحط کے سال پریشان ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں آیا، اور اپنی پہچان بتلا کر معمول سے زیادہ غلہ طلب کیا۔حضرت یوسف علیہ السلام کو پتہ چلا کہ یہ تو وہ ہے جس نے بچپن میں میری پاک دامنی کی گواہی دی تھی، تو اس سے خوش ہو کر خوب نوازا۔

حضرت پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب وحی نازل فرمائی کہ اے یوسف! جس طرح آپ نے دنیا میں اپنی پاک دامنی کی گواہی دینے والے کو خوب نوازا ہے، ہم بھی اسی طرح آخرت میں اپنی وحدانیت کی گواہی دینے والے کو خوب نوازیں گے۔

توحید کی ایک شاندار مثال

عقیدۂ توحید کی ایک بہترین مثال قرآن کریم نے بیان کی ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝﴾ [الحج:٧٣]

اے لوگو! ایک مثال پیش کی جاتی ہے غور سے سنو۔ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ایک مکھی نہیں بنا سکتے، اور مکھی بنانا تو بڑی بات ہے اگر مکھی ان کے منہ سے ان کی خوراک چھین کر لے جائے تو اسے چھڑا نہیں سکتے۔ مشرکین مکہ کی عادت تھی جیسے خود کھاتے تھے ویسے ہی اپنے معبدوں کو بھی کھلانے کی کوشش کرتے۔ یہاں سورت میں ایک مرتبہ دودھ پلایا تھا اور پوری دنیا میں شہرت ہوگئی کہ بھگوان دودھ پینے لگے۔ دودھ پینے میں کیا کمال ہے ہمارا بچہ پیدا ہوتے ہی دودھ پیتا ہے۔ مشرکین مکہ کی بہترین غذا تھی جس سے وہ ناشتہ کرتے تھے وہ یہ کہ انڈے کی زردی اور شہد کو پھینٹ کر کھاتے اور یہی ان کے معبودوں کے منہ پر مل دیتے کولگیٹ کی طرح۔ شہد میں مٹھاس ہے، اور میٹھی چیز پر مکھیاں آنا لازم ہے تو اس پر خوب مکھیاں آتیں، ورشہد چاٹتی اور یہ چٹواتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝﴾

طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی یعنی عابد بھی کمزور اور معبود بھی۔ جو اپنی خوراک بچا نہ سکے وہ کیا دوسروں کو روزی دیں گے اور کیا دوسروں کو بچائیں گے؟

شرک

سورۃ الاخلاص سے ملنے والا دوسرا بڑا سبق شرک کی مذمت اور اس کی نفی ہے۔ تمام گناہوں میں سب سے خطرناک اور سنگین گناہ جو ناقابل معاف ہے وہ شرک ہے۔ شرک سفید جھوٹ ہے۔ اسلام ہلکے درجے کے بھی شرک کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ شرک سب سے بڑی بغاوت ہے۔ جس خالق نے بندے کو عدم سے وجود بخش کر احسان فرمایا، اسی خالق کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرانا واقعی بڑا جرم ہے۔ اسی لیے حضرت لقمان حکیم نے جب اپنے فرزند کو نصیحت کی تو یہی فرمایا:

﴿لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ ۝﴾ [لقمان: ۱۳]

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا، یقیناً شرک تو ظلم عظیم ہے۔

شرک کی اقسام

علما نے شرک کی چند قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

شرک فی الذات

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا۔ شرک فی الذات کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) اللہ کے لیے اولاد ماننا۔ سورۃ الاخلاص کی تیسری آیت میں یہی تو بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کی اولاد ہیں اور نہ کوئی اس کی اولاد۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر شرک کے جرم عظیم اور ظلم عظیم میں گرفتار ہوئے۔ نصاریٰ کے یہاں چار جماعتیں ہوئیں جن کے تین عقیدے تھے۔ یعقوبیہ اور ملکانیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی اللہ ہے۔ نسطوریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ابن اللہ ہے۔ مرقوسیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام تین خداؤں میں سے ایک ہے۔ (تفسیر خازن: ۱/ ۴۵۱، ۴۵۲)

مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا اور مجوسیوں نے خیر اور شر کے لیے دو الگ الگ خدا مان لیے۔

(۲) اللہ کے لیے بیوی ماننا۔ جیسے عیسائیوں کا ایک فرقہ حضرت مریم کو اللہ کی بیٹی قرار دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ کسی کی ذات میں حلول کر گیا ہے، یعنی کسی کی صورت میں دنیا میں آ گیا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہ کی طرح قرار دینا۔ جس طرح دنیا کے بادشاہوں کو وزیروں کی، مشیروں کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ایسا خیال رکھنا، یہ بھی شرک ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دینا۔ جس طرح مخلوق کے لیے اعضا اور جسم کی ضرورت ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ رکھنا۔ (مرأۃ الانوار: ۳/ ۱۳، ۱۴، ۱۵)

شرک فی الصفات

اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو شریک کرنا۔ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں اور بندوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً سمیع ہونا یعنی سننے والا اور بصیر ہونا یعنی دیکھنے والا۔ لیکن بندوں میں یہ صفتیں انتہائی کمی کے ساتھ پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ میں اعلیٰ درجہ کے ساتھ۔ بندہ بھی سنتا ہے، لیکن اس کا سننا بہت کم ہے۔ بندہ بھی دیکھتا ہے، لیکن اس کا دیکھنا بہت کم۔ اور اللہ تعالیٰ تو سیاہ رات میں، سیاہ پتھر پر چلنے والی سیاہ رنگ کی چیونٹی کو دیکھتا بھی ہے اور اس کے چلنے کو سنتا بھی ہے۔ اب اپنے کسی جھوٹے معبود کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ بھی سننے اور دیکھنے کی ایسی ہی طاقت رکھتے ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی صفات میں شریک کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی کچھ صفتیں ایسی ہیں جو صرف اسی میں پائی جاتی ہیں، مثلاً رازق ہونا، زندہ کرنے والا ہونا۔ اب کسی جھوٹے معبود کے بارے میں یہ خیال رکھنا کہ یہ بھی رزق دیتے ہیں یا یہ بھی مردوں کو زندہ کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کرنا ہے۔ (مرأۃ الانوار: ۳/ ۱۴)

شرک فی العبادت

عبادت کہتے ہیں انتہائی درجے کی عاجزی اور ذلتی اختیار کرنا۔ بندہ انتہائی ذلتی اس وقت اختیار کرتا ہے جب کہ وہ اپنے ماتھے کو اپنے رب کے سامنے ٹیک دیتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی اور کے سامنے ذلتی اور عاجزی اختیار کرے تو یہ عبادت میں شرک ہوگا۔ اپنے رب کے سامنے جھکانے کے لیے ہمارے پاس ایک پیشانی ہی تو تھی، اب وہ غیر کے سامنے جھکنے لگے تو رب کے لیے کون سا عضو خاص رہ گیا؟ (مرأۃ الانوار: ۳/ ۱۵)

شرک فی الحکم

شرک کی ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حکم میں کسی کو شریک کرنا۔ جو درجہ بندہ خالق کے حکم کو دیتا ہے وہ درجہ مخلوق کے حکم کو دینا۔ جس طرح خالق کا حکم بے چون و چرا مان لیا جاتا ہے، اسی طرح مخلوق کا حکم بھی سوچے بغیر مان لینا شرک ہے۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کا حکم شریعت کے دائرے میں ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مانیں، ورنہ رد کر دیں۔ (مرأۃ الانوار: ۳/ ۱۵)

کائنات میں شرک کی ابتدا

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں پانچ ولی اللہ تھے، جو گذشتہ نبیوں اور حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ وہ تمام بزرگان دین، اپنے قبیلے اور اپنے شہر

کے نہایت چہیتے اور ہر دل عزیز تھے۔ جب ان بزرگوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا، تو ان کے قبیلے اور شہر کے لوگ نہایت رنج وغم میں مبتلا رہنے لگیں۔ ایک روز جب اہل قبیلہ ان کی یادوں میں مغموم بیٹھے تھے، تو شیطان لعین ایک بزرگ کی شکل اختیار کر کے ان کے پاس آیا، اور کہا کہ تمھارے درد کی دوا میرے پاس موجود ہے۔ ان کے استفسار پر، اس نے مشورہ دیا کہ اپنے پانچوں بزرگوں کی تصویریں بنالو، اور ان کو ان کی اجتماع گاہ میں رکھ دو۔ جب تم ان تصاویر کو دیکھو گے، تو تمھارے دل کا درد کم ہو گا۔ چنانچہ اہل قبیلہ ابلیس کے جھانسے میں آ گئے، اور پانچ تصاویر بنالی، اسکی صبح شام زیارت کرتے، مگر ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، اور ان تصاویر کا نام بھی الگ الگ رکھ دیا۔ سورنوح کی آیت ٢٣ میں جن پانچ بتوں کا تذکرہ ہے وہ یہی پانچ بت ہیں، ان کا نام ترتیب وار اس طرح ہے، ودّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر۔ مفسرین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ پانچوں کن کے نام ہیں؟ بت کے یا بزرگوں کے؟ علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں بھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے ہی کے پانچ بزرگوں کے نام تھے۔

بہرحال! ان پانچ تصاویر کا نام پانچ بزرگوں کے نام پر رکھ دیا گیا، اور لوگ ان کی زیارت بھی کرنے لگے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، پھر جب ایک نسل ختم ہوئی اور دوسری نسل وجود میں آئی، تو اسے معلوم نہ تھا کہ یہ تصاویر دراصل انسانوں ہی کی ہیں۔ چنانچہ ابلیس لعین نے ان کو پٹی پڑھائی کہ یہ تمھارے معبود ہیں، تم ان سے اپنی ضروریات کے مطابق چیزیں مانگ سکتے ہو۔ وہ لوگ ان پر پھول اور مالے چھڑھانے لگے، اور جب وہ تصاویر پرانی ہو گئیں تو شیطان ہی کے مشورے پر ان کی شکل کے بڑے بڑے بت تراش لیے گئے۔ اس طرح دنیا میں بت

پرستی عام ہوگئی، پھر دھیرے دھیرے بتوں کے ساتھ ساتھ، دیگر چیزوں کی بھی پرستش شروع ہوگئی۔ (بخاری: کتاب التفسیر/سورۃ انا ارسلنا/باب ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق/رقم الحدیث: ۴۹۲۰)

حالانکہ دیکھا جائے تو بندوں نے اپنے رب کے ساتھ ایسی ایسی چیزوں کو شریک کر لیا جو نفع کے مالک ہیں، نہ نقصان کے۔ وہ اپنی ذات پر اختیار نہیں رکھتے، دوسروں کا کیا بھلا کریں گے؟

ایک صحابی کا واقعہ

ایک واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہو چکی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو توحید کی طرف بلا رہے ہیں، شرک سے روک رہے ہیں اس دور کا واقعہ ہے۔ ایک مشرک بت پرست تھے، وہ سفر میں گئے تو ایک چھوٹا سا بت ساتھ میں لیا۔ وطن میں تو بڑا مجسمہ ہے، اسے کہاں اٹھا کر لے جائیں سفر میں؟ اور سفر میں ضرورت پیش آ جائے تو کس سے مانگیں؟ اس لیے سفر میں ایک چھوٹا سا معبود رکھتے پاکٹ سائز جیسے آج کل برادران وطن بھی کار میں چھوٹا سا معبود رکھتے ہیں۔ اب وہ سفر میں چلے گئے، ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، خیمہ لگایا اور ایک کونے میں معبود کو بٹھا دیا۔ جب صبح بیدار ہوئے تو دیکھا معبود تر ہے۔ تعجب ہوا کہ آسمان صاف ہے، بارش کا ایک قطرہ نظر نہیں آتا، خیمے کا کپڑا بھی اوپر سے خشک ہے تو یہ کس طرح ہوا؟ اس کو گنگا جل سے اُشنان کس نے کروایا؟ اس کو پویتر (પવિત્ર) کس نے کیا؟ دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا کہ صبح بیدار ہے تو ساری جگہ خشک ہے اور معبود تر ہے۔ ایک رات سوچا کہ آج سونا نہیں بلکہ دیکھنا ہے کہ اس کو کون غسل دے جاتا ہے؟ جاگتے رہے، اخیر رات میں جنگل سے ایک

لومڑی آئی، خیمہ کا چکر لگایا اور کونے میں یہی حضرت پڑے تھے جا کر اس پر پیشاب کر دیا۔ ظاہر کی آنکھیں تو کھلی تھیں، اس منظر کو دیکھ کر باطن کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ بھلا یہ معبود کیسے جن کے سروں پر لومڑیاں پیشاب کر جائیں؟ جو اپنے آپ کو پیشاب سے نہ بچا سکے وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ اب سفر کو موقوف کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلے اور ایک شعر پڑھتے جا رہے ہیں:

أ رب يبول الثعلبان برأسه	لقد ذل من بالت عليه الثعالب

بھلا وہ رب ہو سکتا ہے جس کے سر پر لومڑی پیشاب کر دے۔ تحقیق ذلیل ہوا وہ جس کے سر پر لومڑی نے پیشاب کر دی ہو وہ ہرگز رب ہونے کے لائق نہیں ہے۔ حاضر خدمت ہوئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ (الاصابة فی تمییز الصحابة: ۲/۳۶۱)

تو یہ سورۂ اخلاص کا مختصر خلاصہ اور تفسیر ہے، جس کا سب سے بڑا درس ہے توحید کی دعوت اور شرک سے پرہیز۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل ایمان نصیب فرمائیں۔ (آمین)

وصلى الله على النبي الكريم

مصادر و مراجع

کتب تفاسیر

۱	القرآن الکریم	....
۲	روح المعانی	علامہ محمود آلوسی بغدادی
۳	تفسیر قرطبی مترجم	محمد بن احمد قرطبی
۴	تفسیر عزیزی مترجم	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
۵	تفسیر بغوی مترجم	حسین بن مسعود بغوی
۶	تفسیر الخازن	علی بن محمد البغدادی
۷	الکشف والبیان عن تفسیر القرآن	احمد بن محمد الثعلبی
۸	التفسیر الکبیر	محمد بن عمر التیمی البکری
۹	تفسیر ابن کثیر مع بیان القرآن	علامہ عماد الدین ابن کثیر
۱۰	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی
۱۱	معالم العرفان	صوفی عبد الحمید صاحب صواتی
۱۲	عرفان القرآن	مفتی سلطان حسن صاحب عثمانی
۱۳	انوار البیان	مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مہاجر مدنی
۱۴	لطائف سورۂ یوسف	مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیوی
۱۵	آسان درس قرآن	مفتی احمد صاحب خانپوری

کتب احادیث

۱۶	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاری

١٧	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیری
١٨	سنن ترمذی	محمد بن عیسیٰ الترمذی
١٩	سنن ابوداود	سلیمان بن اشعث سجستانی
٢٠	سنن نسائی	احمد بن شعیب نسائی
٢١	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینی
٢٢	مشکوۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ تبریزی
٢٣	المستدرک للحاکم علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ نیسابوری
٢٤	الموطا	امام مالک بن انس مدنی
٢٥	مسند احمد	امام احمد بن محمد شیبانی
٢٦	سنن دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی
٢٧	شعب الایمان للبیہقی	احمد بن حسین البیہقی
٢٨	المعجم الکبیر للطبرانی	سلیمان بن احمد الطبرانی
٢٩	مصنف ابن ابی شیبہ	عبداللہ بن محمد عبَسی
٣٠	الادب المفرد	محمد بن اسماعیل البخاری
٣١	کنز العمال	علی بن حسام الدین المتقی
٣٢	مجمع الزائد ومنبع الفوائد	علی بن ابی بکر الہیثمی المصری
٣٣	مسند شہاب	محمد بن سلامہ القضاعی
٣٤	الترغیب والترہیب	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری
٣٥	الجامع فی الحدیث	عبداللہ بن وہب بن مسلم القرشی
٣٦	ریاض الصالحین	یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی

۳۷	ذم الغیبۃ والنمیمۃ لابن ابی الدنیا	عبداللہ بن محمد القرشی البغدادی
۳۸	الزہد والرقائق لابن المبارک	عبداللہ بن مبارک المروزی
۳۹	شمائل ترمذی	محمد بن عیسیٰ الترمذی
۴۰	مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان القاری
۴۱	شمائل کبریٰ	مفتی ارشاد صاحب قاسمی
۴۲	تحفۃ الالمعی	مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
۴۳	کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان صاحب
۴۴	الدر المنضود علی سنن ابی داود	مولانا عاقل صاحب
۴۵	الرفیق الفصیح	علامہ رفیق احمد صاحب
۴۶	مظاہر حق	نواب قطب الدین خان دہلوی
۴۷	مرأۃ الانوار فی شرح مشکوۃ الآثار	مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری
۴۸	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

کتب فقہ واحکام

۴۹	الہدایہ	علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی
۵۰	البحر الرائق	ابن نجیم مصری الحنفی
۵۱	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی
۵۲	فتاویٰ رحیمیہ	مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری
۵۳	احکام المساجد	مفتی احمد صاحب بیمات
۵۴	تقسیم جائداد کے اسلامی اصول	مفتی ابوبکر جابر قاسمی
۵۵	صلوۃ الاستخارۃ	مفتی عارف حسن صاحب عثمانی

تاریخ، تذکرہ، سوانح

۵۶	الطبقات الکبریٰ للشعرانی	امام عبدالوہاب الشعرانی
۵۷	الطبقات الکبیر	محمد بن سعد الزھری
۵۸	کتاب العلل لابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی
۵۹	حلیۃ الاولیاء	احمد بن عبداللہ اصفہانی
۶۰	الاصابۃ فی تمیز الصحابہ	ابن حجر عسقلانی
۶۱	ظفر المحصلین باحوال المصنفین	مولانا حنیف صاحب گنگوہی
۶۲	مدارج النبوت	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۶۳	سیرت مصطفیٰ	مولانا ادریس صاحب کاندھلوی
۶۴	سیر صحابیات مع اسوۂ صحابیات	مولانا سعید انصاری ندوی/مولانا عبدالسلام ندوی
۶۵	صحابۂ کرام کے جنگی معرکے (فتوح الشام)	ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی
۶۶	امام ابوحنیفہ: سوانح وافکار	امانت علی قاسمی
۶۷	ائمہ اربعہ قدم بہ قدم	عبداللہ فارانی
۶۸	تذکرۃ الاولیاء	خواجہ فریدالدین عطار
۶۹	آپ بیتی	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
۷۰	حیات عارف	مفتی محمد عادل عثمانی/مفتی شاہد حسن عثمانی
۷۱	وہ جو تھا سچا عاشق قرآں	مفتی محمد عادل عثمانی

خطبات، مواعظ، ملفوظات، واقعات ومتفرقات

۷۲	احیاء العلوم مترجم	حجۃ الاسلام امام غزالی
۷۳	منہاج العابدین	حجۃ الاسلام امام غزالی

٧٤	تنبیہ الغافلین مترجم	فقیہ ابو اللیث السمر قندی
٧٥	المجالس الوعظیہ فی شرح احادیث خیر البریۃ	محمد بن عمر السفیری
٧٦	ادب الدنیا والدین	ابو الحسن ماوردی
٧٧	مجالس حکیم الاسلام	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
٧٨	اصلاحی خطبات	مفتی محمد تقی صاحب عثمانی
٧٩	خطبات فقیر	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی
٨٠	فیضان عارف	حضرت مفتی عارف حسن عثمانی
٨١	خطبات محمود	مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی
٨٢	محمود المواعظ	مفتی احمد صاحب خانپوری
٨٣	حدیث کے اصلاحی مضامین	مفتی احمد صاحب خانپوری
٨٤	گلدستۂ احادیث	مفتی شفیق صاحب بڑوڈوی
٨٥	الجواہر الزواہر	مولانا عبد الحیی صاحب کفلیتوی
٨٦	انوار ہدایت	مفتی شبیر صاحب قاسمی
٨٧	انوار نبوت	مفتی شبیر صاحب قاسمی
٨٨	ایک جامع قرآنی وعظ	مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
٨٩	اللہ سے شرم کیجئے	مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
٩٠	فضائل اعمال	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
٩١	فضائل صدقات	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
٩٢	فضائل تجارت	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی
٩٣	جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال	مولانا محمد ہارون معاویہ

۱۱۴	بکھرے موتی	مولانا یونس صاحب پالن پوری
۱۱۵	کتابوں کی درسگاہ میں	مولانا ابن الحسن صاحب عباسی
۱۱۶	عیون الحکایات مترجم	عبدالرحمٰن بن علی الجوزی
۱۱۷	واقعات پڑھئے اور عبرت لیجیے	مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
۱۱۸	حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
۱۱۹	رحمۃ اللہ الواسعۃ	مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
۱۲۰	مشارع الاشواق الی مصارع العشاق	ابن نحاس دمشقی الدمیاطی
۱۲۱	الکلیات للکفوی	ایوب بن موسی الحسینی
۱۲۲	التوقیف علی مہمات التعاریف للمناوی	محمد بن عبدالرؤف المناوی
۱۲۳	التعریفات للجرجانی	میر سید شریف جرجانی
۱۲۴	الرسالۃ القشیریۃ	علامہ عبدالکریم بن ھوزان القشیری
۱۲۵	مجلۃ التضامین الاسلامی	....
۱۲۶	ماہنامہ بینات	....